

نقد و بررسی

شوق





اسی کا حکم ہادی ہے زمینوں آسمانوں میں
ادان کے درمیان جو ہیں لیکن اور مکانی ہیں

ہوا پلٹی باغیچہ میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سب اس کے نشان ہیں

اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منسلک خواہشوں کی
 وہ نام اک حضور توحانی ہے ظلمت کے جہاں میں

اسی کے پاس اسرارِ جہاں کا علم ہے عطا
وی برپا کرے گا حشرِ آخر کے زمانہ میں

وہ کہہ سکتا ہے جو چاہے، وہ ہر کشتی پر قادر ہے
وہ مٹی کہہ سکتا ہے، لفظ کو جوہر میں بدلے کہ خوانی ہیں

بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوفِ باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو بکے گلستاں میں

میں اس حد سے متعجب و حیران ہوا تھا کہ
نظیر اس کی بے شمار برائی و استغنیٰ میں

مختبر میازی



۱ غزوہ احمد کا مکمل ناول - جنت مکہ ہے۔
 ۲ خاکِ نعیر احمد کا مکمل ناول - میرا سچا سب سے دوست ہے۔
 ۳ صاف کریم پروردہ کی کا مکمل ناول - اے آدم،
 ۴ نائنہ انظر اور فرحانہ ناز ملک کے ناول،
 ۵ نینہ انظر، بشری باقر، صبا اسلم اور صدہ عمر مرزا کے افسانے۔
 ۶ عالیہ بخاری کا ناول کہیں کے مرا وطن ہے۔
 ۷ لیوی فنکار شہزاد شہت سے طاقت ہے۔
 ۸ معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ - دستک ہے۔
 ۹ چمک کر میرے دو جہاں کرنا - معروف ادیب اشفاق احمد کی کتاب پر حیرت ہے۔
 ۱۰ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں - املویش کا سلسلہ۔
 ۱۱ خطِ آب کے اوندھیرے مستقبل کی اسلٹے شامل ہیں۔
 ۱۲ شاعر آب کو کیا لگا، ہم اپنی محنت اور کوشش میں کتنے کامیاب ہوئے۔
 ۱۳ آب کے خطوط کے منتظر ہیں۔

پیشکش پیرایہ میں

لوہار کا بدلہ

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے غزوہ تبوک کے موقع پر تیس ہزار یا چالیس ہزار قرض لیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس (تشریف لائے تو انہیں قرض ادا کر دیا) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ تمہارے گھریلو میں اور تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے۔ لوہار کا بدلہ (قرض کی) ادائیگی اور شکم پر ادا کرنا ہے۔“

فوائد مسائل :

- 1۔ ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے۔
- 2۔ اچھے طریقے سے ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بروقت ادائیگی کی جائے۔
- 3۔ جیسی چیز لی ہو اس سے بہتر ادا کرنا بھی حسن اخلاق میں شامل ہے لیکن اگر یہ پہلے سے طے ہو اور قرض خواہ اس کا مطالبہ کرے تو یہ سوہے جو بہت بڑا گنہگار ہے۔
- 4۔ قرض ادا کرنا تو قرض خوار کو دعا ہے نہ اللہ اس کا شکر ادا کرنا بھی اچھے طریقے سے ادائیگی میں شامل ہے۔

قرض خوار کو (خست بات کہنے کا) حق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض واپس مانگے کیا یا کسی اور کو حق کا مطالبہ کرنے آیا۔ اس نے کچھ (نامناسب) الفاظ

کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تادیب کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”رک جاؤ! قرض دالے کو اسے ساقی (مقروض) پر اختیار ہو گیا ہے جب تک کہ ادائیگی نہ کر دے۔“

حق

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک بدو (عربی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کسی قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت لہجہ میں بات کی حتیٰ کہ یہاں تک کہ وہاں اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کر دوں گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

”تجھ پر اللہ کی قسم! کیا تجھے معلوم نہیں تو کس سے مطالبہ ہے؟ اس نے کہا۔

”میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم نے حق دالے کا ساتھ کیلئے دیا؟“

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا۔ ”اگر تمہارے پاس بکجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو ہمارے بکجوریں انہیں کی تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔“

انہوں نے کہا۔ ”مجھے کیا باپ آپ پر قرض ہے اللہ کے رسول! میں تم کی تعمیل کروں گی۔“

انہوں نے آپ کو (بکجوریں) قرض دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیوی کا قرض ادا کیا اور اسے کھانا کھلایا اس نے کہا۔

”آپ نے مجھے پورا حق دے دیا تھا آپ کو پورا دے۔“

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جیسے لوگ بہترین ہوتے ہیں۔ وہ تو یہاں تک نہیں ہوتے جس میں بکجور کو پریشان کیے بغیر اس کا حق نہ دیا جائے۔“

فوائد مسائل :

- 1۔ قرض خوار کو حق کا حق حاصل ہے لیکن انھیں یہ بھی ہے کہ تقاضا کرنے میں بھی نرمی کی جائے اور مقروض کو مناسب سلسلہ دی جائے۔
- 2۔ جاہلوں کے لئے دیکھنا کہ جواب دہی سے نہ دیا جائے بلکہ عداوت نہ کیا جائے۔
- 3۔ حق دار کو اس کا حق اور قرض خوار کو اس کا قرض بن مانگے ادا کرنا چاہیے۔ یہ انتقام نہ کیا جائے کہ وہ جب ملے گا مجھ سے دے دیں گے۔

ادائیگی کی طاقت رکھنے والا

حضرت عمرو بن شریہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت شریہ ثقیفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ادائیگی کی طاقت رکھنے والا مال غنل کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جائیگا۔“

(امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) علی بن محمد طاہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”بے عزتی کرنے سے مراد اس کی شکایت کرنا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔“

فوائد مسائل :

- 1۔ قرض بروقت ادا کرنا ضروری ہے۔ مقفل ہونے کے بغیر تاخیر جائز نہیں۔
- 2۔ اگر مقروض وقت پر قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف حکمران یا قاضی سے شکایت کی جاسکتی ہے۔ حاکم اور قاضی کا فرض ہے کہ حق دار کو اس کا حق دلا جائے۔
- 3۔ اگر مقروض واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مزید ملتوی نہ کیا جائے یا قرض معاف کر دیا جائے یا بیت المال سے اس کی مدد کی جائے۔

اصل کا نظام موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے سے اس کی مدد کریں۔

یہ جن جرائم میں حد نہیں مگر میں بکجور کو تعزیر کے طور پر قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔

حضرت عباس بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ والد (حضرت حبیب بن عبدالمطلب) سے روایت ہے کہ وہاں سے دوا (حضرت لعلیہ علیہ السلام رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں اپنے ایک مقروض کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔

”(یہ جملہ جائے) اس کے ساتھ رہو۔“ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت میرے پاس سے گزرے تو فرمایا۔

”میں تم کے بھائی! تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد میں حضرت عبداللہ بن ابی مرثدہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ذمے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا ان کی تواریز باند ہو گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی تواریز بن لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر کل کر ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی انہوں نے کہا۔

”اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اپنے قرض مجھ سے لے لو! اور ہاتھ سے نصف کا اشارہ کیا (اور قرض چھوڑ دیا)۔“

انہوں نے کہا۔ ”میں نے معاف کیا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن ابی مرثدہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا۔

”تمہو اس کا قرض ادا کر۔“

فوائد مسائل :

- 1۔ قرض خوار مقروض سے قرض کی واپسی کا تقاضا کر سکتا ہے۔

2۔ دو آدمیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو صلح کرادینی چاہیے خاص طور پر وہ شخص جس کو جھگڑنے والوں پر کسی قسم کی نفیلت حاصل ہو اور اس کی نیت خلی جانی ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کر لے۔

اللہ صلح کے لیے صاحب حق اپنا کچھ حق بھول دے تو بہت ثواب کی بات ہے۔

قرض دینا

حضرت قیس بن مدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا حضرت سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقیقہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا دیکھ (مخوفا) ملنے تک کی مدت کے لیے ایک ہزار درہم قرض دیا۔ جب انہیں دیکھ ملا تو انہوں (سلیمان) نے ان سے سختی سے (قرض کی واپسی کا) تقاضا کیا۔

عقیقہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی کرری لیکن انہیں ناراضی محسوس ہوئی (کہ اتنی سختی سے تقاضا کیا ہے) چند ماہ گھر کر کے (پھر) ان کے پاس آئے اور کہل "مجھے تنخواہ ملنے تک ایک ہزار درہم قرض دے دیں۔"

انہوں نے کہل "ہاں (میں یہی خوشی سے آپ کا) احترام کرتے ہوئے (آپ کو قرض دیتا ہوں)۔"

پھر انہی یہی سے کہل "اے ہم قریب! تمہارے پاس جو مہر بند رکھی ہے وہ لے لو۔" وہ لے آئیں تو (عقیقہ سے) کہل۔

"قسم ہے اللہ کی بلیہ آپ کے وہی درہم ہیں جو آپ نے مجھے ادا کیے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک درہم بھی لوہر لوہر نہیں کیا۔"

عقیقہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہل "کیا خوب! آپ نے مجھ سے جو سلوک کیا اس کی کیلوجہ؟"

انہوں نے کہل "اس کی وجہ حدیث تھی کہ میں نے آپ سے سنی۔"

انہوں نے کہل "آپ نے مجھ سے کون سی حدیث سنی؟"

سلیمان نے کہل "میں نے آپ (عقیقہ) کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو مسلمان دوسرے مسلمان کو ہمارے قرض دیتا ہے وہ ایک بار تہجد کر کے پراہم ہو جائے۔"

عقیقہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (واقعی) ایسی طرح حدیث سنائی تھی۔"

قرض کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مہراج کی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا۔

"موت کے کاغذ میں لکھا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا" میں نے کہا "اے جبریل! کیا وجہ ہے کہ قرض موت کے بعد بھی زنا نفیلت کا حامل ہے؟"

انہوں نے کہل "میں نے آپ کے سائل (بعض اوقات) سوال کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کے پاس (اس کی ضرورت کا مال) موجود ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا ضرورت (اور بخوری) کی حالت میں قرض لیتا ہے کیونکہ قرض کی واپسی تو ضروری ہے اس لیے مجبوری کے وقت ہی لیا جاتا ہے۔"

مقروض سے تحفظ لینا

حضرت یحییٰ بن ابو اسحاق متقی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا۔ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

"ایک توی اپنے بھائی کو بل بطور قرض دیتا ہے پھر وہ (مقروض) اسے کچھ تحفہ دے دیتا ہے (کیا یہ مناسب ہے)۔"

انہوں نے کہل "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی شخص جب (کسی کو) قرض دے (پھر) مقروض (اسے تحفہ دے یا سواری کے لیے جانور پیش کرے تو) (قرض خواہ کو چاہیے کہ)

وہ اس پر سواری نہ کرے اور نہ وہ (تحفہ) قبول کرے" سوائے اس کے کہ ان دونوں میں پہلے سے تحفے مخالف کامیہ سلسلہ جاری ہو۔"

قوت شدہ کی طرف سے قرض کی ادائیگی

حضرت سعد بن اہول جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا بھائی فوت ہو گیا اس نے عین سو درہم (ترکہ) پھر ذوالورد بل بچے بھی تھوڑے سا سول نے چاہا کہ یہ مال اس کے بیوی بچوں پر خرچ کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے قید ہے اس لیے اس کا قرض لو اگرتا۔"

تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہل "اے اللہ کے رسول! میں نے اس کا (سارا) قرض لو اکر دیا ہے سوائے دو درہم کے۔ ایک عورت ان کا دعو کر رہی ہے لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت (گواہی وغیرہ) نہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اسے دے دو وہ گنہگار ہے۔"

تو انہو مسائل :-

1۔ یہی بچوں پر خرچ کرتے کا مطلب یہ ہے کہ مال ان کے حوالے کر دیا جائے یا اس سے ان کی ضروریات پوری کی جائیں کیونکہ مرنے والے کے ترکے میں سے یہی کا حصہ مقرر ہے جو باقی بچے کو بچوں کا ہے۔

2۔ درالشت میں بعض اقرا کا حصہ مقرر ہے انہیں حصہ دینے کے بعد باقی مال قریبی رشتے داروں کو ملتا ہے۔ انہیں "صحب" کہتے ہیں۔ صحب اقرا میں جانا بہائی پر مقدم ہے۔

3۔ ترکے کی تقسیم قرض کی لوائیگی کے بعد ہوتی ہے۔

4۔ عورت کا یہ دعو تھا کہ مرنے والے کے ذمے اس کے دو درہم تھے۔ حضرت سعد بن اہول رضی اللہ عنہ اپنے اطمینان کے لیے گواہی طلب کرتے تھے۔

عورت کے پاس کوئی نہ تھی۔ اس قسم کی مشکلات سے بچنے کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ قرض کا لین دین غرر میں نہ ہو بلکہ قرض کو گواہی مقرر کیے جائیں۔

5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ عورت کا دعو اور دست ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو درہم دیا۔

6۔ قرض لو انا نہ ہونے کی صورت میں فوت ہونے والے کو اللہ کے ہاں قید کیا جاتا ہے لیکن یہ قید صرف جنت میں رہنے سے رکھت ہے اس کی وجہ سے وہ جہنم کا سختی میں جاتا ہے اللہ اعلم۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے ذمے ایک یہودی کا تیس سو قرض تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے ملت مال کی تو اس نے ملت دینے سے انکار کر دیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یہودی سے ان کی سفارش کر دیں۔

"چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لے جا کر یہودی سے بات چیت کی (اور یہ پیش کش کی) کہ ان پر جو قرض ہے اس کے بدلے وہ ان کی سبجوئوں کا سارا پھل لے لے تو اس (یہودی) نے یہ بات ملتے ملتے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ملت دینے کا کہا تو اس نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجبوروں کے ہاں انہیں تشریف لے گئے اور درختوں کے درمیان چلے پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"پھل (تو) لو اور اسے اس کا حق پورا دے دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے پھل انکار کر دیں و حق مجبوریں اس (یہودی) کو دے دیں اور باہر و حق



تھا کیونکہ اس کے بعد ہی مجھے آفرز آنا شروع ہوئیں
 اور تب کہ میں یہ 13 اگست پر جی تھا جو پہلے ”آگ
 ٹی وی“ سے چلا پھر لوگوں کی فرمائش پر اسے جیو سے بھی
 چلا گیا۔

”پچھلے دس سالوں میں لوٹاری اور کام نہیں ہادی تھیں
 ۔۔۔ مگر وقت بھی بہت نکلا ہے ایک ڈارے میں یا
 سیرل میں۔“

”نہیں بالکل بھی پور نہیں ہے۔۔۔ میں جب میں
 اس فیلڈ میں نہیں کیا تھا تب مجھے یہ کام پور لگتا تھا
 اب ظاہر ہے جیسا نہیں ہے۔“

”میں لیڈنگ ہیلی کاپٹی کیا تھی؟“

”جیو کے سیرل ڈرامے کے مجھے T5 بڑا روپے
 ملے تھے اور یہ میری اپنی ذاتی کمائی تھی تو مجھے بہت سی
 اچھا لگتا تھا۔۔۔ کچھ کھرا لگتا ہے کچھ اپنے اوپر اور کچھ
 کھانے پینے میں خرچ کر دیتے تھے۔“

”فیوچر پلاننگ کیا ہے اس فیلڈ میں کمالات تک
 جاتے؟“

”مجھے اس فیلڈ میں اگلے پانچ سال تک لوٹاری ہی
 کرنی ہے۔ یہ میرا فیوچر پلان ہے۔ پھر اپنا پروفیشن
 ہاؤس کھولوں گا۔ آگے لکھنا مانگ ہے جو کچھ
 چاہے۔“

”لکھتے باہر کافی عرصہ آپ نے گزارا دل
 چاہا مستقل قیام کو؟“

”جیسے ہی گرین کارڈ ہے امریکا کا۔ لیکن ج
 رہیں تو میرا کبھی بھی دل نہیں چاہا وہاں رہنے کو۔ بے
 رنگ دن میں بہت اچھی باتیں ہیں مگر پھر بھی اپنا ملک
 لپٹا ہی ہے۔ ویسے بنیادی طور پر ہم بہت جذباتی قوم
 ہیں۔ تھوڑی سی سوجھ بوجھ پر ایک ہو جاتے ہیں اور
 پیچھے ایک دوسرے کی کٹ کرتے ہیں اور جلدی
 سے میں گھبراتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔“

”میں ایک ہونے میں دوسرے ملکوں سے سبق
 سیکھتا چلا ہے۔“

”بالکل سچی۔ اسلام کتا ہے کہ ایک دوسرے
 سے پیار محبت سے رہیں۔ ایک دوسرے کا خیال

میں آکر جو کچھ میں نے کیا تو میں یہ کہیں گا کہ لوٹاری
 بھی ایک فنل ٹائم جاب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تب
 وارنٹ ٹائم ایکٹنگ کر رہے ہیں اور وارنٹ ٹائم کچھ اور۔
 اگر آپ کوئی کام کر رہے ہیں تو آپ کو اپنی پوری توجہ
 کے ساتھ دینا پڑتا ہے اور میں اپنی پوری توجہ کے
 ساتھ یہ کام کر رہا ہوں اور تب جبکہ میں نے لوٹاری
 شروع کر دی اور مجھے اچھا بھی لگ رہا ہے اور سیکھنے کو
 بھی مل رہا ہے تو میں نے سوچا کہ اب اگلے پانچ سال
 میں صرف اپنی ایکٹنگ کو وہاں گا اور اس کے بعد اپنا
 پروفیشن ہاؤس کھولوں گا اور کرسٹلز اور ڈائریکشن پر
 توجہ دوں گا۔“

”فلمیں بھی کریں گے پاکستانی یا امریکی؟ کیونکہ
 پاکستان کی فلم انڈسٹری تو بالکل بینہ مٹی ہے۔“

”فلموں میں کام ضرور کروں گا۔ لب ہمارے یہاں
 بھی اچھا فلمیں بننا شروع ہو گئی ہیں اور کچھ فلمیں تو

ایسی ہیں کہ جب جاریہ طرز ہوں گی تو لوگ ان کو بہت پسند
 کریں گے۔ تب دیکھیں گی کہ ایک دو سالوں میں
 سینما ہاؤسز کی روٹھیں بحال ہو جائیں گی اور بہت سی
 اچھی فلمیں دیکھنے کو ملیں گی۔“

”مثلاً کس طرح وہ روٹھیں بحال ہوں گی؟“

”بہت سارے لیے لوگ ہیں۔ جو ہماری فلم
 انڈسٹری میں انویسٹ کرنا چاہتے ہیں اور تب کی سبب
 کہ ہماری فلم انڈسٹری ٹھیک ہو گئی ہے یا بینہ مٹی ہے تو
 ایسا نہیں ہے۔ انڈسٹری ٹھیک یا نا ٹھیک نہیں ہوگی بلکہ ہم
 نے خود سینما ہاؤس چلا کر پھیلایا ہے اس لیے سب سے بڑا
 بند ہو گئی ہیں۔“

(چلا اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ فلمیں حوا نہیں کر
 رہیں۔ اب انڈیا کی فلمیں ریلیز ہوتی ہیں تو لوگ
 جلتے ہیں۔)

”پسلا ڈراما سیرل کمپ کا ”ڈرامہ“ تھا۔ کیا
 ریلیز ہوا تھا؟“

”جی ہاں ڈراما سیرل ڈرامہ تھا اور میں کہتا ہوں
 کہ اس فیلڈ میں مجھے متعارف کرائے وکلا کی سیرل

اسی لیے جب ہم لوٹاری کر رہے ہوتے ہیں تو
 لا شعوری طور پر کوئی نہ کوئی کردار ہمارے ذہن میں ایسا
 آجاتا ہے جس کو ہم نے دیکھا ہوا ہوتا ہے اور ہم تو
 کرنا نہیں بھی کسی کو دیکھ کر ہی کرتے ہیں۔“

”مثلاً انڈیا تم اب اچھے خاصے مشہور ہو گئے ہو
 کیا محسوس کرتے ہو کہ اب عام لوگوں کی طرح
 لائف گزارنا مشکل ہو گیا ہے؟“

”نہیں مجھے بالکل بھی مشکل نہیں ہوتی کیونکہ
 میں عام لوگوں کی طرح ہی ہوں اور عام لوگوں میں ہی
 اچھا بھلا ہوں۔ یہ میرا پروفیشن ہے جس طرح اور
 لوگوں کے مختلف پروفیشن ہوتے ہیں۔“

”لوگ آپ کو پہچان کر کیا کہتے ہیں۔ تریف
 کرتے ہیں لوٹاری کی یا آپ کی؟“

”لوگ پہچان کر مجھ سے پوچھتے کرتے ہیں اور پھر
 پوچھتے ہیں کہ آپ کے ابا کیسے ہیں۔“

”اچھا۔۔۔ کبھی مل جاتا ہے کہ آپ کو لوگ آپ
 کی وجہ سے پہچانیں؟“

”شروع میں مجھے یہ بات محسوس ہوتی تھی اور

رکھیں۔۔۔ جموٹ نہ بولیں کہ نہ تو میں یہ سب باتیں
 باہر ہیں آپ کسی اسٹور میں چلے جائیں وہ مسکرا کر
 باتیں کرتے ہیں۔ اچھی طرح نہت کرتے ہیں خطرات
 میں گھڑے ہو کر ڈسپن کے ساتھ آپ خریداری
 کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی بدگمانی ہے۔ سبیرا
 کر اسٹک کا خیال رکھتے ہیں۔ بہت سی اچھی باتیں ہیں
 ان میں جو ہم میں نہیں ہیں۔“

”ڈراموں میں انسان کی اپنی شخصیت کتنی اہم
 ہوتی ہے یا آپ کی شخصیت کا نشانہ کس ہوتا ہے؟“

”جناب۔۔۔ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے
 جو اور بیکٹل ہو۔ مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ
 اسکرپٹ اور بیکٹل ہے یا یہ لوٹاری اور بیکٹل ہے۔ ہم
 انسان ہیں۔ ہم ہمیشہ دو سہلوں کی چیز کی کاپی کرتے ہیں۔
 جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو اسی انداز اور اسی زبان میں
 باتیں کرتے ہیں جن میں ہمارے والدین اور ہمارے
 بہن بھائی کرتے ہیں۔ اس طرح اسکول میں پڑھایا
 جاتا ہے اسے اسی طرح ہی ایکٹ کرتے ہیں جس
 لیے اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اور بیکٹل ہو“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام آپ کو تمام ڈائجسٹ
 ناولز اور عمران سیریز بالکل مفت پڑھنے کے ساتھ
 ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک کے ساتھ
 ڈاؤنلوڈ کرنے کی سہولت دیتا ہے۔
 اب آپ کسی بھی ناول پر بننے والا ڈرامہ
 آن لائن دیکھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ
 لنک سے ڈاؤنلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔

For more details kindly visit
<http://www.paksociety.com>

☆ "مفتول فرج ہیں؟"
 * "جی ہاں بالکل جو کتنا ہوں جمع کر رہا ہوں۔ میرے
 جمع ہوتا ہی نہیں ہے۔ شاید یہ میری بری علامت
 ہے۔"
 ☆ "اپنے والد کی طرح مشہور ہونا چاہتے ہیں یا ان
 سے بھی زیادہ کی خواہش ہے؟"
 * "میرے خیال میں میرے والد عالمگیر شہرت رکھتے
 ہیں۔ ان سے زیادہ شہرت تو شاید ہی حاصل کر سکوں۔
 آخر سے کتنا ہوں کہ یہ میرے والد صاحب ہیں۔ بس
 میری اتنی خواہش ضرور ہے کہ ایک دن ایسا بھی کہے
 کہ میرے والد آخر سے کہہ سکیں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔"
 ☆ "کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔ کب کب کس جہنم لیا؟"

* "میری فیملی کو تو آپ پورے سب ہی جانتے ہیں۔ میں
 26 ستمبر 1982ء کو کراچی میں پیدا ہوا۔ سنا ہوا
 ہے اور قدر چھ فٹ دو انچ ہے۔ میں نے کبھی ڈراما نہیں
 میں کرکے یقین کیا ہے اور فلم میکنگ پورے ایکٹنگ میں
 کورسز کیے ہیں۔ میری شادی ان شاد اللہ دسمبر
 2012ء میں ہو رہی ہے۔ میری ایکسپیکٹیشن سن بھی
 ہے۔"

☆ "شادی پسند سے ملے ہوئی ہے؟"
 * "جی ہاں میری بھی پوری عمر کے گھروالوں کی پسند سے
 یعنی لوہا اینٹ۔"
 اور اس کے ساتھ ہی ہم نے شہزادہ سے اجازت
 چاہی اس شکر ہے کہ ساتھ کہ اپنی مصروفیات سے
 ہمیں وقت ملا۔



خاص طور پر اس وقت جب لوگ مجھے میری والد کی وجہ
 سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ تو میرا دل چاہتا تھا کہ
 لوگ مجھے میری حیثیت میں پہچانیں۔ لیکن پھر
 آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ میں اگر بار بار لوگوں کی نظر
 سے رکھوں تو میرے والدین کے لیے ایک "کلی گون"
 ایک ہیو ہوں۔ ہماری پہچان میں ہماری شان ہیں تو
 جب اس چیز کا احساس ہوا تو پھر ان کے حوالے سے
 پہچان اچھی لگنے لگی۔

☆ "شوہر کو کیا پایا۔ اچھی فیملی ہے یا بہت اچھی
 فیملی؟"

* "پہچن سے اس فیملی کو کچھ رہا ہوں۔ اگرچہ کلہوڑ
 سے شروع کیا۔ جہاں تک بہت اچھے کی بات ہے تو ہر
 وہ فیملی اچھی ہے جب انسان خود اچھا ہے۔ انسان ہی
 اس فیملی کو بد ہم بھی کرتا ہے اور انسان ہی اس فیملی کو
 اچھا ثابت کرتا ہے اور ایسا ہی فیملی میں ہوتا ہے۔"



دستک دستک دستک

شاہین رشید



روقتی دلالہ

ہاں گ۔ اب مجھے کیا معلوم کہ آپ کیا پوچھتا جانتی ہیں۔

☆ ”تو پھر یہ بتائیں کہ آپ کو لالہ کیوں کہتے ہیں جبکہ آپ کا نام تو عبد الرؤف ہے۔“

☆ ”میرا شناختی کارڈ والا نام تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ عبد الرؤف ہے اور لالہ مجھے میرے سب لوگ پیار سے کہتے ہیں۔“

☆ ”اور شناختی کارڈ پر آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟“

☆ ”اس پر تو کبھی غور ہی نہیں کیا۔ اسی کہتی ہیں کہ جس دن تمہاری خانہ کا بیٹا پیدا ہوا تھا اس کے دن کے دن میں پیدا ہوا تھا۔ اب وہ کب پیدا ہوا تھا مجھے نہیں معلوم۔ اب آپ پوچھیں گی کہ کس شہر میں پیدا ہوا تھا تو اگر کراچی میں تو حلالہ رکھنے میں۔“

☆ ”یہ کیسے ممکن ہے؟“

☆ ”(چنتے ہوئے) ”مطلب یہ ہے کہ پیدائش رکھنے میں ہی ہوا تھا مگر دس دن کے بعد کراچی آیا تھا۔ تو دس دن کا بچہ تو ہیں۔ ایسا ہی ہوا میں کہ پیدا ہوا نہ ہوا۔“

☆ ”ماشاء اللہ فریہ ہیں پھر بھی سب سے لگتے ہیں۔ تعلیم کہاں تک حاصل کی؟“

☆ ”تو کیا آپ نے میرے کچھ سولوائے ہیں۔“

☆ ”بنتے ہوئے“ اور یہاں تک تعلیم کی بات ہے تو میں نے احمد اللہ اختر تک تعلیم حاصل کی ہے اور وہ بھی پہلے اسکول سے۔“

☆ ”اتر تک؟“ لوگ ڈگریاں لے کر کہتے ہیں احمد اللہ لورڈ آپ اتر تک پڑھ کر احمد اللہ بول رہے ہیں؟

☆ ”کیسے ہیں وقتی دلالہ صاحب؟“

☆ ”ویسے ہوں جیسا پہلے تھا۔“

☆ ”گڈنس۔ آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے آپ کے برکتہ جملے بہت محفوظ کرتے ہیں۔“

☆ ”اچھا! بہت بہت مہربانی ہے آپ کی۔ سچی بات ہے کہ میں نے کبھی سوچ سیکھ کر جواب نہیں دیا۔ نہ کوئی فلسفہ جماڑنے کی کوشش کی ہے۔ سیدھا سادہ انسان ہوں۔ بھلا نہیں ہے مجھ میں۔“

☆ ”یہ تو ہے۔ کیا بچپن سے ہی اتنے بڑے سچ ہیں؟“

☆ ”جی! بچپن سے ہی ایسا ہوں اور یہ میرا اللہ کا ہی دیا ہوا ہے۔ بہت شکر گزار ہوں اپنے رب کا۔“

☆ ”کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟“

☆ ”کیا بتاؤں۔ آپ پوچھتی جائیں۔ میں بتاتا

☆ ”اس زمانے کا اثر بھی بہت ہے۔ سارے میڈیم میں پڑھائی کی اور جیسا اچھا بیٹا کہ پہلے اسکول کا پڑھا ہوا ہوں وہی پہلا اسکول جس کی دیواروں پر وہ خانوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔“

☆ ”آپ کہتے بہن بھائی ہیں اور کیا وہ بھی اس فیلڈ میں ہیں؟“

☆ ”پانچ بہنیں ہیں۔ اور وہ بھائی۔ ویسے سب شادی شدہ ہیں۔ اپنی زندگی مزے میں گزار رہے ہیں۔“

☆ ”شادی پسند کی کی آپ نے؟“

☆ ”مگر والدین نے اس کی تھی۔ لوشادی سے بعد کیا۔ شادی سے پہلے مجھے ناظم ہی نہیں ملا کسی سے محبت کرنے کا اور کسی لڑکی کو دیکھنے کا۔ لڑکیوں کے پاس تو بہت ناظم تھا مجھے دیکھنے کا اور میں بھی سوچتا تھا کہ خوب صورت انسان ہوں تو سب دیکھیں گے ہی اور ویسے بھی لڑکیوں کا کام ہی دیکھنا ہوتا ہے یا وی دیکھتی ہیں یا فلیس دیکھتی ہیں یا پھر لڑکے دیکھتی ہیں۔ میں محبت مجھے شادی کے بعد اپنی بیوی سے ہی ہوئی۔“

☆ ”شوہر کی فیلڈ بڑی خطرناک ہے۔ کبھی دسری شادی کا خیال آیا؟“

☆ ”دوسری شادی کا خیال آیا تھا اور کرتے ہی لگا تھا کہ بیگم نے منع کر دیا کہ ایسا نہ کریں میں اپنے آپ کو چھین کر لوں گی تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے! تم اپنے آپ کو چھین کر لو تو مجھے کیا ضرورت ہے دوسری شادی کرنے کی۔“

☆ ”شوہر میں کیسے آئے؟“

☆ ”رکشے میں آیا تھا۔“

☆ ”اچھا۔ رکشے میں کس نے بٹھایا تھا؟“

☆ ”میں خود بیٹھا تھا۔ کیونکہ میں پانچ نہیں تھا اور شوہر میں نے 1978ء میں جوائن کیا۔ کسی کی سفارش سے نہیں آیا تھا بلکہ اتفاقاً آیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ ایک سچے لڑکے کا ریکارڈ تک سمجھ کر تھا۔ وہاں اس موقع پر ایک آرٹسٹ نہیں آیا تھا تو مجھے کسی



نے کہا کہ بیٹا! اس جگہ پر آپ کھڑے ہو جائیں۔ بچپن سے ہی فریہ تھا اور انہیں ضرورت ہی ایک گھل مشعل بننے کی تھی تو میں جو پر فارم کرنے کو کہا گیا وہ میں نے پر فارم کر دیا۔ کام پسند آیا اور لوگوں نے بھی تعریف کی تو میں پھر سلسلہ چل پڑا۔ اور اب پینتیس سال ہو گئے ہیں اس فیلڈ سے وابستہ ہوئے۔“

☆ ”اور شاید آپ کو پہلے ہی ڈرامے پر ایوارڈ بھی ملا تھا؟“

☆ ”جی ہاں۔ پہلے ڈرامے میں سیکنڈ ایوارڈ ملا اور سیکنڈ ڈرامے میں فرسٹ ایوارڈ ملا۔ اور تیسرے ڈرامے میں تھرڈ ایوارڈ ملا۔ تو میں ایسی حوصلہ افزائی ہوئی کہ میں نے اس فیلڈ کو اپنا لیا۔ ورنہ مجھے تو پانچٹ بننے کا شوق تھا۔ کتنے گے ہوئی جہاز بنا کر اڑایا کرتا تھا۔ میں اپنے رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے عزت بھی دی ہے۔ مقبولیت بھی دی ہے اور عزت کی مدد بھی دی ہے۔“

☆ ”ذوالقرنین حیدر

☆ ”کیسے ہیں ذوالقرنین حیدر صاحب۔ اپنے ہم کو اپنے لیے کتنا خوش نصیب سمجھتے ہیں؟“



* "ہاں... جلدی تو ہوا ہے۔ لیکن لوگوں کی فرائض بھی ہوئی ہیں۔ سوپ سٹ ہو گیا تھا۔"

* "حقیقت کے کتنا قریب تھا؟"

* "میں تو سمجھتی ہوں کہ بہت قریب تھا۔ بھی بڑے گھر میں جا گیواہوں اور ڈیڑھ میں لیسائی ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کے قریب رہتے ہیں وہ سب کچھ جانتے ہیں ان کے بارے میں۔"

* "گورنر کل کیا کیا پروجیکٹ ہیں؟"

* "پروجیکٹ تو بہت ہیں۔ اب تو مجھے خود بھی یاد نہیں کہ کتنے پروجیکٹ ہیں۔ بس مجھے تو کام کرنا ہے۔"

* "گورنر نے کاوقت مل جاتا ہے؟"

* "(ہستے ہوئے)۔ "ہاں ہاں ایکوں نہیں۔ آرام بھی تو بہت ضروری ہے اور اتنا ٹائم تو مل ہی جاتا ہے کہ بندہ آرام کر لے۔"

* "پلیس ٹی ایمز ہوں۔"

لیکن پھر بھی اگر آتا چاہیں گے تو میں انہیں منع نہیں کرتا۔

سلی ظفر

* "کیسی ہیں آپ اور ڈراموں کی کیا مصروفیات ہیں؟ آج کل اسکرین پر آپ ہی آپ ہوتی ہیں؟"

* "ڈراموں کی مصروفیات ہی بہت زیادہ ہیں۔ اسکرین پر ہونا بھی تو آپ کی اور ناظرین کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اگر آپ لوگ پسند نہیں کریں گے تو ہمیں کون پوچھے گا۔"

* "آپ اتنی اچھی پرفارمر ہیں۔ ہوا آپ کو کون پسند نہیں کرے گا۔ آپ نے بھی ماڈرن مل کے رول ایس کیے؟"

* "(ہستے ہوئے) "ہاں لدا اچھی مجھے بھی ماڈرن رول آفر نہیں ہوا۔ لیکن اگر ہوتا تو شاید بہت اچھے طریقے سے کر بھی لیتی۔"

* "آج کل "کاش میں تیری بیٹی نہ ہوتی" دھواں دکھلا جا رہا ہے۔ کچھ زیادہ جلدی شروع نہیں ہو گیا؟"

* "اب تو دوبار سے دوبار ملی ہوئی ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کا پتا نہیں ہو گا۔"

* "ہائل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب تو ایک سی گھر میں ہوتے ہوئے یہ پتا نہیں ہوتا کہ ہماری اوپر کی منزل میں کون ہے۔"

* "اور ایسا بھی تو ہوتا تھا کہ والدین کے لیے سب بچے یکساں ہوتے تھے۔ ایک جیسا پیار ایک جیسا خیال۔ اب شاید یہ رویہ بھی بدل گیا ہے۔"

* "بہت بڑے بدلے ہیں مگر بہت زیادہ نہیں۔ اور میں چونکہ خود اولاد والا ہوں تو یہ ضرور کہوں گا کہ کبھی کبھار کسی بچے کی ادا نہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور اس پر زیادہ پیار آ جاتا ہے۔ لیکن اگر متعلقانہ طریقے سے دیکھیں یا ہزارے کے حساب سے دیکھیں تو میرا خیال ہے سو فیصد برابری ہوتے ہیں۔"

* "بچپن میں بہت ایکٹو تھے۔ کالج کے نکلنے میں بھی ایکٹو رہے یا کچھ ایکٹیوٹی تبدیل ہوئی؟"

* "ہائل۔ بہت وقت کے ساتھ ساتھ انہیں بدلتا رہتا ہے۔ کالج کے نکلنے میں ڈراموں میں اداکاری کا شوق شروع ہو گیا اور میرے جتنے بھی دوست تھے وہ بھی فن کے شوقین تھے۔ ہم کچھ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے اسکرپٹ لکھا اور دیگر دوستوں نے میرے جمع کر کے تھیوٹرکل ہل میں اسٹیج پلے کیا۔ لوگوں کو گھر گھر جا کر گانڈ دیے۔ جس نے پیسے دیے وہ بڑے بڑے لے لیے جس نے نہیں دیے اس سے تنگنا نہیں کی۔ ہل غل تھا اور لوگوں نے اسے بے انتہا پسند کیا۔ ڈرامے کا نام "آئے دن ہمارے" تھا اور بس اس کے بعد سلسلہ چل پڑا۔ یوں ٹھیٹر سے ٹی وی تک کا سفر کج تک جاری ہے۔"

* "تپ کے بچے اس فیلڈ میں ہیں؟"

* "میرے بچے اس فیلڈ میں نہیں ہیں اور میری کوشش بھی یہی ہے کہ میرے بچے اس فیلڈ میں نہ آئیں کیونکہ شوہر کا اختتام کوئی بہت اچھا نہیں ہے۔"

* "الحمد للہ ٹھیک ہوں اور نام کے لحاظ سے اس طرح خوش نصیب ہوں کہ یہ نام قرآن پاک میں سے دیکھ کر کسا گیا۔"

* "زندگی پر نام کا اثر ہوتا ہے کیا؟"

* "میرا خیال ہے کہ نام کا اثر انسان کی شخصیت پر پڑتا ہے۔ جب آپ کسی کا نام پکارتے ہیں تو اس کے گرد اس نام کے تاثر کا ایک المکن جاتا ہے یہ بات قصہ ریسرچ سے معلوم ہوا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ نو مولود کا نام بزرگوں سے پوچھ کر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ بلا سوچے سمجھے رکھے ہوئے نام بعض اوقات شخصیت کے لیے ہماری بھی ہو جاتے ہیں۔"

* "نام کا شخصیت پر اثر پڑتا ہے تو اکثر نام کو یا تو مختصر کر کے پکارا جاتا ہے یا پھر پیار میں بگاڑ دیا جاتا ہے۔ تو ایسا ہونا چاہیے؟"

* "ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے یہاں یہ ریت چلی آ رہی ہے کہ "ٹنگ نیم" ضرور رکھا جاتا ہے۔ مجھے میرے گھر والے اور دوست یار "ڈنڈی" کے نام سے ہی بلاتے ہیں۔"

* "لیکن عام حلقوں میں تو ایسا نہیں ہے؟"

* "جی ہاں عام حلقوں میں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ میری شناخت میری پہچان "ڈو القزین" ہی ہے۔ شوہر کے لوگ مجھے ڈو القزین کے نام سے ہی جانتے پہچانتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے دادا جان کہا کرتے تھے کہ نام پورا لینا چاہیے کیونکہ ادھر وہ نام یا بگاڑ کر لینے سے مفہوم بدل جاتا ہے۔"

* "گزرے زمانے میں لوگوں میں آپس میں بہت محبتیں ہوا کرتی تھیں۔ اب ایسا کیوں نہیں ہے؟"

* "تپ زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ نئی بات ہے جس کو ایک افریقی کی سی کیفیت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ محلے میں کسی کو کوئی پریشانی ہوتی تھی تو ہم پورے محلے سے جھگڑا اٹھیں کر کے ان کی مدد کیا کرتے تھے اور محلے میں سب میلی کی طرح رہتے تھے۔"

انسانی ذہن کی بلند پرواز جستجو کی فضا میں۔
درواف کا مولیٰ تلاش کرنے کے لیے جن پروں پر
انحصار کر سکتی ہے۔ وہ حیرت کا نام رکھتے ہیں۔ مکمل
تک تو ہر ایک کی ہے۔ مگر مشاہدے کے لیے حساس
دل اور پیدار دل کی ہم نوا کی ضرورت ہے۔

جستجو کا اضطراب اسے بے خطر تجربات سے
گرنے کی جرأت عطا کرتا ہے۔ اور نئے نئے
تجربوں سے گزرنا اس کے خیال کو تازگی بیان کو سلوکی
اور لہجے کو لال میں اتار جانے والی تاثیر عطا کرتا ہے۔

اشفاق احمد کی ہمہ جہت ذات اور شخصیت کے کئی
تعارف اور کئی مقام ہوں گے مگر مجھے ان سے محبت
زاویہ پڑھ کر ہوئی۔ اوپر بیان کی گئی صفات سے مزین
ان کی ذات نے اس کتاب کے وسیع جو آسانی مجھے
اور مجھ جیسے بہت سوں کو عطا کی۔ ایک احسان کا درجہ
رکھتی ہے۔

خود فراموشی کی کیفیت سے نکل کر امید، یقین،
جستجو کے عمل پر توجہ کر دینے والی اس کتاب کا درجہ
میرے لیے خاصا بلند ہے۔

”کو شش“ جدوجہد، نمٹنا، نبھنا، دوڑنا، یہ ساری کی
ساری آپ کے اندر انا اور تکبر پید ا کرتی ہیں۔ اسی لیے
ہمارے یہاں حکم ہے کہ آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔
اسلام میں مقابلے کی یہ صورت بالکل منع ہے۔ ایک
نئی اجابت ہے اور وہ ہے تقویٰ کے لیے آپ اس میں
مسابقت کر سکتے ہیں۔“

• مسابقت اور مقابلے سے آپ کو روکا گیا ہے اور
تقویٰ، نیکی، اچھائی کے لیے آپ کو ابھارا گیا ہے کہ ہاں
یہاں پر جتنا مقابلہ ایک دوسرے کا کر سکتے ہو۔ کرو۔“
”ہم سوچے سمجھے بغیر پیسے تو کچھ بات منہ سے نکل
دیتے ہیں اور پھر اپنے تکبر میں امانہ کرنے کے لیے
اس چیز کو طوطا بنا لیتے ہیں جو آپ کے مکمل کی وجہ
سے نہیں ہوتا۔ بچوں کے ہنسنے آنا، آپ کا خوش حال
ہونا، آپ کا چہرہ اچھا ہونا، رعیت گوری ہونا، یہ محض
عطائے خداوندی ہے۔ اس کو تم اپنی تلوار بنا کر لوگوں
کی گردنیں نہ مارنے رہو۔“

”احرم آدمیت“ سے لیے گئے یہ اقتباس اس
تفصیل کا اہل ہے جو فی زمانہ ”میلیٹس سبیل“ کے
نام پر اختیار کیے جانے والے رویے اس پر کیے جانے
والے غرور اور ان تمام کے نتیجے میں پیدا ہونے والے
اس معاشرتی خلا کا باعث بن چکے ہیں جس نے ہماری
اقدار، ہمدردی کے احساس اور وضع داری کو شدید
غیر پسندیدہ بنایا ہے۔

حقائق الہیوں کی اہمیت اپنے انداز میں ادا کر کے
ہوئے وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ سے قربت اختیار
کرنے کا آسان راستہ اس کی مخلوق کی مدد کرنا ہے اس
کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔

”ہم اچھا دوست ہم ہے اور بدست اچھے دن ہیں، لیکن جو
خوشی دلوں کے اندر نہایت ہی ہے اور چلوں پر رخص کرئی
ہے وہ عام لوگوں میں مقبوض ہے۔ چنانچہ اس کی کیا

وجہ ہے؟ کسی انکو مسٹ سے دریافت کریں تو وہ اپنی
تمام محفیت کے بل بوتے پر نہیں بتا سکتا کہ ایسا کیوں ہوتا
ہے۔ ہماری انسانوں کی بھری پڑی دنیا میں ایسا کیوں
ہو رہا ہے کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مغموم، غمگین،
پریشان اور درد مند رہتا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں
کہ یہ دن بھی کچھ سکھانے کے لیے ہوتے ہیں اور
جب آدمی سنبھ جاتا ہے تو بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے
اور پھوٹی پھوٹی باتوں سے بہت بڑی باتیں آپ کے
سامنے آجاتی ہیں بشرط یہ کہ آپ غور کریں۔“

مجھے کے دن سے محبت ہماری معاشرت کا حصہ ہے
اور اس دن میں اللہ کا فضل تلاش کرنے کی نئی جست
اس کتاب کے ذریعے ہمارے سامنے آئی ہے۔ اصل
شرک وہ ہے جب اللہ کے کیے ہوئے کام میں بندہ
نقص نکالے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ یہ تمہیک میں ہے کمال
کلام میری مرضی کے مطابق نہیں ہوا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ خرچ
کرو۔ دے دے ایک جگہ پر پڑا نہ دے، کیونکہ یہ کھوکھو
ڈھیر ہوتا ہے۔ ”روٹی“ جسے کھتے ہیں، اگر اسے
کھیتوں میں پھیلا دیا جائے تو یہ سونا ہے اور اگر اسے
ایک جگہ پر جمع رکھ دے تو یہ بدلو کا گھر ہے۔ کوئی

گاؤں اس کے قریب میں نہیں سکتا۔ یہی دولت کا حال
ہے کہ جب اس کو پکڑ کر رکھ لیا میرے جیسے لوگوں نے
اکاؤٹ بھی کھول دیا۔ تو پھر جب دولت گھومتی نہیں
ہے تو لوگوں کے ہاتھوں میں تو مشکل پڑ جاتی ہے۔ اللہ
کھتا ہے ”خرچ کرو۔“

”میرے ایک اور دوست لاہور میں جی پی او کے
پاس کھڑے ہو جاتے تھے اور کار میں جاتے ہوئے
لوگوں کو، کچھ دیکھ کر طرقت کا اظہار کرتے اور کہتے
”ان کی شیطانی دیکھو اس کی پکڑے جیسی پاک ہے
اور کتنی اعلیٰ درجے کی کار میں جا رہی ہے۔“ میں نے
کہا ”اب کیا کریں؟“ کہنے لگا ”میں میرے جی میں آتا
ہے کہ میں اسے توپ سے اڑا دوں۔“ توپ سے
اڑانے والی ذہنیت اپنی اپنی جگہ پر ہم سب میں ہے۔“

لیکن اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔
”رضائے الہی“ سے لیے گئے یہ اقتباس اللہ کی
طرف سے کی گئی تقسیم اور اس پر راضی رہنے یا ناخوش
رہنے والوں کا بیان ہے۔ کتاب کے مختلف ابواب میں
اس نکتے پر بحث کی گئی ہے کہ انسان کو حق حاصل
نہیں ہے کہ وہ فضل الہی پر تنقید یا تبصرو کرے۔ اس کا
کام اعانت، شکر گزاری اور شکریہ در صا ہے اور یہ اس
کے سر کو آسانی عطا کر کے لوائل صفات ہیں۔

”وہ مومن جو ماضی کی یاد میں جھلکا نہ ہو اور مستقبل
سے خوف نہ رہے ہو اس کو ”صاحب حال“ کہتے ہیں۔
کہ جو حال اس کو عطا کیا گیا ہے اس کے مطابق زندگی
 بسر کرے اور خوش و خرم بڑی چاہت کے ساتھ بسر
کرے اور جب تک اس کو اس کا تحفہ دیا گیا ہے اس
کو ساتھ لے کر چلے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے پاس
اس قسم کا زمانہ آگیا ہے جو خود تو ہمارا گار نہیں ہے۔
اس نے ہماری سوچ کو ہمارے رویے کو بہت ساری
ہمارا گاری میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور یوں میں یہ
سمجھتا ہوں زندگی کے اس حصے میں پہنچ کر جب تک
اللہ کا ساتھ نہ ہو اور اللہ کو اس طرح سے نہ مانا جائے
جس طرح سے ماننے کا حق ہے۔ صرف کمال طور پر
نہیں۔ مثلاً ”میری خرابی یہ ہے“ میں اس کا انکار

وامی سے اعتراف کرتا ہوں اور مجھے پڑا کچھ بھی ہے کہ
میں اللہ کو ماننا ہوں، لیکن کمال طور پر۔ میری بل کتنی
تھی کہ تمہارے پڑا ہو، لیکن میں نے بھی یہ ارادہ تہمت نہیں
کیا کہ میں اس کے ساتھ ایک رابطہ باہمی قائم کروں گا۔
لفظ خدا خدا نہیں ہے، خدا تو اور ہے، تاہم لکھا ہوا ہوتا
ہے یا جو ہم گنا گنا گئے ہیں، لی یوں خدا کا نام بیٹے ہیں وہ
ایک اور چیز ہوتی ہے اور اس کا تجربہ ہونا اس کو زندگی
کے اندر سے گزارنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔“

رضیہ راضی رہنا۔ سکون قلب کا نسخہ ہے۔
گو کہ اس پر قدم رکھنا آسان نہیں۔ مگر چلتے جانے
کے لیے قدم رکھنے کی شرط تو مسلک ہے۔ اور وہی
نکتہ کہ اللہ کے نظامہ اللہ کے فضل، اس کی گئی

تقسیم پر اعتراض کرنا بالکل بھرا راستہ ہے۔ جس کی حوصلہ شکنی ناخوشی۔ فائدہ بھی نہیں۔

”میں یہ سمجھتا ہوں حکومتیں تو بنی ہے معنی اور لا یعنی سی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی تیار پری“ ایک دوسرے کی طرح پری انسان ہی کہتے ہیں۔ وہی ایک دوسرے کو سہارا دے سکتے ہیں۔ حکومتیں کبھی نہیں دے سکتیں۔ تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے یہاں یہ چیزیں بدترجہم ہو رہی ہیں اور ہمیں ایسے مراکز کی ضرورت ہے۔ اسی کی ضرورت ہوتی ہے جہاں چاہے ہمیں تعلیم نہ ملے جہاں چاہے ہم کو گراؤ نہ سنبھالنے کی جہاں چاہے ہم کو درس نہ ملے۔ لیکن لوگوں کی حکمران ضرورت ہو تو یہ نہ کیا جائے کہ یہ صاحب علم نہیں ہے اس لیے ہم عزت نہیں کرتے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ جو تک یہ انسان ہے اور یہ حضرت آدم کی اولاد ہے اس لیے ہم اس کی عزت ضرور کریں۔“

گفتگو سے کام آگے بڑھتا نہیں ہے۔ صرف بحث کرنا، نقص نکالنا کسی مسئلے کو حل نہیں کر سکتا جب تک کہ عملی طور پر اس کے حل کی کوشش نہ کی جائے۔ محض گفتگو کے جل ڈالنا اور اس کے مضمرات سے بے خبر بھی رہنا اس باب میں ہمیں اس ضمن میں کبھی اور عمل کی تحریک ملتی ہے۔

”مسور لک کہتے لگے۔“ یہ نوٹس کی زندگی جو ہے یہ کامیاب آدمی پیدا کرتی ہے اور یہ تک گفتگو کی ضرورت ہے۔ لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان کے اندر جو رویہ ہے وہ بڑا گڈی گڈی بڑا ایسے رہنے کا انداز ہے۔ ہاتھ لٹے رہتے ہیں ڈٹ کر رہتے نہیں سکتے کہ آپ پاکستانی ہیں اور آپ کا ایک غرض جیسا کہ بھی غرض ہے۔“ تو میں نے کہا۔ ”بھئی! ہمارا کیا غرض ہے ہم تو بالکل شرمندہ ہیں۔ مثلاً ہم میں کیا خوبی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”دنیا کی واحد قوم ہے جو بڑی مہمان نواز ہے۔“ ٹھیک ہے! ہم غریب ہیں، چھوڑ رہے ہیں اپنی روایات، ٹیکس رپ یا لکوت جائیں، کس کے جتنی! کھانا کھا کے جائیں۔“ ہمارے امریکہ میں نہیں ہے۔“

بلینڈش نہیں ہے آپ اس پر غور کر سکتے ہیں۔“ میں اور آپ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اس خدا اہم کو اس قسم کی مصیبت میں یا اس قسم کے غم میں مبتلا نہ کرنا اگر ہمارے اوپر بھی کوئی مشکل وقت آئے تو ہم وہاں سے بھاگ جائیں اور پھر اس کا ذکر نہ کریں کہ آنا ہے وقت اور پھر گزر جاتا ہے۔ جو انسان بننے کے لیے انسان کو وہ مثبت پہلو پیش کرنا چاہیے جو اس کی زندگی کے ساتھ چل رہا ہے۔“

”بعض اوقات کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ پشیمانی جو اس کی ہے وہ خود بخود اچھی دیکھ جاتی ہے۔ کوئی شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کو مٹانے کے لیے وہ اللہ کے حضور میں اپنے گناہوں کی جو گناہت میرے گناہوں میں سے گناہ کی کوشش کرتا ہے کہ مجھ سے یہ گناہی ہو گئی تو میں معافی چاہتا ہوں۔ لیکن دعا مانگنا مشکل ہوتا ہے کہ دعا مانگنے والا کوئی سب سے پہلے اپنی ذات کے آگے گھڑا ہو کہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میں نہایت نالائق، کم ظرف، جموٹا، شکریہ کہیں نہیں آؤں ہوں مجھ سے کوئی نہیں ہوئی ہیں اور لب لب ان کو تباہیوں کو دور کرنے کے لیے ایک سہارا چاہ رہا ہوں اور اللہ کے واسطے مجھے سہارا عطا کیا جائے۔“

”اللہ! دل کا سہارا۔ دعا کریں کہ دعا کا سلیقہ ہمیں آجائے اور ہماری دعاؤں کو کبھی پکڑا نہ جائے۔“

”مگر آپ غور کریں گے تو مصائب اور مشکلات اتنی ہی شدید ہوتی ہیں جتنا کہ آپ نے ان کو بیان دیا ہوتا ہے اور آپ کی ساری زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ ساری زندگی نہیں ہوتی۔ یہی ہے سمجھتا ہے کہ ساری کی ساری میری زندگی ہے اور وہ بڑا ہو گئی ہے۔ تو جب مشکلات اور مصیبتیں آتی ہیں تو اگر آپ ان کو غور سے دیکھیں اگر ان کا ایک حصہ بالکل ایک ٹھوسا قربتیں آپ کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن ہم نے وہ دھما پھینکا کرتا وسیع تر کر لیا ہوتا ہے کہ پھر وہ ہمارے اختیار میں نہیں رہتا اور پھر وہ پھیلا ہوا دھما ہمارا حکمران بن جاتا ہے اور جہاں جہاں چاہتا ہے ہم کو

اٹھائے پھرتا ہے۔“ انسان کا نکتہ نظری اس کا طرز زندگی بن جاتا ہے اور یہ خیال کی بدست ہے تو جب کبھی زندگی میں مسئلہ دیکھ کر آئے لگیں تو ان کے پیچھے یہی خیال کی قوت کا فرما ہوتی ہے۔ گویا خیال ایک ایسی معمولی چیز نہیں کہ جسے لگام چھوڑنا بالکل ازمنہ چھوڑ دیا جائے۔

”اللہ! میں نے انسان کو ایک کیفیت دی جو وہ سروں کو کسی جہاں دار کو نہیں دی۔ انسان کا ایک وجود جو ہے وہ جسم ہی جسم نہیں ہے اس کے اوپر ایک نور چھایا بھی ہے جو Intellect کا چوبہ ہے۔ وہ چوبہ جو آپ کو مجبور کرتا ہے کہ آپ سروں کی طرح بہت رات کو ٹوٹی ہوئی یا مکمل چلائے ہوئے نصرت فتح علی خان کا گانا سننے جائیں وہ تقاضا ہے بلکہ ہمیں کبھی کبھی مشاہد نہیں سننے جاتی۔ شیر نے تاج تک قرانی میں شرکت نہیں کی بندہ کرتا ہے۔ اس کی آرزو ہے جو مرضی کریں۔ یہ خواتین لکھتے ہیں کہ ان کا چوبہ اس کے اوپر ایک نور ہے اور وہ نور کا چوبہ ہے۔ وہ ہمارا بندہ ہے گندی لٹائی پھوٹی پھوس اس میں بڑی ہے۔ پرانا ٹوٹا ہوا چرخا ہے۔ شیشے اس کمرے کے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ گندی اس کی مستقل بند ہے۔ کبھی کبھی کوئی کوئی اوپر چڑھتا ہے اور وہ تو اڑوے کر پوچھتا ہے کہ یہ کس کا ہے چوبہ۔ تو بچے سے گواہ دیتی ہے کہ اپنا ہے تو کہتا ہے اس کو کھولیں۔ وہ کہتی ہے نہ ہت! دفعہ کہ اس میں گند پھوس بھرا ہوا ہے اس کو کھولنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تو یہ ارادہ بڑھایا ملے کہ اس کے اوپر چڑھنے والے انسان کا ہوتا ہے کہ کیا میں اس کو ٹوٹی کو کھول یا نہ کھولیں۔ اب یہ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔“

زندگی ہی وہ زندہ بدل ہے جس کے ذریعے ہم نظر کرنے والی دنیا سے طبع اندوز ہو سکتے ہیں۔ قطرے سے سمندر ہو سکتے ہیں اور زندگی ہی وہ اصل سکھ ہے جو اگلی زندگی کا ہمیشہ بنی رہنے والا سرمایہ خرید سکتی ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت خالق کائنات سے محبت کی

جیٹو موجود مسائل سے نبھنا آنا ہونے کی قوت دعا اور عقیدے کی طاقت نظر کو ایک مختلف سمت اور خیال کو توجہ دینا کہنے والی کتاب پڑھنے کا تجربہ کچھ نیا سیکھے اور جاننے کی سرشاری سے لبریز ہے۔ جو ہمارے ذہنوں کو پیداکرنا، جموٹ موت کے مسائل کی گرا اس سہولت سے قبول دیتا ہے کہ بدقول سے سوچ کے بند کواڑ کھول کر یقین، محبت اور عمل کی روشنی ذہن کو منور کر دیتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اشفاق صاحب کے اس احسان کے بدلے ان کے ساتھ معاملات میں تسلیوں ہی تسلیاں عطا کرے۔ (آمین)

ادارہ خواتین: بحسٹ طرف سے
لیبنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول

دل کے موسم

ننگے پاؤں

مکتبہ امیر کا پتہ

مکتبہ امیر ان ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، لاہور

سمیرا گل ہمراہ محمد عثمان

آسیہ منیر

پہلے میں آپ کو اپنا تعارف کروا دوں۔ میں ہوں آسیہ منیر، سمیرا گل کی سسٹ فرینڈ۔ میرے اور سمیرا کے گھر کے بیچ محض ایک دوڑ ہے۔ ہماری دوستی تین سال کی ہوئی تو جنم بھائی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس طرح میں اور سمیرا پندرہ سال کے ساتھی ہیں۔ جب کہ جنم بھائی اور ہمارا ساتھ باہر سال پڑاتا ہے۔ ہمارا بچپن ایک ساتھ کھیلتے اور شرار میں کرتے ہوئے گزرا ہے۔ ہماری اس سکوں میں دو بھائیوں کی دوستی محبت میں بدل گئی۔

جی! آپ ٹھیک کہتے ہیں ان کی بومیرج ہے اور میں اس محبت کی روز اول سے اگلی کو لہجہ تلخہ برہنہ بھی سمجھتی ہوں۔

یہ اٹھائیس مارچ کی بات ہے۔ میں دروازے میں کھڑی تھی۔ باہر بیچ نے مجھے آواز دے کر بلایا اور ایسی خبر سنائی کہ مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔

جنم بھائی کے گھر والے شادی کی ڈسٹ فلکس کرنے آ رہے تھے۔ میرا بیل چاہ رہا تھا کہ بھگڑے ڈالیں۔ خوشی ہی اس قدر تھی۔ ان کو دروازے میں چھوڑ کر میں اندر بھاگی۔

محترمہ! بچن میں بیٹھی شاہی کباب کی ٹکیاں بنا رہی تھیں اور چھو خوشی سے لال گلابی ہو رہا تھا۔ ہاتھ الگ کاتب رہے تھے۔ گھنٹہ بھر بیٹھ کر ہم نے کلم بنائے کے ساتھ ساتھ خوب باتیں کیں۔ ماضی کی باتیں بچپن کے قصے ہمارے مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

”آسیہ! بیچ میں دو لوگ تہہ ہے ہیں۔“
دونوں ہی اپنے اپنے محفلوں پر غور ڈٹ کر لڑے

تھے۔ آخر حیات محبت کی ہی ہوئی۔ ہمارے جنم بھائی میں کوئی کمی نہیں۔ خوب صورت، شریف، پاکیزہ، پڑھے لکھے، مذہب، اعلیٰ سوچ کے حامل، غرض تمام خوبیوں سے لیس ہیں۔ بس مسئلہ ذات پروری کا تھا اور سمیرا جیسی روشن خیال لڑکی محض ذات پروری کے چکر میں الجھ کر محبت قبول نہیں کر سکتی تھی۔

”وس مفت میں تو ہے ہیں۔ میرے گھر والے۔“
جنم بھائی اطلاع دے چکے تھے۔ میں اٹھ کر گھر بھاگی۔ نیا جوڑا استری گیلا۔ میک اپ خوب کروا لیں لہجی تو سہراں آچکے تھے۔

بیچ پاتی کے ساتھ مل کر میں نے کھانا لگوا دیا۔ غرض ان کی خاطر وزارت میں لگی رہی۔ سمیرا کھڑکی سے مجھے باہر اشارہ کر رہی تھی۔ پھر مجھے ترس آگیا اور میں نے جا کر بتا دیا۔

”مبارک ہو! سورخہ ہیں! پیریل شام سات بجے آپ کو رخصت کر دیا جائے گا۔“

اس کی آنکھوں میں آنسو جھللا گئے۔ ایک ایک دن ہم تینوں نے گن گن کر گزرا۔ اس دوران شاپنگ اور شادی کی تیاریوں میں بھی بہت مصروف رہے۔

شادی سے تین روز قبل جنم بھائی کے گھر والوں نے ڈھولک رکھ لی تھی۔ ان کے گھر ہمارے گھر میں دو گھر مائل ہیں۔ میں بیڑ تک سک سے تیار ہو کر ڈھولک بجانے چلی جاتی تھی۔

انجیل اپریل کو جنم بھائی کی مندری تھی۔ سنیہ شوار سوٹ پہنا دیا۔ گلے میں ڈالے، ہاتھ، پاؤں،

ہوئی شیو میں داغے جی رہے تھے۔ سب نے انہیں مندری لگا لی۔ گلے گلے لڑکوں نے ڈانس کیا۔ سمیرا کے گھر ایسا کچھ ہوتا تھا۔ ہم نے رات بجا بجا کر گلے گلے اس کے چل لگایا۔ پھر شام کو اس کے مندری لگا لی۔ ساتھ ساتھ وہی مذاق اور چھیڑ چھاڑ بھی چل رہی تھی۔ اس کی بیٹی خواہش تھی کہ چھت پر جا کر جنم بھائی کو دیکھ لے۔ ہم نے بیٹی مشکل سے اسے قابو کیا۔

اگلے روز بارات تھی۔ اس روز سمیرا نے سرخ بیوی لنگا پہنا تھا۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

بیچ بچے بارات کا نام تھا مگر حسب روایت وہ سات بجے گئی۔ ہم بھائیوں کی پلٹیں لیے استقبال پر کھڑے تھے۔ دو لہجہ صاحب نے محل میں قدم رکھا اور لائٹ داغ مخالفت دے گئی۔ سخت غصہ کیا۔ واپس والوں کو کہتے ہوئے جزیئر گز کر کے گئے۔ حزیئر تھے لیکن عین موقع۔ ایک ہی نہ چل کر دیا۔ سخت کوفت ہوئی۔ ایک تو گری اس پر یہ لڑا شیدہ لگ۔

بارات اند میرے میں بیڑ حیاں چڑھ کر چھت پر پہنچی۔ سمیرا نے سادگی پر لور دیا تھا، شادی سادگی سے ہو رہی تھی۔ جنم بھائی بلیک کھری ٹیس میں سمیرا سے زیادہ پیارے لگ رہے تھے۔ سب نے ہی دو لہجہ کو خوب خوب سراہا۔

اس کے بعد نکاح ہوا۔ اس لمحے اس دونوں کے جو تاثرات تھے، ان میں بیان کرنے سے یوں قاصر ہوں کہ بار بار پوچھنے پر بھی دونوں نے کچھ اگل کر نہ دیا۔ ہمارے جنم بھائی ڈانہ لاگ بازی میں ماہر ہیں لیکن اس بارے میں انہوں نے بھی منہ سے بھاپ تک نہ نکالی۔

کچھ دیر بعد رخصتی کا شور اٹھ گیا۔ قرآن کے سائے اور بزرگوں کی دعاؤں کے حصار میں درخت ہوئی۔ ایک گھنٹہ بعد میں اور پانی شمع پڑا، ہیک اور ملجائی لے کر ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ تب تک ان کا فوٹو شوٹ ہو چکا تھا اور مختلف رسموں کے



بعد انہیں مجھ عوسی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ بڑی نزاکت کے ساتھ کچھ سٹ کر شرابا تے ہوئے تانہ پھولوں کے درمیان مسسری۔ بیٹھی تھی۔ اور جنم بھائی سنوں کے ترغے میں پھنسے لیکر دے رہے تھے۔

۔ ہشتالے جانے میں بھی میں پیش پیش تھی۔ جب سب لوگ ہشتا کر رہے تھے تو میں اس کے کھن میں کھسی پوچھ رہی تھی کہ جنم بھائی نے کیسے تعریف کی تھی۔ تھوڑی بہت شاعری تو وہ کہتے ہی ہیں۔ میں نے سوچا ایک آدھ غزل تو کہہ ہی دی ہوگی لیکن جناب! انہوں نے بس اتنا کہا۔

”اپہرا لگ رہی ہو۔“

خیر قصیدہ گوئی تو اب، عمر بھر کرتے ہی رہیں گے۔ دوسرے ہی دن شام کو واپس آئے اور اس روز سمیرا نے ہلکے فیروزی رنگ کا لنگا پہنا تھا اور کل کی نسبت وہ گرج زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی بلکہ دونوں ساتھ ساتھ اتنے حسین اور خوب صورت لگ رہے تھے کہ میرے دل سے بار بار دعا نکلی رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش و خرم اور تندرست رکھے۔

زندگی کا یہ نیا سفر انہیں بہت بہت مبارک ہو آمین۔



آپ کے خط اور فن کے جوابات لیے حاضر ہیں۔
آپ کی صحت، خالصت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعا کریں۔
اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیں اور ہمارے وطن کو اپنے حفظ و لہان میں رکھے اور وہ لوگ جو ہمارے پاک وطن کو نقصان پہنچانے کے ورے ہیں، ان کو نیست و نابود کر دے۔
(آمین)

پسلا خط اسلام آباد سے یاسین گل کا ہے، لکھتی ہیں
شعاع کا ایک اور خوب صورت شمارہ ہاتھ میں آیا اور ہاتھ میں آتے ہی دل شلو کر گیا۔ ناکمل نہایت اچھا کا لیکن ناکمل سے زیادہ اچھی لگی مگر نئی سنڈریلا۔ میٹا کی ہے سا حلقی، چھوٹے چھوٹے مروط سین، کیا کمال کا ناول ملائی ہیں فائنر ہی اس بار ایک گزارش ہے کہ نئی ہی کی مصروفیت میں ہم کار میں کونہ بھولے گا۔ ڈراسے اپنی جبکہ مگر جو حرا کمانی پڑھنے میں آتا ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں آتا۔ ”دیوار شب“ کی یہ قسط پڑھ کر بے اختیار دعا لگی کہ علیہ بخاری اب خدا را تمنا کرو جو کسی اینڈ تک پہنچا دیں۔ انداز تحریر بلاشبہ بہت خوب صورت ہے مگر پلیٹنگ، منبت کے بچے، نمونہ اچھے پیشہ کی طرح مفرود لکھ رہی ہیں لیکن سلی جبکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم اردو کا ناول نہیں بلکہ کسی انگریزی تحریر کا اردو ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔ پزل باکس اور ان پر کھسی پیلیاں۔ ڈان براؤن کے کسی ناول جیسی لگ رہی تھیں۔ نمونے جی کے اندر تبدیلی کا نسل بہت خوب صورت دکھایا ہے۔ اسکی تبدیلی جو



خط نمونے کے ہے یا
ماہنامہ شعاع - 37 - از دو بازار کراچی۔
Email: info@shaukatpost.com
shaukatmenthy@yahoo.com

آہستہ آہستہ وقوع پذیر ہوتی ہے اور اس کا اثر دیر ہوتا ہے۔ کل کو ہمارے بغیر اور نہیں ملتا۔ کیا خوب صورت بات بتاتی ہے آپ نے ہمیں سمجھائی
اب ہمت کروں گی ساتھ ہر ضا کے نائل کی۔ ساتھ رشتا تو بہت جلد میری لیورٹ رائز میں شامل ہوگی ہیں۔ اس قدر زبردست منظر سا انداز ہے ان کے لئے کا اور استغنیٰ زبردست فن کے اس ناول کے کردار۔ الفط جیسا کردار۔ میں نے ایک بار نہیں دیکھا، لیکن ہر اس ناول کو پڑھا اور ہر بار الفط کے ہارے میں پڑھ کر گریں سوچا کہ انسان کے ہارے میں جو کچھ رب تعالیٰ نے ہمیں تیار ہے وہ کس قدر بڑی ہے۔ جلد باز، شکر، صبر، حیا، عالم، ہے راہ رفتہ جسے اللہ کی ہدایت نہ ملے وہ ہر الفط جیسا ہی ہوتا ہے۔ اور اللہ بھی انہیں ہی ہدایت دیتا ہے جو اس کی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ جو توبہ کرتے ہیں، اللہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اکمل اور انظر جسے جن کے دل پیستے ہیں۔ لیکن الفط جیسے جن کے دل دماغ پر ہر لگ چلے ہو۔ اس کے دل تک وہ روشنی لگتی ہے۔ پانی، وہ اندھیرے میں بند خدا کو محض کل مجھے والی دنیا کی ٹھوکھٹا کے ہارے میں پڑنے والی اور الفط کا دل بھی نہیں ہوتا تھا۔ الفط سعید کو کوئی وجہ، کوئی عزت دینے کو جس کے لیے وہ مانتا اس کے لیے پھر اس نے بھیک بھی مانگ لی۔ میری سمجھ میں تو یہی آیا ہے۔ دل کی دانتے چلے جاؤ بلاچوں روح اتر حاصل، الفط کے انجام جیسا ہوتا ہے۔ اور اگر دل کو ہار کر جھکا کر اس سے ہاتھیں منواؤ تو حاصل ”محنت جگ“ جیسا ہوتا ہے۔ موسم کے بدلنے بھی اچھے

لکھ دیک مشورہ ہے آپ کے لیے۔ اگر کہانوں کی زائچہ کے ساتھ ساتھ خود اہستہ ان کی لذائذ اور غذائی اجزاء کے ہارے میں تانا چائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ جی، دی، یاسین یا فیصلی بھرے کے لیے شکریہ۔ بہت اچھا بھوکا آپ نے ہمارے دفتر کے فن عجیب ہیں، آپ اپنا فن فہر بھوادیں، ہم فوں کر کے آپ کے الفاظوں کے ہارے میں تاریں گے۔

مدتہ جلدی نے سرگودھا سے لکھا ہے

اکست کا شمار کمال کا تھا۔ سورتی پلاٹ کا انداز بہت اچھا لگا۔ نمونہ آپ نے تو کلم اللہ نے پھر کر دیا۔ کوئی اتنا اچھا کیسے لکھ سکتا ہے؟ اب آتے ہیں فائنر ہی کی طرف۔ کمال کر دیا آپ نے فائنر ہی فائنر۔ میٹا کا کردار اور مدان کے مذاق، کو ہمارے لیے یہ کمال کس قسم کے ہارے میں ہے؟ مطلب یہ کہ ہمیں اور ہمارے پاکستان کے نہیں لگتے۔ (کرداروں کے نام کمال، موسم کا، کمال، کچھ دن کو نہیں لگی۔) افسانے سب ہی اچھے لگے۔ مازو خان کا انظر بھی پسند آیا۔ شاہین جی سے درخواست ہے کہ FM 98 کے ڈی سے مازو خان کا انظر پڑھ لیں۔ انظر بھی ناظر شائع کریں۔ ساہو، خواہاں اور مثال پڑھ کر انظر بھی ناظر شائع کریں۔

جی، ہمارے افسوس ہے، دن موسم کا، آپ کے دل کو نہیں لگے۔ جو توڑی سی مختلف انداز کی کہانی تھی اور ایک کردار پر لکھی تھی۔ آپ کی فرائیٹیں شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔

تنزل لہو نے شہاد پور سے لکھا ہے

سورتی لائل تعریف۔ فہرست میں ام صوفیہ رکھنا

دھ کر دہیں میں فوراً جھکا ہوا کہ یہ تو وہی دانشور ہیں، جنہوں نے ”کلی جی جیس“ لکھ کر ہمارے کواکلی ساڑ کیا تھا۔ ”زیدہ چھا“ سناہ تحریر تھی، لیکن پڑھتے ہوئے مرنا آ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کی تحریر ”دل موسم کا دیا“ میں الفط کا کردار خفی سہی، لیکن اس کی سبک نام زبان نے جو وقت بہ وقت چھائیوں چھوڑیں تو میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ ”مستارہ شام“ ٹپ وچسپ ہوتا جا رہا ہے۔ افسانے بلاشبہ اس بار بہترین تھے۔ ”دبے کا شوی“ ”تیز بوی جی کی ایک پراثر تحریر تھی۔ اس کی تحریر ہمیشہ دل دماغ کو بھجوا کر رکھ دیتی ہے۔ اتنے بڑے صرف افسانے لکھ رہی ہیں مولیٰ نائل کیوں نہیں لکھتیں؟ ”وہ محنت ہے“ ”اس موسم کے افسانے کا پلاٹ کچھ پرانا لگا۔ سیر احمد کی تحریر ”کھیل ختم“ بھی اچھی طرز کی ایک مہذب تحریر تھی۔ ”ایک نئی سنڈریلا“ میں میٹا کا مازو کو سرچھانے کے بہانے نظر انداز کرنا اچھا لگا۔

جی، تنزل آتیز بوی سے ہر بار فوں پر ہم بھی کی پوچھتے ہیں کہ کس ناول کیوں نہیں لکھتیں؟ اور ان کا غر ہر بار کی ہوتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ شفا بھی بہت چھوٹی ہے، اس کے کام ہوتے ہیں۔ افسانہ بھی ہم نے شدید اصرار کر کے لکھوایا ہے۔

عالیہ تنزل لکھتی ہیں

جولائی کا شمار کافی اچھا تھا۔ لیکن مصحف اور حیدر کی مصروفیت کی وجہ سے لیٹر نہیں لکھ پائی۔ کہنی لکھی تھی اس کے ہارے میں بتائیں۔ نمونہ کا ناول بہت پر اسرار ہے۔ اس کی کہانی میں مڑا آ رہا ہے۔ عالیہ بخاری کے کیا کہنے۔ کافی دلچسپ ہو گیا۔ ”دیوار شب“ آپا لگی جیسے افراو نہ جانے کب لکھیں گے۔ ”مستارہ شام“ میں مڑا نہیں

اخطار

آمنہ راض کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے، ان کے قدموں تلے جنت تعمیر ہوئی ہے۔ ایک مٹی کی والیدہ محترمہ بن گئی ہیں۔ ارادہ خواہین ڈائجسٹ کی جانب سے ان کو دلی مبارکباد اور ان کی بی بی رشی جی کے لیے دعا میں۔

اسی وجہ سے آمنہ راض اس بہ مستارہ شام بھی قسط میں لکھ پائیں، ان شاء اللہ آئندہ ماوان کے ناول کی قسط شامل ہوگی۔

نا مائل پہ تکی ہاؤں بہت کیوں گئی۔ پیارے نبی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں تو ہوتی ہیں بیماری ہیں۔ بہشت
کے پتے کسائی ایسی جادوی ہے۔ نسوچی پہ کھٹ قسط
میں یہ مت لکھے گا جہاں نور پاشا دونوں بھائی ہیں دونوں
ایک میلے میں گم ہو گئے تھے۔ انسانوں میں کثیر نبوی کا
افسانہ بہت بہت ہی اچھا لگے۔ کثیر ادبی قلوب = اکیں ہی
مگر بہت دلورم بھی دونوں انکے تھے۔ ٹیلیس با زور آہی آپ کی
تو بہت ہی اگلی ہے۔

خفیہ رائے کوئی بھی سناڑ نہیں کر سکتی ہے۔ ساتھ رضا کا
نام بھی اچھا نہیں لگا۔ لہذا آپ کے میں فوراً ہی قطع کاٹ دیا
جست اچھا لگا۔

جوانہ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے افسانوں کا نام صحیح
 شائع نہ ہو گا۔ شعلہ پر تھرے انگریز مصنفین کے
 آپ کی تعریف اور تحقید ان طور کے ذریعے پہنچانی جاری
 ہے۔

حسین سولگی کلثوم سولگی خدیجہ داڑی تحصیل مہدیوہ
سولگی کوٹہ سے تعلق ہیں

جس نے مجھے خط لکھے پر مجبور کیا ہے کہ ہے نرواح کا
 "ہفت کے ہے" خود فائز، افتخار کا ایک نئی سنڈرٹا
 بہت اچھا لگا۔ اس دور میں دیشا کا کردار بہت اچھا ہے۔
 خاموش رو کے بھی بہت کچھ کر سکتی ہے اور مروت ہر گنتی
 ہے۔ اس کے علاوہ اپنی ٹیڑھ اور انساں کی کہانیاں
 زبردست تھیں۔ میں پچھلی ۱۰ ساتویں کلاس میں تھی جب
 سے شعل عیزہ ری ہوں اور اب تو بی ایف کر چکی ہوں۔ اور
 پلیز ایک ریویو ہے لازمی پوری کرنا۔ 103
 مست ملان کے آ رہے شفقت عباس کا اعلان
 قصہ کے ساتھ شامل کرنا۔

راج پوری تسلیم شعاع کی پندرہویں کے لیے حکم کیا گیا۔
 کی طرف آتش شہین رشید نیک پارسہ چلے۔
 فیض مہارگ نے یہی دعا پڑھائی موڈ راولپنڈی سے لکھا

جی بہت افسوس سے کہوں گی کہ فائزہ افکار کا سٹوڈنٹ
انٹل وی کینل محسوس ہوا ہے نہ بھیجیں سے سٹوڈنٹ کی
دیکھتے ترست ہیں۔ مزید فائزہ آئی اس کو جلدی ختم کر دیجئے
گا۔ "نارن" کے جھوٹوں میں سے "مجھے بہت پسند ہے۔
بلیر ہا شاہ یا حراتین کے کسی بھی محلے کو نہ نہ بچنے لگو۔

اپنے ایک ناول کے بارے میں پوچھا تو اگر
معلوم ہو تو پتہ نہ ہو گا۔ ہم نے مارچ
2015ء کے شمارے میں ان کے "فریدی کے ناول
میں" بھی شائع کیے ہیں اور وہ سری قسط
میں ہے۔ اس ناول کی تیسری اور آخری قسط میں
اس کے "ایگزٹ" کا ایک مختصر "تادیب" اگر آپ کو یاد ہو
تو اس کے نام "یور علی جادو" پر چنا "شیراز" ہے۔
اگر آپ کے پاس اپریل 2005ء کا شمارے کا شمار ہو تو
میں دے دوں گا۔

نی پاری ایشیا تفصیلی تجزیہ بہت اچھا لگا۔ بہت شکر ہے۔
آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔ انڈیا پر
لکھنے سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ انڈیا پر
تجزیہ نہیں چاہتے اس لیے آپ کی فرمائش پوری کرتے سے
نامور رہتے ہیں۔ ایسا آپ اپنی کمپنی وہاں بھیجوا دیں۔ وہ
ممال میں الی کمپنی کے بارے میں پتہ مشکل ہے۔
شاہین رشیدی کے ناول کا انعام ہمیں یاد نہیں۔ آپ کا نام
آپ کی کسی قاری کو نے بھیجا تو مشکل ہو گی

سلاطین اور افسر میرپور آزاد کشمیر سے شریک محفل
ہیں ملکھا ہے

ہے۔ حیم کے زندگی میں بہت محرومیاں رہیں ہیں اس لیے وہ یہ سے محروم مت سمجھتے تھے۔ اختصارہ شاعر بہت چل رہا ہے۔ نمبر اسی بھی بہت خوب صورت ہے۔ کہانی کو آگے کی طرف بڑھا رہی ہیں۔

راج ساتھ اور اقصیٰ باشند کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔
 صدر کل لے لیکن سے شرکت کی ہے شکستی ہیں
 اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام چرچہ ہماری بہت
 و مثال کر رہا ہے۔ اگر جی معریہ لکھتے لوگوں کی بہت
 سامنے صلاحیت بھی کہہ رہا ہیں کہ

اس خط کو لکھنے کی اصل وجہ فرما احمد کی کہانی "بہت سے
 جتے" ہے۔ "آئی میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔" مجھ میں
 نہیں مٹا کیے آمادہ۔ خصوصاً "ان لائوں کو بڑھ
 "جب حیا مسجد میں بیٹھی ہوتی ہے اور ترک لڑکا بیٹھتا ہے
 افسانہ اس صفحے کا ایک ایک لفظ میرے دل میں ترار کر گیا۔
 مجھے لگتا ہے کہ مجھے بھی اللہ نے انگوٹھے جتنا نور دیا ہے جو
 مل جتنا جتنا جلتا ہے۔"

ج پوری صدف اشباح کی پسندیدگی کے لیے شکر ہے۔
مواخر تک پ کی تعریف اس طور کے دریغ پہنچائی
ہوتی ہے۔

ایلیٰ خالد، مہمبل خالد اور منصور یہ خالد نے ای جی خان سے شرکت کی ہے شکستہاں

کیا ہی فاضل تھا (دولت خان) سب سے پہلے ہم پہنچے اپنی
 موصوت فہرست رائٹر ہیں جی نمبر احمد کے مادر کی
 طرف نمبر آپ کی طرف کے لیے ہمارے پاس الفاظ کی
 نہیں ہیں۔ پھر اپنا دوسرا الفہرست لکھ لیں جو حد عالیہ بخاری کا
 ترجمہ اور شبہ "اس میں سادہ و کار کشیدہ ہے اور
 قاتلہ افکار آپ کا لکھ لیں بھی بہت اچھا ہے۔ (ایک نئی
 فہرست) اور اپنی افکاروں میں سب سے پہلے لکھ لیں جو میراجیہ
 کا تھا اور آگے ریاضی اور سائنس کے لیے بھی اچھا لکھا۔
 جی سب سے پہلے دولت خان اور حضور یا آپ تینوں جنوں کو شعاں میں بند
 کیا ہے شکر ہے۔

خیاں کہ خلق اس رُپ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر فلاں فلاں کہنے والے اس کی پرورش سے قزاق
 سے کہ ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 زیارت سے قزاق ہے۔ اس کی مشابہت سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 رُپ کے ہر ایک گوشہ کی عظمت کی وجہ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 جہان کو اس کی عظمت کی وجہ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 رُپ کے ہر ایک گوشہ کی عظمت کی وجہ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 جہان کو اس کی عظمت کی وجہ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی
 رُپ کے ہر ایک گوشہ کی عظمت کی وجہ سے ہمیں ہر سو سے ملتا ہے۔ مگر وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خلیا ایک حد تک اس کی کھانسی کو تھام لیتے ہیں۔ وہ اس کی

قِطْبُ 56



اس کی کہیں سکر اہٹ ۳۳ گھنوں کا بدن بین اور چہرے کو چھوٹے قلیظ اٹھ۔
اور سب بچے انا قہر بک۔

ہے جیل ہو سکتے ہو سکتے تھے پادشہ کے دربار میں اس نے راز فرار تلاش کر چاہی تھی کہ ہے سہ۔
وہ اس طرح کہڑا تھا کہ اگر اٹھ کر کھڑی بھی ہوئی تو مانا ۳۳ اس سے گرا پانی۔

”میں نے کہا تھا کہ اسے روکنا۔ چھوڑو اس کیس کا بیچا ۳۳ میں سب کا تھا تھا۔ مگر میں سمجھ میں
کیا تم لوگوں کے۔ مگر اسے مگر اکیلے۔ گواہیاں ثبوت بھی کر نہیں رہے ایسا دل رہے میرے گے میں
چاہی کا چند اٹھ کھینے گئے۔“

اس کی تو از سرگوشی سے نہ وہ نہیں تھی۔ مگر لیے کی گھنڈ کی میں ۳۳ اپنی بھو مارا حساس تھا۔
گیتی نے اپنی ماری بخت کو بیچ کرنا چاہا۔

”دل رہے صرف انصاف چاہا ہے۔ ڈاکو دشمنی نہیں ہے کہ کسی سے۔ ایک خون باحق کا حساب مانا
ہے اور۔“

”میں نے صرف خود کو قہار میں ڈالا ہے۔ سمجھیں۔“ نیکل کے چہرے کی وہ کہہ سکر اہٹ بھی تم ہوئی
اور میری کل دشمنی سہی ہے۔ کچھ نہیں گاڑ سکا ہے نہ میرا۔ چار دن بعد ۳۳ نیکل ٹھوڑوں کی بنا پر کس خارج
کدے گا۔ خرید چکے ہم اسے نقد تھپ۔“

اس نے ”میں نے سہا تو جھانکے۔“ چاہو تو مارے نائے کو تھانہ ۳۳ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔
اپنی راج کی خوشی اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھا رہی تھی اور چہرے کے شعش جیب سے انداز میں پھیل
رہے تھے۔ علم ’فرعونیت‘ کیس کی آخری صفوں کو مگر بار کر جائے والے اس طبقے کے ہر شخص کی شکل ایک
بھسی ہوئی ہے۔

بھو کھد خوف نہ کر لوانی

وہ اس کی طرف نہیں دیکھا جاتی تھی۔ مگر۔

”محموت بول رہے ہو تم۔“ گیتی کی گواہی میں لڑیاں بکھا ہوت تھی۔

”یہ بھی پتا چل جائے گا چند دن کی بات ہے صرف یہی آرا۔ اپنی ۳۳ کاوش میں سہو جو ہر عام سے مٹانے
والا ہوں۔ ایک پڑا۔ جبرہ بن۔ جس میں پر غار نہیں دکھانے کے لیے الماس ہے تو اسے۔ چاروں شہر
کر چکی ہے نہ اور اس کی دل گل ناز جاں۔ تم چاہو تو مجھ اور مندل کو بھی ڈالیتے ہیں۔ جیسے دیکھ کر وہ کی پٹی
تھپ۔“

اس جانا جیتے ہوئے جس طرح اس پر جھانکا گیتی سم کر بالکل کمزری سے جا گئی تھی۔

”راستہ دیں۔“ لانا چھائی کی ڈھنڈلے اس سے اپنی ارق تھانے کی بھی جرات چھٹی تھی۔

نیکل نے دلچسپی سے اس کے آنسوؤں سے ہنسنے چہرے کو دیکھا۔ ۳۳ بھی سے اپنے آنسو ضائع مت کرو گیتی
تو اہمیت مٹانے لگوں میں جس میں ہونے کے لیے اتنے کہ آنسو کپڑ جائیں گے تمہارے پاس۔“

لاؤنگ کے تو بول تھانے میں گھری گیتی تو رائے شدت سے خدا کو دیکھا۔

”سارا رائے تو رہا تھا گرا یا۔ آج سے میرا“ علان جگہ سے سارا سے تم سے۔ اور اس کہنے راہو سے۔
کس منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوٹوں کا میں تم لوگوں کو۔ مگر شرکیہ۔ دنیا چھوٹنے کی آواز کوئی تم اور
تمہارے نیکل ایک بھر شہر۔

کچھ اور بھی میں کوئی پیشے کا برتن چھانے کے ساتھ گرا تھا۔ ایک ساتھ ہی دست سی ملی علی کو تڑپ اور قد سوں

کی چاہ۔

نیکل ایک جھٹکے سے مڑا اور جوتہ میں سے چل ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

لاؤنگ چہرہ رشت کا آسیب سمٹ کر گیتی آرا کے کل میں رہا جیل ہوا۔

اولوں کا بھٹن کو تھیں میں بھٹن سے وہیں کاؤ پر ٹیکہ پر کی طرح کتہہ دی تھی۔

□ □ □

ایک ”سری لکھنوی سانس“ لے کر اپنے سرگرمی کی پشت سے نکلا۔

”سو ایک سو پچھڑا ہوتا ہے کہ خور انسان کی زندگی سے بھوکہ بھی حیرت چھین نہیں ہے۔“

”حسرت وہ بھی ہار گیا۔ اس دن سے آج تک میرے لیے پراسرار تھا۔ لیکن بھی انا نہیں مٹا کہ
”ج اپنی حقیقت چھینے کے بعد۔“

ان کے سامنے بیٹھا سب سے بھینہ تھا اور مگر مند بھی۔

”انسان اپنے اتنی سے کھل خور برکت کر کھل مل میں کیسے ہی سکتا ہے لہا ایسے جیسے کسی بغیر جڑ کا
درخت۔ درخت سب سے اس تکلیف کو بھیل رہا ہے۔ اپنا پتہ کے یکہ چھوٹے سے حوالے کے بھی نہیں
وہ جس کا کھل ڈالہ نہیں۔ اور جو قصہ اس کے لیے میں کیا۔“

سوا کی تو اندر میں اور دکھ سے بوجھل گئی۔

”ہو کہ زندگی کی کتاب سے اس چاہو دل۔ پہلوی سے بھانے ہوئے نہیں سوچے کہ ان پر کھیں خور
رہا۔ مٹ سے بوجھل کھل سے کھل بھیل نہیں ہے جو کچھ اس نے ذہن اور اس کی مقفہ میں کے ساتھ
یا۔ علم کہ بد زہن کھل ہے۔ ایک چھوٹے سے مصوم بچے کے ساتھ دنیا کی بھیل میں بھیل کھل رہا ہے۔ وہ
میں کے سامنے میں ایک سو گئی سو گئی کے تو اس سارے سکھ پر رشت پیچے کو مل چاہے گا۔ جیل بزم کوئی اور ہے
اور سزا کوئی اور جھٹکا ہے۔“

اپا کے لیے گا یا یا ساتھ لہاواں ہوا تھا۔ حوالہ نوشی سے ان کی طرف دیکھے گیا۔ بوجھل کھل سے مل کر
مید واد میں ہا کے پاس تو تھا اور اتنا حیرت تھا کہ ان کے کھوں کی دسری مصوفات شرف فراموش ہوئی تھیں۔

”پیسے کے مل پر نہیں دشمنی کو اپنے لیے جائز کہ لہو الے عزت کے نام لہو لہو دار ایسے پائیں تھے
بچے پیسے میں گئے جسم کو بھینے ہوں گے سیر صرف ذہن کا ہی دوا کب ہے۔“

مگر سب بوجھل کھل سے بھی تو نہیں ہوتے ہیں باب۔ سالار نے بھی تو گیتی سے شادی کی پورے عزت و احترام
کے ساتھ۔ گیتی بوجھل بھی کسی خاندان کا حصہ ہیں۔ بوجھل کھل نے مجھے دیا کہ وہ اپنی سے مل چکے ہیں لیکن
سے بھو تھانے کی مٹ نہیں کر سکتے۔“

”جو شخص اپنی اور کو اپنا لے کی مٹ نہیں کر سکا اس سے اور تو حق بھی کیا کی جاسکتی ہے۔ سالار جیسے صاحب
نہ رہے کیا متا بل ہے۔“

”سب تپ نہیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ خیام کو ایک سو بوجھل کھل کے سامنے مڑا کھڑا تھا نہیں وہ اس بات کو
کب فراموش نہ کرے کہ وہ بھر کس اتنا بدلت چلا جائے کہ ہم اسے سوا چھوڑ بھی نہ سکیں۔“

”نیکل اسکو کی اٹھک ہوئے۔“ بھر دیکھتے ہیں۔ ”سلازے خور سے ان کے چہرے کو دکھا۔ کسی گھری
سوتی میں تھے۔“

”خو ہوا کہتا بھی راہی لیکن خیام کے لیے سب ایک خوشوار تھا زہمت ضروری ہے خدا کے کہہ اپنے

باپ کو پورے دل کے ساتھ معاف کر سکے۔

”نہی۔“ معاف نہ کر سکا۔

جتنے بوجھل دل کے ساتھ وہ اپنی گھر آ گیا تھا اس میں اب اضافہ تھا۔

لبا کے ساتھ بات کر کے ہمیشہ اسے ایسا ہی تجربہ ہوتا تھا۔ وہی تھے جو مشکل سے مشکل صورت حال میں بھی اس کی تسلی اور رہنمائی کا ذریعہ بنتے تھے۔

وہ اپنی اس خوش قسمتی پر بہت بہت شکر گزار رہا تھا۔ مگر آج خیام کی عروسی کو لے کر بل بستی ہی طعنہ تھا۔ ہوش کے بے قیاسی سے لے کر آج تک عروسی کی ایسی بدترین شکل۔

کس کس موقع پر وہ کس تجربہ سے گزرا ہو گا۔

لبا نے اس کے چہرے پر کئی اداسی کو بجا طور پر محسوس کرتے ہوئے تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”ہو نا ہے۔ اور ہو نا ہے گا۔ اللہ اسی طرح کی مثالوں سے اپنے بندوں کو آنا تا بھی ہے اور چھاٹا بھی ہے۔ چلو تمہارے کرنے کے لیے آج بہت کام ہیں۔ سالار سے بات ہوئی؟“

”جی مگر مختصر۔ آج کیس کی سہاقت ختم ہوئی۔ چار دن بعد فیصلہ ہے۔ سالار خوش اور مطمئن تھے۔“

”خدا کرے کہ انصاف ہو سکے۔“

”آپ کو شک ہے کیا۔“ وہ کہنے سے نکلنے لگتا تھا۔

”تا چھوڑ دیکھ لینے کے بعد بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں انصاف آسانی سے مل جاتا ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری خوش قسمتی کی مدد کر سکے۔“

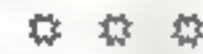
وہ اللہ کی سے مسکراتے ہوئے اپنے خاموش گھر والوں کی طرف دیکھا رہا۔

”لیکن اب! یہاں انصاف میں کتنی ہی رکاوٹ تھی۔ قدرت کا نظام تو اپنی جگہ ہے۔ وہاں سے تو ہر فیصلہ پوری طاقت اور انصاف کے ساتھ نافذ ہوتا ہے۔“

”اب۔“ ایسے چند فیصلوں کا پس کب سے منتظر ہوں پورے یقین کے ساتھ۔ ”اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

اس بار معاف کرے سے نکلے میں جلدی کی تھی۔ اپنا بوجھ لے کر رہے۔

لہذا بھروسہ کرنے سے آئی دھوپ کی لکیر کے اس پار آج بھی گہری فیملی، چند کار آج تھا۔



جیو نے اندر آتے ہوئے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا مگر سلطان کے بننے کی گواہی پھر بھی اندر تک آ رہی تھی۔ کافی عرصے سے وہ عجیب، سڑیل سے انداز میں بننے لگا تھا۔ جو ڈانٹ کھول کر، پیچھے ہٹنے کی پوری طاقت کے ساتھ۔ دنیا کتنی تھی کہ وہ اس لیے خود اتنی ذرا سے بننے لگا ہے تاکہ دنیا اس پر نہ غصے سکے۔

آج اس طرح کے قہقہے لگانے کا جواز بھی ملتا تھا۔ سو وہ حق بحال تھا۔ نیچے کیسی رکنے کی گواہی کے ساتھ ملی جلی کی گواہی آ رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی اور اساتھ کی تو کیسی سے اتار لی کہ گل اور ان کے شوہر نظر آ گئے۔ آج ان کے ساتھ دونوں بچیاں بھی تھیں۔ بہت عرصے بعد ان دونوں کو دیکھا تھا۔ جیو کا وہ خاصی بڑی لگیں۔

جدید تراش کے سوٹ اور ٹی ایل کے جوتے۔

ملتان کا ایس۔ پھول کا بار اور تپا گل کا نیا جوڑا ابھی کل ہی سنا تھا کہ وہ ناراض ہو کر گئی تھیں۔ مگر آج انہیں فوراً ہی آنا پڑا۔ وہ بھی خوش خوش۔

گہری بند کر کے چپ چاپ بیٹھ گیا۔ کئی قدموں کی چاپ بیٹھ گیا۔ اور پھر گھر میں سالی دیکھ گئی۔

مبارک سلامت کا ایک دم جلاسا شور۔

وہاں ہی چپ چاپ بیٹھی رہی، جانتی تھی کہ اس کا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔

چند ہی منٹ بعد کپ گل کی دونوں بیٹیاں اس کے کمرے میں گئیں۔

”آپ یہاں بیٹھی ہیں ہم سمجھے شاید پڑھانے گئی ہیں۔“

”ہمیں۔ میں نے پھر ڈرنا ہے۔“ انہیں دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی۔

”جھاکیو۔ اب تو آپ کی شادی بھی ہونے والی ہے۔ فریڈ انکل تو کئی تھوڑی کرے دیں گے آپ کو۔ اہی تیری نہیں کالی پیسہ والے ہیں۔“

”تم لوگ آج بہت دن بعد آئیں یہاں؟“

”یہاں اگر منہ نہیں آتا۔ آپ کا پرانا والا گھر چھاٹا۔ کتنی چیزیں تھیں وہاں۔ یہاں تو ہر وقت گرمی رہتی ہے۔ پتا نہیں آپ لوگ کیسے رہتے ہیں۔“

جیو نے ایک لمبی سانس لی۔

”آپ گل کی بیٹیاں تھیں۔ میں ہی کی طرح منہ پھٹا اور غصہ دل۔“

”گرمی تو آج بھی ہے۔“

”مگر کہہ“ ان میں سے بڑی والی نے اپنے چہرے پر آنے والوں کو پیچھے کیا۔ تب ہی جیو نے اس کے بے تحاشا بڑھے ناخن میں پالش اور چہرے پر بھی میک اپ کی۔ کوئی ٹیڈ

وہ بڑی جلدی کالی بڑی ہو چکی تھیں۔

”پھر آج بتانا بھی تو دیا ہو گا۔ کتنے عرصے بعد۔“ انی کہہ رہی تھیں ”انا وغیرہ اب ایک بڑے پارٹمنٹ میں شفٹ ہو گئے ہیں۔“ اسی کے اب ہم بھرے آیا کریں گے اور اب آپ بھی نہیں ہوں گی یہاں۔“

جیو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”کیوں نہیں رہے ہو۔ کتنے ہوئے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

ان دونوں نے ”کیوں ہی“ آنکھوں میں کوئی مشورہ کیا۔

”کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔“ انا نے بھی نہ بلیں گی کیا۔“

”میں مل چکی ہوں جب گھر آئے تھے۔“ وہ آنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے مستقبل میں کپ گل کی بیٹیوں کو جھیلایا بھی اتنی ہی نفس ہونا تھا جتنا کہ کپ گل کہہ۔ اسے ابھی سے اندازہ ہوا تھا۔ وہ دونوں بھی پور ہو کر سامنے والی دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی جیوں کے پیچھے والوں کا گھر اور سامنے گل گھر آئی تھی۔

”یہاں کچھ میں چاہئے تیری تھی۔ وہ اسی کے پاس چلی آئی۔“ مہو نہیں بتا رہی ہوں۔“

”نہیں، باتوں کی تم رہتے ہو سارا طنز سے لگی ہو۔“

”یہ تو تو نہیں کے کام ہیں دنیا! اگر نہ ہی ہوتے ہیں۔“ وہاں اسٹیل پر بیٹھ گئی۔

”نہا چپ چاپ پڑے میں رکھے کہوں میں چینی اور دودھ ملا رہی تھی۔“

ابھی تھوڑی دیر میں چائے کا پکا ہوا قہقہہ چینی کے اس مکسچر میں مل کر ایک میٹھے مزے دار سے ڈالتے

میں بدل جانے والے تھا۔ ساری کڑوا ہشودہ۔

”کیا سید حسانہ سا قار مولہ تھا کاش۔“

”تمہیں کسی بھی بات سے کوئی لڑن نہیں پڑتا ہے جیو! تمہارے لیے سب کچھ روٹیں دور رکھنا ہی ہے۔“

ہے۔ اپنے جسے کام نہ ہو وہ سہول کا جوہر نہ سہول کی ذمہ داری یہاں تک کہ اپنی قربانی سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تمہارے خود کو بہت عظیم۔ امام سب سے الگ۔ "نہی کی توافقی بھی مگر جوہر بے حد تک۔ جوہر نے یوں ہی امن بنا کرنا چاہا۔

وہ توجہ مل رہی تھی پھر تباہی میں ملنے لگی تھی۔ شاید اسے غصہ ملا۔ کہ لے۔ "مسلمان بھائی" کیا کل شاید سب اتنے بڑے نہ ہوتے اگر تم ایک ہمارے حق کے لیے کھڑی ہو جاتیں، تمہاری جیب نے ان کی بہت جھڑی۔ وہ اپنے زعم میں اتنا بڑھ گئے ہیں کہ۔ "وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ سو خود کو کنٹرول کر کے چائے کے کپڑے میں بچھو چائے لگی۔

"تم نے ان کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا جو آپ سب تک۔ تیس ساری وہ مسلمانوں کے کدھوں سے مسلمان بھائی چاہے بھگتا۔ "وہ جھجک بھی نہیں مانگ سکتے تھے نہ تو۔ اس ہمارے نے تیزی سے نہی کی بہت کٹی تھی۔ نہی نے حیرت سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"بھیک، ملتا بھی بڑی مشقت ہے، سہی مہری کو اپنے سر لینا بھال دو، "بھیک، اور مسلمان بھائی کو عورتوں کی کٹائی کھانے میں کوئی شرم پہلے ہی سے نہیں تھی۔ وہ کیسے مجھے روک دیتے۔" اس کے کہنے کسی ایک لفظ سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"مگر مجھ بھی۔ یہ قرین الدین تو حد ہے۔ بلکہ ظلم ہے۔ تم تو اذکیوں نہیں اٹھاتی ہو۔ میں ہوسٹ۔" "کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے پتا ہے میں اپنی قسمت سے نہیں لڑ سکتی ہوں نہ تو۔ پہلے یہ خطی کرتی ہوں۔ سارے گھر کو بھٹکتی ہو رہی ہے کہ تک۔"

"گھر والوں نے اپنا کیا بھلا کیا۔ ابا کا جیل جانا ایک ایک شے کا بک جانا مسلمان بھائی کی طلاق یہ سب ان کے اپنے تھے ہیں تم کہیں بہت سی باتوں کو مل رہی ہو، "بھیک، کو، لگ، لگ۔" "تمہاری چائے گھنٹی ہو رہی ہے۔ لے جاؤ ورنہ پھر بتلی پڑے گی۔" جوہر نے زری سے اس کی توجہ دلائی تو وہ سخت ہرمان لگی۔

"تم بھی چلو نا۔ وہاں بیٹھ کر قرین الدین کی تعریف سنو گی بہت اچھا لگے گا نہیں بھی۔ ابو جب سے کہے ہیں اسی کا قصیدہ بڑھے جا رہے ہیں۔" نہی کہتی ہوئی عزیز قد سارے سے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جوہر اس کے ساتھ ہی لیٹن سے نکل کر آگئی تھی۔

کمرے کے چھٹ کپڑے دھو کر اسے سے اظہار صاحب مانتے ہی بیٹھ کر کھائی دے رہے تھے۔ وہ بیٹی حد تک کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے مہینوں کی سخت زندگی کے بعد ان کی ذہنی حالت بھی یقیناً متاثر تھی۔ وہ ان کے سامنے صرف چند منٹوں کے لیے گئی تھی۔ اسے آج بھی ڈر تھا کہ اسے دیکھ کر وہ اسی غارت اور طے کا اظہار کریں گے، لیکن ان کی آمد کے اولین لمحوں میں جو جذباتی سی ہلچل تھی۔ اس میں وہ شاید اس پر وہ بیان نہ دے سکے تھے مگر یہ شخص اس کا خیال تھا۔

"جوہر اسے پوچھ تو لیا ہے مانتے کل۔ اسے قرین الدین کے رشتے پر اعتراض تو نہیں ہے۔" نہی جب اندر آئی تو وہ کپ کل سے پوچھ رہے تھے۔ نہی نے ایک نگاہ ان پر اور کپ کل پر ڈالی اور خاموشی سے چائے سو کر گئی۔

کپ کل کو ان کی خراب صحت یا ذہنی حالت کی فکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چند لمحے جو انہوں نے خاموشی کے لیے تھے نہ کھل اپنا بیان ترتیب دینے کے لیے۔

اظہار صاحب ایک بار پھر اپنا سوال دہرا رہے تھے اور شاگرہ ای کی امید بھری نگاہوں پر تھی۔ "ابیس ابو! اب تو اگر جوہر کو اعتراض ہو نا بھی ہے تو ہمارے پاس قرین الدین کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کو ہوں بھی آپ سے اعازت کے بعد ہی کی گئی تھی اور دوسرے آپ کی ضمانت بھی اتنی جلدی نہی کر دے تو اسے ہیں۔ انہوں نے پورے غصے کے ساتھ "تپ کے کیس میں گنجائش نکالی۔ ورنہ دوسرے دیکھ لوں گے تو صرف یہ ہی کہا ہے۔" ناہ احسان کا تذکرہ سب سے ضروری تھا۔ "جوہر جوہر کے انکار اقرار سے کیس زیادہ اب سوال گھر کی بچی گنجائش کو سبھانے اور ملی پر شایانوں کو مل کر نہی کا ہے۔ سب سب بہت آسانی سے قرین الدین مل کر رہے ہیں؟

اظہار صاحب کے اگلے کئی سوالوں کے جواب ایک ساتھ ملے تھے سو آگے پوچھنے کے لیے کچھ خاص بہا بھی نہیں تھا۔ انہوں نے چائے کا کپ منہ سے دگایا۔ مسلمان نے بہت غور سے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے تھے۔

"اور ابو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو بڑی مشکل سے آپ کی ضمانت ہوئی ہے، "کینسل ہو گئی تو۔ پورے پچ لاکھ جمع کروائے ہیں قرین الدین نے۔" "خدا نہ کرے۔" کپ صاحب کے ہاتھوں میں کانپا۔ جیل میں گزرنا وقت کسی بڑے آسیب کی مانند دل و دماغ پر چھایا تھا۔

"میں نے تو اس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ قرین الدین بھلا آدمی ہے۔ خوش رکھے گا جوہر کو۔" چائے کا دوسرا کونٹ انہوں نے پورے اطمینان سے کیا۔ "وہ نے آخری کپ مسلمان کے سامنے رکھ دیا۔

"وہ شخص جوہر کے جوڑ کا نہیں ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ اس ظلم سے باز آنا ہے۔ کیا باگاڑا ہے اس نے تم لوگوں کا۔" شاگرہ ای کی کانپتی ہوئی توافقی ساری ہی گونجی اس کی طرف سے۔ "پانچ لاکھ کا بعد بہت کر کے ہم اسے واپس کر دیں گے۔ اتنی بڑی رقم تو ہمیں ہے یہ سب جس کے لیے۔" "جوہر تو پہلے میرے کل دے لے پندرہ سو روپے ہی دے دیں جو میں نے ملھائی ہائے میں کرایہ میں خرچ کیے ہیں۔"

کپ کل نے دھنکی سے شاگرہ ای کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔ تو انہوں نے بنا کچھ کہے گھٹنے کے نیچے بے سوزے میں سے پندرہ سو روپے نکل کر ان کے ہاتھ پر رکھے۔ "یہ لو۔ بس!"

"ارے کیا کر رہی ہو تو واپس کر دینی کو۔ یہ کیا حرکت ہے کل!" "تو کل کے میاں کچھ شرمندہ ہو کر منع کر رہے تھے مگر وہ موصول کر کے اپنے پرس کی زپ بند کر رہی تھیں۔ "آپ مت بولیں یہ ہمارا آپس کا حساب ہے۔" اکبر بھائی اپنا کپ اٹھ کر ہر نکل گئے۔

"چلو ایک قصہ تو ختم ہوا۔ ڈرو اس وقت سے کپ کل! جب ای تمہارے ہاتھ پر پانچ لاکھ روپے بھی رکھنے والی ہیں۔ پھر تو تمہارے پاس وہی راستہ رہ جائیں گے۔ مسلمان بڑی کینٹکی سے ہنسے جا رہا تھا۔ "کپ کل کے ہاتھ پر آیا مل نور بھی گرا ہوا۔

"کون سے راستے؟" "وہ پھر سے ہنس پڑا۔ "اتنی جلدی بھول گئیں۔ صرف چوبیس گھنٹے میں۔ جی جی۔ عمر کے ساتھ تمہاری یادداشت بھی جواب دینے لگی ہے۔ جب ہی کہتا تھا کہ ہر وقت زور مت ڈال کر۔ خرچ

مستقل ذائقے کے سوا میں تھا۔ اور اسے بالکل خیاں نہیں کیا تھا کہ باہر بیٹھے اکبر بھائی بھی سب سے

پہلے آگئی کی گھومنا میں آنا سونے لگے۔

پہلی عزت نفس انہیں بے حد عزیز تھی۔

”میں نے غلط نہیں کیا تھا میری شادی فرید الدین کے ساتھ ہی ہو گئی تھی شریف اور نیک انسان کے ساتھ
دوسرا بدل کر کے خدا کے غضب کو رحمت مستدام کر کے۔ پس یہی کیا کم سمجھتیں ہیں۔“ بھائی کو دیکھ کر میں

دلی تھیں۔

”تو اب میں بددعاؤں کے ساتھ گئی کر رہی تھی۔“
اس بار یکسیا، منظر عام میں بددعاؤں کی ایک کون پھونکنے کی خشک مگر بلی ہر گز نہ ڈلا پل جھکی کا

احساس دھماکا تھا۔
”کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔ اورے کچھ میری لڑائی کروا دیتے ہو۔“ میں نے سب کے بچ۔ ”اکھار

صاحب حسب عادت ارگن تو آواز میں ڈالنا شروع ہوئے تھے۔
”آپ سلیس کو نہیں دیکھ رہے؟“ استاد لڑاؤ ہو گیا ہے۔ ایک تو ہم نے پہلے اسے سر تھکوں پر بٹھا رکھا ہے۔

دور۔ ندیہ کے گھر سے لکل کر گولی لٹکا دینا تھا اس کے پاس بھوکا مرنا اگر اس کو ہم سہارا نہ دیتے۔“
”کچھ تو شرم کرو تو نا گل۔“ سلیس ایک دم سنبھل ہوا تھا۔

”میں تمہارا گناہ نہیں کھا رہا ہوں۔ گھر بھڑکی کھل کر بیٹھ رہا ہے اور خود تم بھی بیٹھنے کے کہتے ہو میں گھر کی
مٹی کھال ہو۔ اس لیے آج میں نے یہ طعنہ دینا نہیں چاہا۔“

اکبر بھائی بددعاؤں کی جو کشت میں آکر رہے ہوئے تھے۔
”اور میں بے عزتی کر رہی تھی۔ اب چلتی ہو رہی ہے یہاں سے یہاں کیلانی چلا جاؤں۔“

وہ اعلیٰ طے جاتے لیکن سلیس نے بڑھ کر نہیں مٹائی یہ۔
”میر اور تم گل کا معاملہ ہے سلیس بھائی آپ کی تو میرے دل میں بلی عزت ہے۔ لیکن آپ خود ایمان

واری سے کہیں گے میں غلط ہوں یا تو گل۔“
اکبر بھائی نے جوتیا ”ایک لمحہ ہی سانس لے کر سر جھکا دیا تھا۔

”جیسا میں تمہارا صاف کرنا نہ دیکھ سکے گا اب کیا پورا رہا ہے تمہارا گل میں اب
ملاقات کی بات ہی چاہتا ہوں۔“ یہ بھی فوری طور پر گود لیں۔

گود سے آہستہ وہی ٹھوک بھالائے والی کیفیت اکھار صاحب کے لیے میں ابھر رہی تھی۔ جو صرف آپ گل کے
حق میں جاتی تھی۔

”آپ گل آنا صاف کرتے ہوئے غلط سے مکر رہیں۔“
”فرید الدین غیث کی پہل سے کرنا نہ دالے ہیں۔ تاکہ سب گل کر۔“ یہ نہیں۔ میں اور اکبر تو کل رات دیکھ

آئے ہیں۔ کشادہ اور ہوا دار غیث ہے اور رنگے سے اگلے جو وہ ہیں سے دریا کا نال اور دھستی گل میں بجائے
گی۔ سنک سے کیسے کام میں رکھتے بھی ہو گئے۔“
”بے شک بے شک۔“ اکھار صاحب کا بوجھ عقیدت سے بوجھل ہوا۔ رونے لگا سوز کا ہر گن میں

رکھا۔

وہ ابھی گدی میں کرسی پر بیٹھ کر تھی جہاں کو میں دھوپیلور کو ماسٹر تھا۔ اس کے چڑھاپ میں گل کر سنا
ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ کرسی کھٹک کر بیٹھ کر رہی تھیں۔ مگر یہ بھی نہیں کر رہی۔

نڈو نے بے شک سے پتھر بولا اور کمر سے گود لیا اور بریکسٹاپ کھڑا کیا۔ نظر نہیں آ رہی تھی۔
”میں ہو گیا فیصلہ اب اس پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں میں نے بعد آخر زندگی کے بچہ اور بھی کام کرنے

ہیں۔ میں کسی سے کوئی اعتراض نہیں سنوں۔“ انہوں نے باری باری سلیس اور شاہ کی طرف دیکھا تھا۔
”اورے کیسے نہ ہو میں نہیں ہوں میں چھانڈا ہوں تو میں کسی متعین کرتی بھوکے ساتھ شہر است کرو سارا

بوجھ ساری ذمہ داریاں اٹھ کر چل رہی تھی۔ کوئی حرف نہ کہتے تھے۔
”آپ گل نے بے ساختہ اپنے گھر چھوڑ دیا۔“ کوئی کوئی نہیں کہتے کہ ساری باتیں میری ہی ہیں۔“

”جیسے کا وہاں تھا وہاں کیے تھے۔“ وہ چھوٹی آنکھوں والے فرید الدین پورے حق کے ساتھ میز چیل چھ مٹا ہوا ایک
چروا کے سامنے آکر ابھرا ہوا۔

”رحمپ میں کیوں بیٹھی ہو میری جگہ۔ سارا رنگ روپ جانا چاہا ہے تمہارا۔“ اس کے پاس دعا ملک
ہونے کا حق کچھ کچھ اٹھ چکا تھا۔ سورہہ کھیرائے بیٹھی تو انہیں گھر دے دیا تھا۔

”جیسا ہے جو تک کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے کرسی بیٹھ کر گھر کا راتھ کھنٹی ہوئی۔“
”کچھ بھوکھ کر بیٹھے ہو۔“

”تیار ہو گیا؟“ تھی گود پورہ ہی ہو۔ ”اس بارنا گل بڑھاتا تھا اور اس تشریش میں اہمیت نہیں کہ اور ہی احساس
تھا۔“

جس نے بنا کچھ کے وہی سے گزرا تھا اگلے گئے بعد کر اس کا ہاتھ تھم چکا تھا۔
”دیکھتے تو وہ خواہ گئے تھے وہاں کھا ہے اپنے ساتھ۔“ ملائکہ طریوں میں تو وہ زندگی ساتھ ہوئی ہو سکتی

ہر گز۔
”ہو کا ہاتھ پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرے پر ہوا تھا فرید الدین کے ہاتھ سے اس کا سر اٹھ کر خود بخود

پھوٹا تھا۔ پسے لپک کر کی دوا پر مٹی بیٹوں نے مرکز کھالو دوسری لگے سامنے کے بلور والے کو کھول کر
پاگل اور سلیس باہر آئے تھے۔

”کیا ہو امیریت۔“ کچھ کر گیا۔ ”یہ بے ندر کی تراز تھی۔“ یہی گل نے ہڑد کر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔
”ہو گا گل بولنا ہے بغیر تیزی سے اندر چلی گئی مگر ان چھوٹے نیکٹوں میں ہی کیا گل نے اس کا سوا بھائی لیا تھا۔

”یہ غلط کیا نہیں اب کیا کرنا ہوئے گی۔“ ایک ساتھ ہی بہت سارے دل بٹھائے ہوئے تھے انہیں
کھیرا تھا۔

”کچھ نہیں ایسے ہی بات کر رہا تھا“ شہنا گئیں۔ ”فرید الدین نے خود کو بدوقت سمجھا تھا لیکن اس وقت اگر وہ
بٹھتے تو بے گناہ نہ ہو کر بھی کتا کہ کچھ نہیں تھا تو کیا گل کو ایک گھنٹہ بھی نہیں تھا تھا۔

”انہوں نے ایک ٹکا لائی دونوں بیٹوں پر ڈال دیا اور دونوں کے ساتھ ٹیکہ لگائے۔“ مت پر ہاتھ دے کے اپنی آنکھوں کو روکنے
کی کوشش میں عجیب مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھیں۔

”آپ یہاں دھوپ میں کیوں کھڑے ہو گئے فرید بھائی۔ اندر بیٹھیں۔ یہاں تو سب آپ کا انتظار کر رہے تھے
سب سے۔“
”ہاں نہ میں گاڑی بھی لے کر گیا ہوں تاکہ سب جل کر غیب نہ کیوں۔“
”ان کے ساتھ چلتا ہوا کرے تک کیا یہ سب ہی خدا والے میں آکر رہے ہوئے تھے اور اپنے اپنے طور

پر مطلب مٹی باندھ کر کے میں مصروف۔
 اس نے پتے پر دوڑ کر کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ "پہلے کابل میں رہا تھا کدو کے بالکل مختصرے
 دھڑے میں وہ مارا مٹھا لنگر بند کر دیا۔
 مگر کون چلے گا بھئی؟ خود کو دھاشاں ظاہر کرنے کی وہ مسلسل کوشش کر رہی تھی۔
 نگار صاحب سلطان اور دو خود اور وہ ان کی بیٹیاں مل کر ایک گاڑی کی سواری سے نکلے تھے۔ اکبر بھائی دیکھ
 چکے تھے سو سڑت کر لی ننڈا خاموشی سے نکل کر گھر میں جا چکی تھی۔
 خاموشی مراکت بلجی شا کرانی سے پوچھا کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
 اس نے مہوٹے سے قافلے کے ساتھ جاتے فرید الدین نے ایک بار پھر لٹ کر حوا کے کمرے کی طرف دیکھا۔
 اس کے چہرے پر الجھن غمناک تھی۔
 آپ بھئی کی گھبراہٹ جو حق ہی جا رہی تھی۔



نیل گاس ایک بار پھر بھرنے کا تھا۔ در تاج نے ایک تنبیہ کر لی تھی۔ نیل پر اڑا۔
 "تم بہت چنے گئے ہو نیل اور وہ بھی گھر میں۔ سالار نے دیکھ لیا تو بتا نہیں وہ کیا شکر ہے گا پادے کا ایک بار
 اس سے تم سے دوستوں کے سامنے کیا انعام کھڑا کیا تھا نہ صرف کرا کر بلکہ کمرے کا جیسی فریج اور کارپٹ
 ہمارے عجب ہزاروں تھے۔"
 در تاج کے لیے میں گھبراہٹ تھی اندر سے لاک ہوئے کمرے کو بھی انہوں نے ایک بار سے زائد چیک کیا
 تھا۔
 نیل نے نگواری سے انہیں دیکھا اور ہاتھ میں تھا ہوا گاس ایک سانس میں بیٹا چلا گیا۔
 "تم بہت سو ہی ہوئی جا رہی ہو در تاج اور نیل بھی۔ کچھ سال پہلے وہ انار صاحب عجب دیر تھے۔"
 ایک لٹری سانس در تاج نے نیل کی گھبراہٹ میں دوا کی۔
 "اگر ہوا؟" ان کے آترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوری کینٹکی کے ساتھ مسکرایا۔
 "کچھ نہیں۔" وہ اس کے قریب آئی تھی۔
 سامنے رکھی میز پر دو ٹول پاؤں پھیلائے وہ پورے مالکانہ استحقاق کے ساتھ اس عالی شان پینے و دم میں بیٹھا
 تھا۔ در تاج کو آج کل وہ ناک شدت سے یاد آئے گا تھا جب انہوں نے نیل سے نئی نئی شادی کی تھی۔
 اس وقت وہ شکر خف تھا۔
 ہاتھ ہاتھ کا نظام بھوان کے کمرے کیا جوتے چاٹنے کو بھی تیار رہتا تھا۔ ایک آنکھ کے اشارے سے بندھا
 تھا۔ اور اس کی پشت کو چہرے لگا لگا ہوا اب ٹھیک سے سمجھ میں آیا تھا۔
 "لگتا ہے تمہیں کچھ پرخت فضا آ رہا ہے۔" مسکراتے ہوئے وہ سولہ سو روپے کا انعام لگا ہوا تھا۔
 "میں تو کچھ تو میرے لیے بہت خوشی کا دن ہے۔" خود پر ہنسنے لگا ہوا تھا۔
 اس نے اس سے لب تمساری جان پوش کے لیے پھٹ رہی ہے جس نے ہماری فینڈا اڑا رکھی تھی۔
 "میری نہیں صرف تمہاری۔ مجھے کئی فرق نہیں پڑتا تھا مجھے ایسی چیزوں سے نمٹنا اچھی طرح آتا
 ہے۔" شراب اور انعام دونوں کا انعام اس کے لیے اور لطفوں میں اڑا تھا۔
 "بہت کچھ سے سزاوار کوں جان سکتا ہے نیل۔" اس بار ان کی سزاوری ظاہر ہوئی تھی۔

نیل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یقیناً "ناراض تھی اور انہیں مزید ناراض رکھنا بالکل بھی عقل
 مندی نہیں تھی۔
 مہوٹے نے کہا کہ تاج۔ لیکن یہ بہت ضروری تھا در تاج۔ سالار بری طرح میرے پیچھے پڑا ہے اور اس بار تو
 اس نے میری گردن میں چٹائی کا پھندا ڈالنے کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ اگر تم ساتھ نہ دیتیں تو بہت سست ہو
 جاتی۔" وہ سرک کر ان کے قریب آیا۔
 "میں تمہارا ساتھ دیتی رہی۔ اگر تم اتنے گھٹیا طریقے سے بلک مٹ نہ کرتے۔ آخر اتنے سالوں سے بھی
 تمہیں نے کسی مسئلے میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا ہے۔ تو اس بار کیسے چھوڑ دی۔ مگر تمہیں تو اپنا پھندا میرے
 پیٹے کے گلے میں فٹ کرنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ اور نہ ہی میں یہ بھی بھول
 گئی۔"
 ان کی نگاہ نیل کے چہرے پر جمی تھی۔
 "اور یقیناً" نیل نے کہا ہے۔ جو اس پہلی کامیابی پر اس سانپ جیسی آنکھوں والی عورت کی دشمنی مٹا لینے
 چاہیے۔ "مگر یہ تو بل سب ایک سائڈ پر دیکھ کر سمجھ کر بیٹھا۔
 "میں نے مہوٹے کے لیے یہ انہیں چاہا تھا در تاج۔ لیکن میں سالار کے ہاتھوں شکست بھی نہیں کھ سکتا تھا۔ یہ
 نہیں ہر دھڑکے خلاف جا رہا تھا۔ حالانکہ تمہیں اس سے ملنے میں لاکھوں روپے خرچ کرنا پڑا تھا۔ مگر یہ اپنی جگہ
 قائم رہا۔ یہ تو انوکھا۔" وہاں کا ہاتھ تھا یہ تھا۔
 در تاج نے میرے سے اپنا ہاتھ چھڑا دیا۔ اس نے اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر لی۔ میں تم سے بہت محبت
 کرتا ہوں در تاج۔ اپنی سواری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"
 "میں کیسے نہیں کر رہا اس بات کا نیل انہوں نے اپنی محبت کو ٹلنے کے لیے مجھے میرے ہی بیٹے پر قتل کا
 مقدمہ ز کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ ایک دس سال پرانے معاملے پر یہیں کا نظریں ملانے کے لیے تیار ہے۔
 "جیسے لگے گی زندگی میں کچھ سے وہ خوار رہے گا۔"
 "آگے آپ نے کئی مسائل نہیں آئیں گے ہماری زندگی میں۔ سانی وہاں خوش باش رہتا ہے گا۔ اور ہم دونوں
 بہت سے عرصے بعد نیل اس واپس نہ جیت کا انعام کر رہا تھا۔
 در تاج نے ایک لٹری سانس لی۔
 "نیل سانی۔
 سانی زندگی کے یہ دونوں اہم کردار کتنی گہری مماثلت رکھتے تھے۔ دونوں کی بد کرداری ثابت تھی۔ سانی دونوں
 ہی کو اپنے کے لیے وہ جان مال پر کھلی تھی۔
 "میرے اعصاب بہت ٹھیک گئے ہیں نیل۔ یہ سب تمہارا نہیں تھا۔ کہ دونوں خرچ ہوئے ہیں اور اپنی اذیت
 لگے۔ ہر گز بھی بالکل صفا جا رہا ہے۔ اور یہ سب سالار اور کتنی آرا۔ میری زندگی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے
 شری۔"
 سوں نے ٹھیک کر صوفے کی پشت سے ٹپک لگائی۔ اور "تمہیں بند کیوں۔" ان کے گھالی چہرے پر اب
 تھپان لہریں ہو رہی تھیں اور چہرے اور "تمہوں کے کردار کی ہوئی لکیریں۔ اب کسی ایک آپ کے لیے چھٹی
 پہنچنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔
 "ناتی اڑا اور تار لگ رہی تھی کہ میں کا ان کی طرف دیکھے کو بھی مل نہیں پاتا۔ مگر اگلے چند سال اور

انہیں بڑا اشت کرنا تھا اس نے ہدایت ملد کو لیا دیا۔

”خود کو سب گھریں سے آزاد کرواؤ اب میں سب سے نمٹوں گا۔ یہاں سارا رقبہ کی بار اس طرح رسوا ہو کر رہا ہے جیسے گاکہ ساری عمر اس شہر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ یقین کرنا پڑا۔ بس کچھ دن بعد تم یہ شکلیں بھی نہیں دیکھو گی اپنے آس پاس۔“ مدد م آواز میں ہنسی مضبوط یقین دہانی تھی۔
 درمیان کی آنکھیں ایک دم کھلی گئیں۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔ من کی رسوائی کا نشانہ!“

”کیا کرنے والے ہو؟“ درمیان کی آنکھوں اور چہرے پر خوشی کی چمک اتری۔ ”کیا کرنے والے ہو تم ان کے ساتھ؟“

”وہ ابھی رہنے دو۔ رہائیس کر دو۔ جو تم چاہتی ہو اس سے بڑھ کر ہو گا۔ تم پر یقین ہے نا؟“

درمیان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”اگر ایسا ہو جاتا ہے تو مجھے نہیں پتا کہ میں تمہارے لیے کیا کچھ کر جاؤں گی۔ سات مہینے ہوں گے جس میں میری طرف سے۔“ یہ مدد م نے شکلیں گم ہو جائیں میری زندگی سے بس۔ میں پھر سنی نہیں تھی۔

”جس سچو کو کہ اس لیے شکلیں گم ہیں ہمیشہ کے لیے۔“ ایک بھر پور یقین دہانی اس سخت اصحاب حکم دور کے خاتمے کا سبب بنی تھی۔

”یقیناً“ ”یہاں گزرنے کا جیسا بھی عورت کو سوز کر رہا ہے۔“

پہلی بار انہیں نیل کی اس کیفیت پر بھی ہمارا کیا جس سے ذرا اور نیلے لکھنا سخت لڑت میں چلا گیا۔ انہوں نے ہنسی محبت سے نیل کی طرف دیکھا۔ ”آج رات ہم ایک شاندار سلسلہ یقین رہیں گے صرف ہم دونوں کے لیے اس گھر سے۔“

”میں ابھی انتظام کر رہا ہوں۔“ نیل کے چہرے پر ہنسی بھر پور مسکراہٹ تھی۔

”پتا نہیں کون الحق ہوتے ہیں جو زندگی کو پریشانیوں اور مسائل کے دوچارے پر چھوڑ دیتے ہیں۔“ اور اس مضبوط ہاتھوں داخل میں پورے غور کے ساتھ ابھرنے والے ہنس سکا تھا نیل کھنکھاتا ہوا کہتا تھا۔

”قد آج تیار ہوئے نہ ملتی تھی۔“

باہر لاؤنچ میں سے آئی ہوئی قدموں کی آہٹ پر اس نے یوں ہی پڑا سر کا کرکڑی سے باہر دیکھا۔ سارے فیملی ڈاکٹر اندر آ رہے تھے سارا درجن کے ساتھ تھا اور اس کی فکر مندی چہرے سے عیاں تھی۔

”کیا ہوا؟“ ڈاکٹر نے کیا ہے؟ درمیان اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔

نیل نے پست کران کی طرف دیکھا۔ ”یقیناً آج ہمارا بڑی ہی چاقی۔“ مذاق اڑاتا سا انداز۔

”درمیان بکے سے اس پر اس۔“ ”مضرب تمہاری کچھ کہتا ہے۔“

نیل نے گہری سانس لی۔ درمیان کا سوا کل بچا تھا ابھی کھڑی میں ہی کھڑی تھیں۔

”میرا فون بٹا گیا۔“ ”جس صحت چھاپا ہے ضرور کوئی اور صحت ابھی خرابی میری منتظر ہے۔“

بنالینت کو دیکھے انہوں نے کہا تھا۔

”یقیناً مسودہ کھسکا ہوا ہے۔“

نیل نے درمیان کی نظر پر جتا ہوا فون ہنسی دلائی سے درمیان کو صفا تھا۔
 مگر اس بار ان کا انداز اب بالکل ملد ٹکٹوں والا تھا۔

□ □ □

عمر ایوں والے آرائشی برکے کے نیچے گلی میں بھر پور جگہ گھٹ تھی۔

پھر وہیں کی تیز دل فریب صبح کچھ فاصلے پر بیٹھ کر کھانے کی تھوڑی سی خوشبو محسوس میں پکی رہنوی کی گراہٹ سب سے کچھ مل کر ہوا کے جھونکوں کو روک کر چلے گئے تھے۔

تھمبہ نے نیچے جھانکتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ گناہاں کے دروازے پر لے ملازمہ بڑے بڑے شہر اٹھانے پر بار کی بیڑیوں پر چڑھ رہے تھے اور نیچے بیڑیوں کے ساتھ کھڑی گاڑیوں کی لائیں صحنوں کے انٹیکس کی گواہی دے رہی تھیں۔

وہی ایک سامعہ۔

”پتا ہے ایک بی بی سی سانس تھمبہ کے لیوں سے آزاد ہوئی اور اس نے نو آہستہ سے سوزا۔“

کئی دن تھے جب گناہاں کے چارے تھے کھڑی گاڑیاں اسے سر سے ہر جگہ چلا کر رکھ کر تھیں۔ گناہاں کی اور بی بی اور بی بی و مشرت بھرا طرز زندگی کا اپنی مشقت بھری پشکار لدا زندگی سے موازنہ میں خود کے ہاتھ مارا۔ مگر اب نہیں۔

درمیان اس کا اور کل باز کا نہیں تھا۔ مل سارا طور و ثانی دلدار کا تھا۔

تصور سے کھو اٹھا تھا۔

نیل کی میراث کو زندگی کا سہارا دینے والی بی بی سارا کا لطف زندگی اب کہیں جا کر اس کے سچ میں تھوڑا تھوڑا کٹنے لگا تھا۔

پانی پر تھمتے اس بچے کی طرح جس کا ایک رخ تر اور دوسرا خشک۔ اس ماحول کا لازمی حصہ بن کر بھی وہ بالکل ایک شخص تھیں۔

مساہی بد حال کے بد ترین دور میں بھی انہیں اس کا ایک شرا میں ڈالنا کرنا قبول تھا۔ مگر اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ ان کا سارا سہارا ان کا گھر تھا۔ گھر بھی ان کا کل سیکل بیک گراؤ تھا۔ رقص موسیقی مطلقاً بے کے اس میں کا کہم۔ آج بھی اگر وہ فیون کے صدمے سے نہیں نکلی تھیں تو نہ صرف ایک بی بی کی جدائی کا رونا نہیں تھا ایک اٹھانے کی فنکار کامنی میں مل جاتا بھی تھا۔

گلی کے سارے گھروں کی بالکونیاں اور بچے رنگ بھری روشنیوں سے جھللائے جا رہے تھے۔

نیم تاریک برکے میں کھڑی تھمبہ نے خالی خالی نگاہوں سے اطراف کو دیکھا۔

”سب عوام کے دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔“

اور وہ بھی جو خاموشی سے گناہی کے اندھیوں میں اتر گئیں۔ سب کی زندگیوں کے اپنے جوار اپنی مجموعی اپنے ملا کل۔

نیل کو پتا ہے اس بھری دنیا میں ہم سلا چھوڑنے کی جرات کر سکے۔

”میں سے مسکراؤ گی۔“

نیل رات کو وقت آگے غصوں سے گونج رہا تھا۔

”نمبر جن کا جیسا اس گھر میں آج بھی غصہ تھا اور جنہیں من کرنا تھا کلاں کو ہاتھ لگانا تھیں مگر سب

ہلکے کی خوشنودی گارنٹی بھی دیتے تھے۔
 اس نے سب کو بھی مٹی کی بنا سے بڑا نہیں سمجھا تھا۔ یہ طریقہ زندگی تھا جو معاشرے کی ہر طرف سرسبز
 میں رائج تھا۔ وہاں وہاں تھا۔ پوری ہمت اور جرات کے ساتھ۔ اپنی اچھائی اور برائی دونوں کو اپناتے ہوئے
 لڑنے کی تگاہوں میں تگاہیں ڈال کر ان کے گمراہی کی طرح پہنچنے کی پینڈوالی زندگی سے شاید کہیں بہتر۔
 "تیسری بار ساری زندگی ایک منافقانہ طرز عمل پر تو کاربند نہیں رہیں۔ کیا ان کا بھی دل نہیں چاہتا ہو گا کہ
 وہ بھی اپنے دل میں بدل چل کر ان کو دیکھیں جو کہ بڑے بڑے بڑے پر ان کی بس دیکھتی ہیں۔"
 چنانچہ ان کی بدگمانی بھی جیسے نانی ستارہ کا بیوہ سے بعد محبت کرنا۔

نئی نئی محبت پر خیام کو ترنم تلوین ہو رہی۔
 اپنی ہوا میں نئی باتوں کی سونگ کو اس نے کان کے پیچھے کرتے ہوئے خود کو شرمیلہ لی۔
 "میسے فائوٹاں سے وہ عورت لکھا ہے کہ آج بھی وہ کسی کو نصیب نہیں ہے۔ یہی بات ان کے اصول۔ ان کا
 سر نہایت سے جڑے رہنے کی مصیبتی ہے۔ اور جو بھی ہے ان ہی کی جوتیوں کا صدقہ۔" اس کا دل ایک دم
 ہی ٹھنک گیا۔
 پھیلنے سے رگڑ کر آنکھیں خشک کہیں اور والیں اندر مڑ گئی۔ مندل "استاد فراغت بیگ کے کمرے میں بیٹھی
 نظر رہی تھی۔ آج وہ جلی دیر سے اس کے پاس بیٹھی۔ جانے کون سے مسائل حل کر رہی تھی۔
 سمجھنے کی کچھ گراہیدیں گاہ کہ کم از کم اپنی خود ساختہ توانائی سے تو ہر آدمی تھی۔
 نانی ستارہ نے کتنے ہوئے دروازے سے گھیر کر اندر آکر کچھ کر اپنی حساب کتاب کی کالی بک کے پیچھے سرکالی۔
 "ہمستہ برآمد کیا تمہیں گلاب شام ہے؟"
 "آج صبح تو بھرے مٹی کی اماں۔ آتے آتے تھک گئی۔ اور اوپر کے لیے لٹنی تو پھر آگے لگ گئی۔
 توڑی و پر پیلے کی تھی ہوں۔"

سادہ سے کمرے میں کھتے ہوئے وہ ان کی پائنتی کی طرف بیٹھی۔
 نانی ستارہ نے درخورد سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی مسکن کے آثار تھے۔
 "نہ اس قدر پوکی تھی۔ کام کے مسئلے میں اپنے پرانے تعلقات کو چمک کر نہ گئے۔
 "نکاح نہیں یا بنا؟" نانی ستارہ نے اس کے چہرے سے اندازہ لگانا چاہا۔
 "نہ اب مندل کی بیاہ کی حیثیت سے دیکھنے لگے ہیں اب ان کے ہیں کہ مندل نے کچھ عرصے میں خاصہ پر
 بنا دیا ہے۔ ہرگز شوق سے کرتے۔ مگر کام کے لیے منہ سے بھاپ نکلتی نکالتی۔"
 "تو عروہ سے جو پیش کا اظہار کر رہی تھی اس میں کوئی برائی نہیں۔ آؤ سنو تو ساری عمر آرٹس رہا ہے اور
 جس کے لیے قبضہ میں کمر کر رہے ہیں۔ کیا وہاں باب کمر بننے گئے ہیں۔"
 "نانی ستارہ کو اس کا کار کا سا انداز اچھا نہیں لگا۔ گھینے کی آنکھوں میں ابھی سی پکنا نری۔
 "تھیک ہوتی ہیں آپ۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ اگر اندر مٹی والے نہیں پوچھ رہے تو بہتر ہے کہ نئی بوی کا رخ
 کیا جائے۔" نانی ستارہ کا کام بھی دیکھ رہا ہے اور معاوضہ بھی اچھا مل رہا ہے۔ گھیس میں کون سی ایسی بوی دیکھ رہی
 ہیں۔ "نانی ستارہ نے پوچھ انداز میں سولا یا۔

"مٹی کی چم ہے۔ سارا سبب کرتی ہوں اس کے ریڈیو کی طرف تعلقات بھی بہت ہیں۔"
 "تیسری بار۔" نانی ستارہ کے خاموش ہوتے ہی تیری سے بولی۔ "سالار سے نہیں۔ اچھا نہیں لگتا۔ چاہیں
 کسی کو شرمندگی ہو میرے کام پر۔ سالار بھی تو آخر بنا توئی ہے۔ گمانی اسے حوالہ دے۔ میں خود ہی کچھ کر لی

ہوں۔"
 اس کے چہرے اور اندر میں اضطراب تھا۔ نانی نے ہمدردی سے اس کو دیکھا وقت کے ساتھ وہ بھی تو دلی
 نقصان پہنچ رہی تھی۔ وہاں کو ٹھوکر پر ساری زندگی رکھنے کے بعد گتھی کی شادی ایک خاموش سبب لاد کا سبب بنی تھی۔
 "تھیں سبب بولی تمہاری!"
 "ہیں۔" وہ نہیں دیکھ پائے ہوئی تھی۔ میں خود زیادہ نہیں کرتی۔ سبب خیالی میں کوئی! ابھی یہی بات منہ سے نہ
 نکل جائے ورنہ ہمارا نئی دور ہماری وجہ سے روشن ہوئی رہے۔"
 "نہ تو ہے۔" نانی نے جبر سے کہا۔ "مگر بھر بھی کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اگر سالار ہمارا کوئی مستقل بندوبست
 کر دیتے تو۔" مگر محبت جو لب و لہجہ ہے کچھ کہتے ہوئے۔"
 "میں خود کرتی ہوں کہ اللہ مندل کو عقل دے کہ۔" مندل کو آتا دیکھ کر انہوں نے نوائستہ بات اور حوری
 چھوٹی۔

"نہ تو نہیں ہو رہی۔" وہ فریج کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج صبح دونوں بعد اس نے خود سے گھر
 آ کر مندل کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانسی سے استغاثی اور لب۔
 گھبراہٹ سے سکرادی۔

"نہ تو نہیں ہو رہی۔" وہ فریج کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج صبح دونوں بعد اس نے خود سے گھر
 آ کر مندل کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانسی سے استغاثی اور لب۔
 گھبراہٹ سے سکرادی۔

"نہ تو نہیں ہو رہی۔" وہ فریج کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج صبح دونوں بعد اس نے خود سے گھر
 آ کر مندل کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانسی سے استغاثی اور لب۔
 گھبراہٹ سے سکرادی۔

"نہ تو نہیں ہو رہی۔" وہ فریج کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج صبح دونوں بعد اس نے خود سے گھر
 آ کر مندل کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانسی سے استغاثی اور لب۔
 گھبراہٹ سے سکرادی۔

"نہ تو نہیں ہو رہی۔" وہ فریج کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج صبح دونوں بعد اس نے خود سے گھر
 آ کر مندل کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانسی سے استغاثی اور لب۔
 گھبراہٹ سے سکرادی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام آپ کو تمام ڈائجسٹ

ناولز اور عمران سیریز بالکل مفت پڑھنے کے ساتھ

ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک کے ساتھ

ڈاؤنلوڈ کرنے کی سہولت دیتا ہے۔

اب آپ کسی بھی ناول پر بننے والا ڈرامہ

آن لائن دیکھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ

لنک سے ڈاؤنلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔

For more details kindly visit
<http://www.paksociety.com>

تجربہ نے غور پر قابو لیا تھا۔ سواس الزام کی جگہ کو کم کرنا آسان ہوا تھا۔
 ”اس کا مطلب ہے کہ آپ گئی تھیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے چہرے سے ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوتا
 تھا کہ وہ ناراض ہے۔ سوائی ستارہ ٹکے سے کھٹک رہی۔
 ”چند اگر گئی بھی تھی تو کیا جرم کر دیا اور کام بھی اگر کرے گی تو اس میں کیا برائی ہے۔ آخر کتنی تکی ہے پیسے بھی
 ملتی ہیں پر وہ کچھ تو ساری پرانی اوارا کر آئیں نظر آتی ہیں کج کل وہ تو اپنے وقت کی نامور ہیو بیو تھیں۔ کتنی ہی
 پر کرکٹر بدل کر ہی رہی ہیں۔ تو تجھ پر بھی کرنے کی تو کون سا فرق پڑنے والا ہے۔“
 ”فرق تو یہ ہے ٹل۔ اور یہ آپ بھی جانتی ہیں اور ای بھی اپنا سوال کی اپنی دہننا ہوتی ہے وہ جہاں جاتے ہیں
 اپنی دہننا ساتھ لے جاتے ہیں۔ کوئی سوال کوئی انگلی نہیں اٹھتی۔ لیکن ای بے چاری۔“

تجربہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
 وہ خود کو کشمکش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں اتنی ہی تجھ سے بھی نہ رہ سکی۔
 ”مجھے پتا ہے کہ اب آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی۔“ اس نے آہستہ سے رگڑ کر آنکھیں خشک
 کر لی تھیں۔
 ”کسی اور کا نہ سہی تجھ کا خیال کر لیں۔ بڑے آدمی کی بیوی ہے۔ وہاں شہر میں عزت نام کما کر بیٹھا ہے اس
 کا شوہر۔ کیا کہیں گے لوگ یہ ہے سارا کی ساس بیس۔“ تجھ نے کا سر خود بخود جھکا تھا۔
 ”مجھے پتا ہے کہ آپ قصور وار نہیں ہیں میں ہی ناشکری ہوں مگر کتنی بہت کہت ہے ای لہ خود پر اٹھائے
 گئے سوال نہیں برداشت کر سکتے گی۔ وہ رو کر جان کھلائی رہے گی یا پھر۔ بہدلوں میں سے کسی ایک کو تو اپنی
 زندگی جی لینے کا حق ملنا ہی چاہیے نا ای۔“
 صندل نہیں بددگم تھی اور چہرے پر پانی کے چمکتے چند قطرے۔

سارا نے کتنی کساتے پر ہاتھ رکھا۔
 بخارا بھی بھی جیز تھا۔
 تھوڑی دیر پیسے دی جانے والی دوا کا اثر ابھی پوری طرح نہیں ہوا تھا۔ سوائی نہیں پر رکھے برف ملے پانی میں
 سے اس نے دو سری پٹی نکال کر اس کساتے پر رکھی۔ کتنی کی آنکھیں تھوڑی سی کھلیں۔
 سارا محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بلبے سے مسکرایا۔
 کتنی کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بھرے ہوئے تھے۔
 ”اب ایک آنسو نہیں۔ کج رو رو کر کتنا تیز بخار چڑھا چکی ہو پہلے ہی ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر خود
 کو بر سکون نہیں رکھو گی تو بخار آسانی سے اترے گا نہیں ہے۔“ اس پر جھکتے ہوئے وہ کچھ نرمی سے سمجھا رہا
 تھا بالکل ہی رانگاں جا رہا تھا۔
 کتنی کی آنکھوں سے ایک نہ ختم ہونے والی برسات جاری تھی۔ سارا نے بہت تشویش سے اس کے بچے
 ہوئے چہرے کو دیکھا۔ کج جب وہ کورٹ سے واپس کیا تھا تو وہ اسے تیز بخار میں جلتی ہوئی ملی تھی اور اسے دیکھتے
 ہی وہ جس طرح اس کے کندھے سے لگ کر رہی تھی۔ سارا اب تک اس کے لیے کوئی وجہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔
 اور وہ خود سے کچھ جاننے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔
 ”خود کو سنبھالو کتنی۔ تھوڑا سا کچھ کھاؤ۔ کج سارا دلان گزر گیا ہے۔ ہمیں کھانے پیے بغیر۔“

فی الحال آنسوؤں کا جب پوچھنے کے بجائے اس کی طبیعت کی اصل کی فکر میں لگا ہوا تھا۔
 کتنی بے چارہ جنگ کرتے ہوئے سارا دن کی طرف سے کھانسی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 "ایسی ہی صحت دہرائی ہوئی تو طبیعت اور نواہ خراب ہو جائے گی۔ اچانک سہی میرا خیال کردہ پلیز۔ میں کماں
 برداشت کر سکتا ہوں تمہاری ذرا سی مگر تکلیف دہ۔"
 اس کی آنکھوں اور لبوں میں محبت کا پھیلنا اور شہزادہ قہر اور اس کی مودت کی احساس سکون سمیڑا
 اس سخت اصرار سے ڈھکی چھپی تھی کہ اس نے اس کو شہزادہ قہر سے محبت کی۔
 "آپ نے بھی تو نہیں کھانا کھا ہے۔ جب سے کئے ہیں میری پریشانی میں لگے ہوئے ہیں۔" وہ شرمندہ سی ہوئی۔
 "تمہاری پریشانی میں تو میں ساری عمر خوشی لگا رہوں گی۔ یہی قسم ہے اس سے۔ میرے لیے کافی ہے صحت
 فکر گزار جسم کا انسان میں چکائیوں میں تم سے شادی کرے۔" کتنی کھانسی سے لنگ ہوئی تھی کوٹھانے ہوئے
 مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
 "جس اب دور نہیں! کتنی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ شہزادہ قہر نے کہا۔ "آپ کھانا
 کھا لیں پہلے پھر اور اس طرح صحت کیا کریں کہ اگر میں ذرا سا بیمار ہو جاؤں تو پانچ خیال بھی نہیں۔"
 "میرا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس لیے بیمار نہ ہونے سے پہلے سوچ لو کہ میرا کیا حال بن سکتا ہے
 تمہارے بغیر۔"
 اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے اس نے تیزی سے محبت کی بات کئی تھی۔
 "وہاں تو نہ نہیں نا!" کتنی نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ "میرا تو آری بھی بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس کا یہ
 مطلب تو نہیں ہے کہ آپ بھی۔"
 وہ اس کی بات کو طرہ دار کرتا ہوا اثر کام پر لگ گیا۔ کھانسی سے کہہ رہا تھا۔
 "کتنی چپ چاپ اس کی پشت کو دیکھتے گی۔"
 "اگرنا بعد اور بیمار اچھلے تقدیر نے اس کی قسمت میں لکھ دیا اور خواہاں اس کے لیے کیا تھی۔
 قسمت بدنامی نے اس کی قسمت میں لکھ دیا۔"
 نچلے ہونٹ کو دانت تلے چھپا کر دیکھتے ہوئے اس نے ن گھنی گھنی سسکیں گواہ دی کہیں اتارا۔ پھر سے
 اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
 "میرا دیکھ رہی ہو! محبت سے کتنی کے چہرے کو مٹوتے ہوئے وہ بوجھ رہا تھا۔
 کتنی نے ہلکے سے ہنسی میں سر ہلایا۔ سارا دن سے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
 اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ کتنی پیشہ سے زیادہ پریشانی اور دیکھی تھی۔ مگر پوری کوشش سے مستقل
 نظر انداز کیے جا رہا تھا۔
 کچھلے کئی دنوں سے وہ اسی طرح فکر مند اور آنکھوں میں آنسو لیے کئی بار نظر تکی تھی۔ مگر کچھ بتانے کے لیے
 تیار بھی تو نہیں۔
 "مگر آج تو کچھ رات ہی۔"
 "اب میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا کتنی! اس وجہ کو میں خود بخود بخلاؤں گا۔ جو تمہارے لیے وہ کہنا
 تھی۔ میری محبت کا قصہ بھی ہے اور اللہ کی طرف سے عائد کیا فرض بھی کہ اس نے تمہاری تھکائی مجھے سوچی
 ہے۔" مگر خاموشی کے ساتھ اس نے خود کو یہ یاد دلاتی تھی کہ خود پر بھی اس کی نگاہ سے کھٹکے ہو کر اس کا رخ

میرا تھا۔
 وہ اللہ سے بدستگ ہو رہی تھی لازم کھانے کی طرف سے لے کر تھا۔
 سارا دن کے کرانہ و سرنے کا تھا کہ وہ کھانے سے بول۔
 "آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی تھی۔"
 "ہاں گو! سارا دن کے چوک کر اس کی طرف دیکھا۔
 "کچھ ہوا ہے سو۔ میرا مطلب ہے کہ اگر تین میڈر اور نیل صاحبہ گھبرائے ہوئے ہیں۔ پریشانی پہلی ہوئی
 ہے۔ کچھ بہت زیادہ۔ میں کئی بات آپ کو بتانا چاہتا تھا۔"
 یہ ایک خاموش طبیعت اور وقار ملازم تھا۔ جس نے کچھ بھی اس کے علم میں نہ ضروری سمجھا تھا۔
 "شکریہ تمہارا عبدل! میں دیکھ لوں گا کیا ہوا ہے۔ اگر کئی کچھ آج آتا ہے تو مجھے آکر بتاؤ۔" اس نے نرمی
 سے ملازم کو بدست دی اور وہ اندر سے کھانے کے اندر چلا گیا۔
 "کیا ہوا؟"
 "کچھ نہیں! آج عدالت میں دلائل ختم ہو گئے ہیں۔ چاروں مرد فیصلہ آ رہا ہے۔ شاید اس لیے مخالف محب
 میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ عبدل کی بتا رہا تھا کہ اگر تین میڈر اور نیل بڑے پریشان ہیں کج۔ جھوٹ
 تم کھانا کھاؤ۔ یہ ہمارا وعدہ سر نہیں ہے۔ جس سے جو غم کیا ہے وہ اس کے انجام سے کیسے بچے گا۔" وہ سو
 فیصد یقین تھا۔
 "کتنی خاموشی کھانسی سے اسے دیکھتے گی۔
 "آپ کو لگتا ہے کہ اسے ضرور سڑے گی!"
 "ہاں ایک سو دس لاکھ اس کے خلاف ہیں! عدالتی 'نیل کی ہر زندگی کا دکھارہائی یہ بات ثبوت
 کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اور اس کا پھیل رہا تھا اس کی بدکرداری اور غصہ گردی سے کوا تھا۔ اس سے گھبرا
 ہوا تھا۔ اس کی چلنے والے کا غصہ ہے۔ تم نے سنا میں کہ اس نے دیکھی تھی۔ سن کو کئی بار غصہ کرتے کی
 نکل تھی۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ۔
 "نیل کی کینکری کے اور کتے ثبوت کا رشتہ آخر ہوا اس سے کتنے ہی ایک لوگ معاشرے میں زندگی
 بچتے ہیں! کھانا انصاف کی وہ تہ بیل کرتے ہیں کہ دیکھنا آپ کتنی چاہتے ہیں!"
 "کتنی غاس ساوے سنہرے ہیں! رکھنے کاں ہاں! کھانسی کی طرف تھی ہر طرف ہے۔
 سارا اس کی بات میں کھانا نکال رہا تھا۔
 "حالم ہمیشہ ضرورت سے زیادہ خوف ہوتا ہے اور اسے کبھی نہیں لگتا کہ کوئی اس سے بھی پوچھتا ہے۔
 یہ وہ اسے مگر لوگوں کا شیعہ ہے کتنی۔ غم کے لیے پوچھتا ہے کہیں پہلے اس کے دلوں سے خدا کا
 خوف! مگر خدا ہے نور ہے اتنے بڑے بڑے کیسے بھائے جاسکتے ہیں۔" کچھ جذبات ساہو کر وہ خاموش ہوا عدالت کی
 معصوم ہنسی! بھول بھال چلا اور اللہ کی شایعہ زندگی بھر بھی بھولے گا نہیں تھا۔
 "صبر! یہ ہیں لوگ جن کے دل میں ہوائی بربادی ہو رہی ہے۔ خوف خدا ہے۔" سارا کی توانا بھی بڑی تھی۔
 "اور وہ اس سے بدتر ہے! غصہ کو اس دکھ سے کیسے بچا سکتی ہے۔ جو وہ چاہے۔ وہ بعد نیل کو اس کی سڑک کے
 عدالت سے ہار آ کر دیکھ کر بھیلے گا۔" کتنی نے کھانسی سے لگائی تھی کہ ساتھ کتنی نے ہلکا ہلکا
 "میں چند دن اور کتنی بھی ہو کہ ہو کہ میں یہ لوگ! نیل اب بچتا ہے کسی بھی صورت!"
 "دیکھنا کاش!" کتنی نے خود کو کہنے سے روکا تھا۔



"تو یہ اہم تر ہے کہ وہ سبیل کا شے کا نشانہ
ہو گا ہے۔ تمہاری سبیلوں کا حلقہ تو کھانا وسیع
سے وسیع تر ہو گا جادہ ہے۔"

ابھی ابھی غالب بھائی اسے اس کی ایک سبیل کی
برقہ ڈالے، بھائی سے لے کر لڑنے تھے نور مگر اگر اپنی
حیرت کا غبار کر دے تھے وہی تھی وہ جن پر
فرنگیوں سے تحریم لے کر کرنا شروع کر دیا تھا کہ یہ
اس کی بہت اچھی سہیل ہیں۔

اس کی بچوں کی سبیلوں سے وہ غالب بھائی بھائی
کو تھے اس کی بہت فریغ کر رہی تھی تو جواب میں
کے گھر کا ایک فریغ مٹا رہی تھی۔ اس کا گھر بھی
قرب تھا نور کا وہاں کوں فیو بھی تھیں۔ تحریم کا
تو جان میں سے گھر نہ تو اور نہیں اپنی توجہ میں
مگر جب سے تحریم کل گئی تھی اس کی بہت سی تھی
سہیل ہیں مگر نہیں۔ اگرچہ بہت فریغ آ رہا
ابھی ابھی رہیں کوئی حاصل تھا لیکن اس میں سے گھر
سے قریب تریں کان میں داخل رہا تھا وہاں سے بچے
نہیں کی فین، شہر کے سڑکوں میں ایسے کی ہیں
ٹھہری مگر جو گھر سے سب کا صبر رونا تھا۔ کہ
ایڈوارڈ اپنی دوا کی غالب بھائی کے گھر میں تھی
پاکی۔

پھر وہ کوئی ملکہ بس کی ابھی خیم کے پیش
ہو گیا وہاں طوخی بھارے تھے لیکن مسئلہ تھا
سو جب گھر پہنچی تو وہی سبیلوں کے بل جانے کی
خبر ملے۔ جب وہیں رہیں کوئی نہ گھر میں رہنے
کا تاج ہوتا ہے۔ رہتے گھر پہنچی کسی سبیل کی برتہ

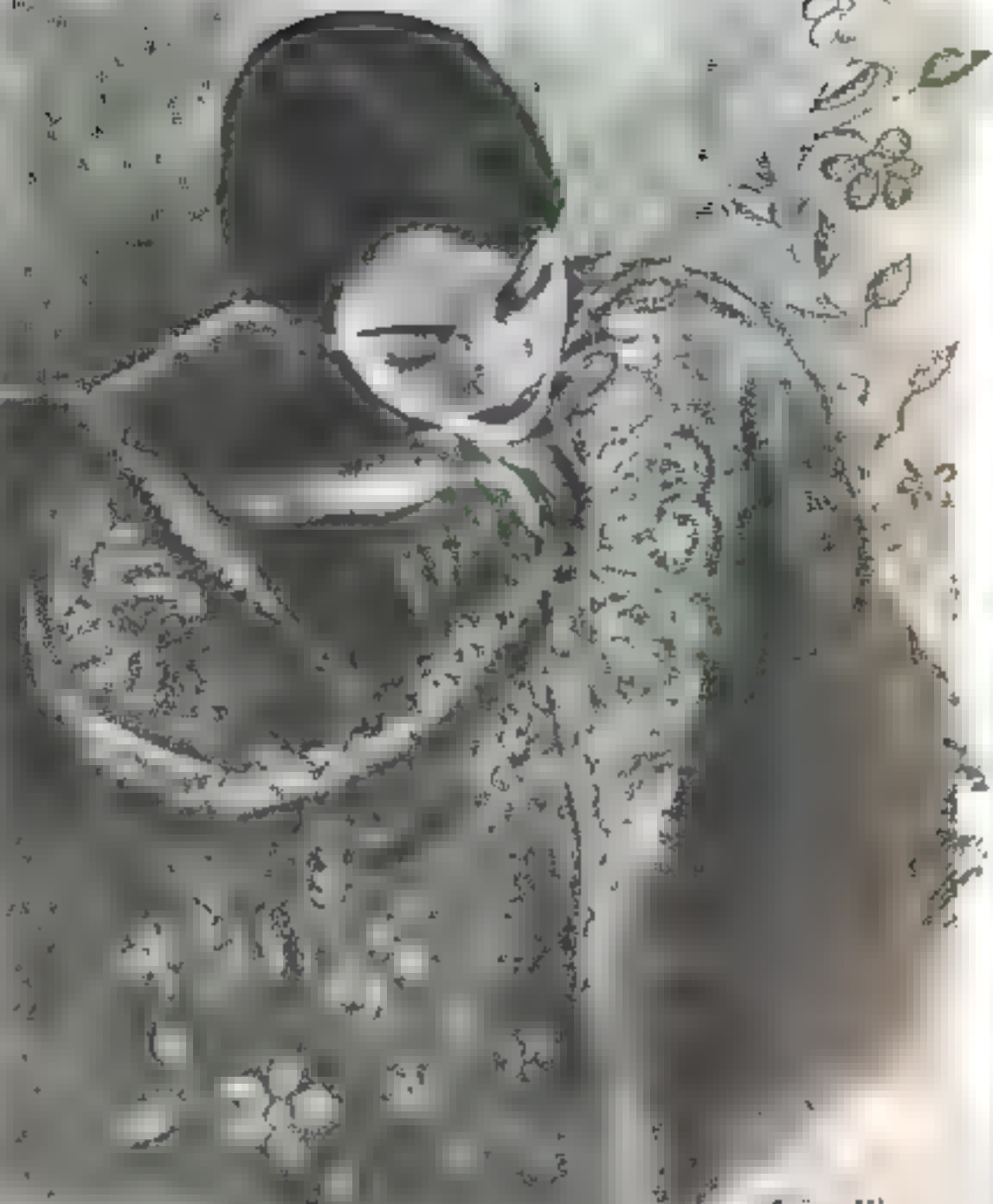
وہ سبیل میں وہ وہ ایک ایک کی طرف سے
تھیں کے گھر جانے کی اسے طبعی اجازت نہ تھی
ہاں اگر غالب بھائی ساتھ جانے پر تیار ہو جاتے تو ہاں
جاے اور زنت دوا کر رہیں۔ غالب بھائی بھی گھر
میں کی خوشی کے پیش نظر سے ساتھ لے لے لے لے لے
ابھی مگر کہیں کو ہاتھ نہ دے سکتے تھے۔
"مجھے تو ملتا ہے شہر کی تو می نہیں سے تو
وہی کا تھی بچی ہو گی۔"

"ابھی تو می نہیں سے میں اور اپنی آدمی نہیں
سے اور نہیں۔"

تحریم حاکم کی تھی سارے میں سے ملنے لگی
ہوئی تھی اس نے بھی جیسے ہوئے اس کی بہت کی تھی
کی۔

"ابھی ابھی میں اس کے گھر میں بھی ایک کانٹہ
لو رہا ہے۔" غالب بھائی اس پر بے تھے۔ اس
بشارت میں سے بھائی امر کی طرف تھا وہاں سے ہاں
بھی بکرا جاتا اور شہر کو موٹر سائیکل پر بٹھا دے اور وہ
گھر لے کر مجھ کو لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
چاہیے ہوتے ابھی کسی کی دکان کی عورت تو کسی کسی
کی گھر کی ملکہ میں شرکت۔ وہاں سبیلوں کی
موت کی ایک ٹوٹی کی ملکہ نہ تھی۔

اس میں کا بھائی اس سے زیادہ میں رہا تھا۔
تو کسی بھار نہ ہو کر نار بھی کرت لیکن تحریم گھر
کرنا کہ غالب بھائی ہیں خوشی سے کسی گھر سے اس
کی سبیلوں کے ہیں سے جیسے ہیں۔ بہت طبعی تھی
مگر سائی تو ہم سہیل اسے بہت عزیز تھیں۔



کامیابی سے تعلیم برائے کرتے ہوئے انور شری
جا پہلی۔ بہت سی سہیلیاں چھڑ گئی تھیں حتیٰ
سہیلیاں مزید بن چکی تھیں۔ پرانی سہیلیوں سے
نئی تھیں پر رابطہ قائم رکھتی تھیں۔ اس کے نزدیک
دوست بننے سے زیادہ دوستی بھائی ایم ہے۔ البتہ
نور اور شبنم قریب قریب گھر ہونے کی وجہ سے دوستی
کے ایسے ایلوٹ بندھن میں بندھی ہوئی تھی کہ
گزرے بارہ سال بھی اس کی دوستی پر کوئی فرق نہ اٹھ
سکے۔

ار شبنم پر چھائی میں ہیں وہ میاں لے رہے ہیں
اسٹوڈنٹ تھی۔ اس نے بی اے کے بعد تعلیم کو خیر باد
کہا اور گھر چلے کر امور خانہ داری میں مصروف حاصل
کرنے لگی۔ اسے خود تو شادی کا شوق تھا ہی گھر والے
اسے پادشہی سدھارنے کے لیے اس سے زیادہ بے
تاب تھے۔

رائیل اشرف اور شبنم کا دور پرے کا کرن تھا۔
یہ اس کا نصیب گھرو۔ تحریم نے ار شبنم کی شادی میں
دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اپنی مشکل ترین پر چھائی کو پس
پشت ڈالتے ہوئے اس نے چند دن صرف اور صرف
ار شبنم کے ہم کمرے۔ کبھی اس کے ساتھ بازاروں
کی خاک چھان رہی ہوتی۔ کبھی اسے لیے بیوی پار
کے چکر کاٹی۔ اس کے جیز کے گھڑوں کی بیلنگ نہیں
منہ دی کہ لے لے ار شبنم کے گھر کے بل کرے کی منہ
سی سہاوت۔ غرض ار شبنم کی شادی کا ہر کام تحریم کی
ہدایت پر چھیل کر پھانپا اور اس کی رہنمائی پر گھر کے
انچھے نیرہائے کہ دھن بنی ار شبنم کو خود اسے چپ
کہا تا پڑا۔ ہر گھنٹہ اور گھنٹہ ہو کر لاہور سے
میلوں دور شہر آکر جیسے چھوٹے شہر میں جا رہی۔

میں نے بعد وہ نیلے آلی تو میں 'ہاپ' بن جاتیوں
سے مل کر محبت تحریم کے گھر کا رخ کر لی۔ تحریم کا
ہاں نہ مل ہو گیا تھا اور کج کل گھر داری سیکھنے کی
کو شش میں ملان دہتی تھی۔

غالب چھائی کی چند سال چھڑ شادی ہو چکی تھی۔ ان
کی بیگم صاحبہ بھی بہت اچھی تھیں۔ انہوں نے

یہ اپنی پاری سی منہ کے لیے اپنے خالہ زکوٰۃ
انتخاب کیا تھا۔ شرجیل۔ سیکینکل انجینئر تھا
وہ۔ ہر بھی کے انتخاب کو سب نے سرا
خوب شرجیل تحریم کے دل میں بھی اتر گیا۔ اس
خوشی خوشی شرجیل کے ہم کی انگوٹھی ہاتھ میں چھائی
شادی چند مہینوں بعد ہونا طے پا چکی تھی۔ اس
ار شبنم کو فخر کا دیا کہ شادی سے ہزار ہند
پہلے اس کے پاس رہنے آجائے۔

چند دن پہلے ار شبنم اس کی بات میں گھر
سے لہذا ان میں فیس پڑی۔

"کیا اس میں جتنے کی کیا بات ہے۔ تمہارا
ہسٹ فرنڈ ہوں۔ تمہاری شادی پر میں نے بلا
کے چکر کاٹ کٹ کر اپنی جوتیاں گھسادی تھیں۔ اب
مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہیں ہر صورت
ہے۔ اس لئے ان بھرے لیے میں دعوتیں جملی۔

"تمہارا احسان خلیفہ ہمارا گریہ بھی ج ہے کہ
وقت جو تمہاری حیثیت تھی اس میں اور میری موجود
حقیقت میں بہت فرق ہے۔ اگر تمہاری شادی مجھ سے
پہلے ہوتی تو یقیناً میں ہی خوش و غلام شہر سے شرکت
کر لی جس طرح تمہارے میری شادی میں کی لیکن اب
میں ایک مذمور اور پیچور شادی شدہ عورت ہوں۔
میں نے تمہاری شادی میں شرکت کے لیے ہفت
بھی پہلے جانے کی اجازت مانگی تو میرے سرال واپس
کے طاق میرے سر پہ محترم بھی مجھے ایسی حیرت
تھیں گے کہ مجھے میں نے کوئی بہت اذیت پہنچا
ہو۔ ہر مل میں کو شش کہوں گی کہ شادی سے ایک
دن پہلے کچی جاؤں۔ ار شبنم کا جواب تھا کہ اس کا
"تم ٹھیک تو ہو نا ار شبنم کہہ ایل چلی تمہارے
ساتھ آئے ہیں نا تمہارا خیال تو رکھتے ہیں۔" اس
اپنی فکر چھوڑ کر ار شبنم کی فکر دامن گیر ہوئی۔

"پہلے پہل! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ رائیل بھی
ایں۔

ار شبنم نے فوراً لہجے میں بلاشت پیدا کر کے
اسے تسلی دی۔

آخر کار اس کی شادی کا وقت بھی قن پہنچا اس کی
آج بھی بھرہ گئیں مگر اس کی بچپن کی بھولی بھو
اسے ہنوں کی طرح عزیز تھی شادی میں شرکت کے
پہنچے تھی البتہ اس کی انور شری فیروز نے خوب مدد
میں مکران میں سے کوئی اور شبنم کی تو پوری نہ کر
سکا تھا۔

اسے ار شبنم سے کوئی شکایت نہ تھی وہ اس کی
بجوری سمجھ چکی تھی۔ اس کے شوہر کو بیوی کے
احساسات سے کھل غرض نہ تھی۔ اس نے محض ایک
سہیلی کی شادی میں شرکت کے لیے بیوی کو اتنی بار
بھینسا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ار شبنم نے اپنی اہی کے
اتھ اسے شادی کا تحفہ بھجوا دیا تھا اور اس کے سلی
نہ پر محض کا ایک سچ تھی۔

"شادی شدہ عورت کے لیے دوستی بھائی بہت
مشکل ہے تحریم! میری بجوری سمجھ کر معاف کر دینا۔"

نور اس نے ار شبنم کو تو معاف کر دیا تھا مگر انیل پر
خوب ہی تاؤ چھل ایسی ماکانہ فطرت کے موزنہ
گتے تھے اسے۔ شکر ہے شرجیل ہیسا نہ تھا۔ شادی کے
ابتدائی دنوں میں ہی اسے اس کی نرم طبیعت کا اندازہ
اچھی طرح ہو گیا تھا۔ اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔
دونوں میں ایک بہت مشترک تھی دونوں کے دوستوں کا
علقہ بہت وسیع تھا بلکہ اس بات کی طرف غالب چھائی
نے ہی توجہ دلائی تھی۔ کوئی سے زیادہ ہدایت
شرجیل کے دوستوں پر مشتمل تھی اور شادی کے بعد
وہ ان کا ایک نہ رہنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔
عائد ان والے تو پھر بھی ہلکے نہ تھے تھے شرجیل کے
دوستوں کی طرف سے دعوتوں کا سلسلہ ختم ہونے میں
وقت آگیا تھا۔ آخر کار اس نے تک اگر کہہ دی دیا۔

"پہلے شرجیل اپنی اہل بانی دوستوں سے معذرت
کر لیجئے۔ میرا وعدہ دعوتی کھانے کا تھا کہ اب سیٹ ہو
گیا ہے۔ اب گھر کا پا ہوا ہوا چھانکا کھانے کو مل کر تا
ہے۔" شرجیل اس کی بات سن کر فیس پڑا۔

"خیر وار لکی! ایسی کسی بات کی میرے دوستوں کو

تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ دعوتیں تو ہمیں ہر
صورت اینڈ کر لی ہیں۔ میرے دوستوں نے مجھے
وار تک دے رکھی ہے کہ میں شادی کے بعد بدل گیا تو
وہ میرا دشمن نہ رہے گی۔"

شرجیل کے انداز پر وہ بھی فیس دی تھی۔ وہ واقعی
دوستوں بھائی بھائی تھا۔ اس کے دوستوں
بہت وقت اسے رہتے اور ان کی بھرپور خاطر داری کا
سلان کرنا۔

تحریم کی چھائی نہ ساسد نے تو اس کی شادی کے
بعد ہاتھ بھر مٹا تھا کہ اب چھائی کے دوستوں کی
خاطر تواضع کے لیے ہر بھی آگئی ہیں۔ وہ اس کے
پتھر پئے اسے بچن سے لگتا ہی نصیب نہ ہوتا تھا۔
تحریم کو خیر شرجیل کے دوستوں کی خاطر داری سے
کوئی الجھن نہ ہوتی تھی۔ شرجیل کے اکثر دوست
چائے پر آتے اور کھانا کھا کر جاتے۔ تحریم نے بخوشی
بچن کی ذمہ داری سنبھال لی تھی بلکہ اس نے تو شرجیل
کے اکثر دوستوں کی بیگم سے خود بھی دوستی کا ٹھٹھل
تھی یہ اس بات نے شرجیل کو بہت خوش کیا۔

تحریم کو خود اپنے فیس ملے اور دوستانہ مزاج رکھتے
دلے کہاں سے عشق سا ہو گیا تھا۔ (دعوتی اسے بہت
خوب صورت لگتے تھے) فیس اور چند مہینوں بعد نئے
صہان کو خوش خیری کی پالی شرجیل خوشی سے بے جا
ہو گیا۔ تحریم کا پہلے سے لیا خیال رکھنے کا تھا۔

نئے شائع گئے آنے کے بعد تو گویا زندگی بالکل
نکل ہو گئی تھی۔ شائع دینے کا تھا کہ شرجیل کے بچا
زان چھائی کی شادی میں شرکت کے لیے اسے ملن جانا
ہو اس کی ماس غور نہیں سکھو دی کہ وجہ سے لہذا سڑنہ
گر تھی تھیں۔ چھائی بند کے ہر تھوڑے خود بھی گرم
سو سم اور چھوٹے بچے کی وجہ سے سڑتے بچکا رہی
تھی لیکن انہیں شرجیل کا نہ صرف کرن تھا بلکہ بہت
اچھا دوست بھی۔

شرجیل کو دوستی کا ملن تو رکھنا تھا۔ تحریم اور شائع
کو لے کر شادی سے تیس دن پہلے ملن کچی گیا تھا۔

شادی والا کمر مسالوں سے کھینچ کر بھاڑا تھا۔
 شاخ کو ریش کی جلوت نہ تھی سو نہ صرف خود بچے
 آرام ہو رہا تھا بلکہ دودھ کر خرم کو بھی پریشان کر رہا تھا
 اور سے جانی کر لی اور وہ شید تک کھڑے لسن چاکے کھر
 جزیئر کا انتظام تو تھا مگر جزیئر رابر کنڈیشن میں چلا تھا۔
 جس اور گری نے مسالوں کو عاجز کر دیا تھا۔
 چاکے کھڑے خود تیر کر رہے تھے کہ آئندہ کسی
 بچے کی شادی کے لیے ان قیوں کا انتخاب نہیں کریں
 گے۔ سہرورد شادی تو کسی طرح نہت ہی گئی اور جس
 دن ورنہ تھا اتفاق سے اس روز اس کے مہاں پر
 ارشیں کی کل آگئی۔
 بدقول بعد اس کی سہلی نے اسے یاد کیا تھا۔ شاخ
 سے پہلے خرم خود میٹے میں ایک "لہو ہار اس کو فٹن کر
 کے اس کی خیریت کے لیے تھی لیکن نئی بات یہ تھی
 کہ شاخ کے بعد وہ اس کے چھوٹے چھوٹے بھائیوں
 میں اتنی مصروف رہتی کہ کھڑواؤں کو فون کرنے کا اہم
 نہ ملتا ارشیں کا نمبر تو بعد میں آتا تھا۔ آج غیر متوقع
 طور پر ارشیں کی کواڑ سی تو بے ساختہ خوشی کا احساس
 ہوا۔
 "شاخ کے بعد تو تم نے بھلائی دو ورنہ مجھے
 اطمینان تھا کہ چلو تمہاری بدولت ہماری دوستی ایک
 طرفہ طور پر کسی پر قائم تو ہے۔ ہم تو مسرل
 بھنڈوں میں ایسے پھنسے ہیں کہ اپنی کمی خبر نہیں
 رہتی۔"
 ارشیں نے بے چارے مسرل کو بھٹکتے بھٹکتے
 عاجز آچکی تھی اور پورا اعتراف کرتی تھی کہ ان دونوں
 کی دوستی کا سلسلہ صرف خرم کی وجہ سے قائم ہے۔
 "شاخ نے ہی تو تاک میں دم کر رکھا ہے۔ ہم لیکن
 آئے ہوئے ہیں شادی میں اور وہاں کی گری میرے
 بیٹے سے بدداشت نہیں ہو رہی۔" اس نے ارشیں
 سے اپنی پریشانی شیر کر۔
 "تم لیکن تنہا ہوئی ہو۔" ارشیں تو سنتے ہی گویا
 اچھل پڑی۔
 "ہمارے دن ہو گئے ہیں گئے ہوئے اور ابھی لاہین

دن مزید رہنا ہے۔ اس نے کوئی دن ہو کر جو اس
 لیکن اس دور سے کے کل رشتہ دار بے ہمت تھے اور
 کی ساس کا اتنا ہر تھا کہ سب سے مل کر تھا ہے۔
 "تم میرے اتنے قریب آ کر مجھ سے ملے بغیر
 بلاؤ گی۔ شعلہ تیرا آخر لیکن سے دور ہی کتنا ہے۔"
 ارشیں اس کے لیکن میں موجود ہونے پر پرچی
 ہو گئی تھی۔ وہ لول کوٹے ہوئے اتنا عرصہ بھی تو ہو
 تھا۔ ہار شیں کی بات پر ایک لمحے کو چپ ہو گئی تھی
 تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں بہت بار یہ بات گئی
 کہ وہ ارشیں سے بھی ملے جائے لیکن پھر یہ سوچ
 اس نے ارشیں سے رابطہ نہیں کیا کہ کیسں اس
 سرسل والے اس سے اور شرجیل سے بے رخی
 پیش نہ آئیں اور ارشیں بے چاری کو شرمندگی نہ
 کرنا پڑے۔ ارشیں نے اپنے سرسل کا کچھ ایسا
 نقشہ کھینچ رکھا تھا کہ اس کے دل کی خواہش دل
 دہلی تھی مگر اتفاق سے آج ارشیں کا خود ہی فون
 تھا۔ وہ اسے پر اور طریقے سے اپنے ہاں آئے
 اجماع رہی تھی۔
 "لیکن راجیل جھلی اور تمہارے سرسل والے
 کیسں وہ۔" اس نے متذہب ہو کر کہہ دیا تھا۔
 "نہذا کا نام تو خرم ارجیل اب اتنے بھی پرے
 نہیں۔ میرے کیسں آتے جانے کے خلاف ضرور
 لیکن گھر آئے مسالوں سے بہت عزت و احترام
 پیش آتے ہیں اور تو اور میرے سرسل والے
 مسالوں کو فل پوٹوکل دیتے ہیں۔ وہ سہلی ہیں
 سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں یا ر۔ مسالوں کو تو
 کی رحمت سمجھتے ہیں۔ تم کسی خدشے کو ذہن میں
 مت۔ میں ابھی سے تمہاری کل کی دعوت کی تیاری
 شروع کر رہی ہوں۔ کل بدھ پر کا کھانا تم نے یہاں
 ہے بلکہ صرف وہاں کا نہیں تم نے رات بھی یہ
 رکنا ہے۔ تمہیں گھاس دیکھنے کا بہت شوق ہے نا
 جنہیں ساتھ والے گاؤں کی بھی سیر کرواؤں گی بعد
 ہم لوگوں کی زد میں نہیں ہیں۔" ارشیں نے جس
 پر رابر گرام ترتیب دے ڈالا۔

"رات رکنا تو خیر مشکل ہو جائے گا۔ میں یہاں پر
 کھانا کر رہے ہیں کھائیں گے اور شام کو واپس
 آجائیں گے۔" خرم نے پد گرام میں بدھل کر کے
 اسے آگے کیا۔
 "اچھا ٹھیک ہے۔ بلا اتم آؤ تو سہی۔ شرجیل جھلی کو
 میں خود سٹاپوں گی۔ تمہیں رات رکھنے دیں گے۔"
 ارشیں بہت مروجش ہو رہی تھی۔ خرم ہنس پڑی۔
 "شرجیل کی اجازت کا کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ تو ایک
 رات چھوڑ مجھ سے راتیں تمہارے ساتھ گزارنے کی
 اجازت سے دیں گے لیکن ہمارے پاس وقت کم ہے۔
 یہاں لیکن میں شرجیل کے بہت سے شعبائی عزیز بھی
 رہتے ہیں۔ ان سب سے مل کر جانا ہے۔" اس نے
 رسالت سے آگے کیا۔
 "اوکے چلو۔ ٹھیک ہے لیکن کل کا پد گرام تو پکا
 ہے۔" ارشیں نے اس کی بھوری سمجھ لی تھی۔
 "اس دن شام تھا۔"
 اس نے اسے یقین دہانی کرنا کہ وہاں
 اسی طرح تصویر کھینچانے کے لیے اس کے نام کی پارچہ
 رہی تھی۔ وہ میرے کے لیکن سے فراغت کے بعد
 اس نے شرجیل کو گل کے پد گرام سے آگے کیا تھا۔
 "تم نے مجھ سے پوچھے بغیر پد گرام داخل کر دیا۔"
 شرجیل نے اپنے سے بوجھل۔
 "تو کمپ نے کوئی شیخ تھوڑی کرنا ہے۔" وہ لیکن
 گھر سے بے میں نکلا۔
 "منع کرنے والی بات ہوگی تو ضرور منع کر دیں گے۔
 میں اتنی دور اور اتنی گری میں بھل خوار ہو کر کسی
 ایرے غیر سے ملنے نہیں جاسکتا۔"
 شرجیل کے سپانہ سے لہذا پر اس نے حیرت سے
 نہیں پہاڑ کر اسے دیکھا۔ شاید موسم کی گری اس
 کے دل پر بھی چڑھ گئی تھی ورنہ وہ تو بہت دیر سے لہجے
 میں بات کرنے والا شخص تھا۔
 "ارشیں میری ہیٹ فرینڈ ہے شرجیل! بچپن
 لڑکپن اور پھر بولانی۔ ہماری عمر کا بچا جھڑ ایک

دوسرے کے ساتھ گزرا ہے۔ وہ مجھے بہنوں کی طرح
 عزیز ہے اور پھر اپنے غلام سے اس نے مجھے انوائٹ
 کیا ہے میں کیسے اسے انکار کرتی۔" اس نے شرجیل
 کو رسالت سے سمجھانا چاہا تھا۔
 "نہ کو خرم ابے و قول کی باتیں مت کرو۔ تم اب
 ایک بچہ شادی شدہ عورت ہو۔ اپنے بچپن لڑکپن
 و فیوٹی و سٹیوں کو بھل کر تمہیں ذمہ دار بیوی اور بیوی
 ہونے کا بیوت دینا چاہیے۔ وہ سٹیاں بھانا لڑکیوں کے
 لیے شادی سے پہلے کے چوچلے ہو سکتے ہیں شادی کے
 بعد ایسی وہ سٹیوں کی قطع کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔
 مجھے حیرت ہے کہ تم نے ہائی ہی کیوں بھری۔ تم ابھی
 اپنی سہلی سے فون کر کے معذرت کرو۔ میں اتنا تھا
 ہوا ہوں کہ کل شکر اگل و فیو کے ہاں جانے کی بہت
 نہیں پڑی لیکن اہی کی تاکید تھی ان کے تو جانا پڑے
 گا تم انہاں سے پد گرام جیت کر رہی ہو۔"
 شرجیل کو فٹ اور چوری سے چاہب ہوا تھا۔
 خرم چند لمحوں تک اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی
 یا ایک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبر ہو گئی تھیں۔
 شرجیل کی اس پر نگہ پڑی تو اسے اپنے لیے کی تھی کا
 احساس ہوا۔
 "سوری یار! میں تم سے کچھ سخت بول گیا لیکن کیا
 کروں تم نے بات ہی اتنی بے گل کی تھی کہ میرا بیٹر
 گھوم گیا۔ شاید تمہیں اور گری کی وجہ سے میں پھر پوز
 کر بیٹھا۔ اس آگین سوری اور اپنی سہلی سے میری
 طرف سے بھی معذرت کر لینا کہ دن ہمارے پاس
 وقت کم ہے ورنہ ضرور آتے۔"
 شرجیل اب اسے اپنے مخصوص دھمے لہجے میں
 سمجھا رہا تھا خرم کے لیوں پر بھیکی سی مسکراہٹ پھیل
 گئی۔ اس نے دھم سے لہات میں سر ہلایا اور
 ارشیں کو معذرتی مسکراہٹ پکڑنے لگی۔
 وہ سٹیاں کرنا اور پھر انہیں بھوتا یہ یقیناً موبوں کا
 ہی وصف ہے۔ بہت بعد میں کسی مگر یہ حقیقت خرم
 کو سمجھ آگئی تھی۔



ایک کی زندگی

ہماری اہل خاصی پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ اسی کہ ایک مشہور و معروف کالج میں پڑھاتی ہیں۔ مگر ہمارے ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے باتوں باتوں میں مختلف طریقوں سے ہمیں وہی پچھلی صدی کی ماؤں والا سبق اچھی طرح سے ذہن نشین کرایا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ شادی کے بعد ہمیں جس گھر میں قدم رکھنا ہے وہاں سے ہمارے قدم ہٹانے نہیں بلکہ چار لوگوں کے کانڈھوں پر سوار ہو کر ہی لکھنا ہے اور یہ کہ جس اعلیٰ دارالخلافہ شخصیت سے ہمارے دوہل پر دیا ہے وہاں اس کے ہر قسم کے بول ہیں اپنے ہونٹوں پر چپ کا لکھنا اگر انتہائی شدید مشکل سے سننے ہوں گے اور جب وہ کوئی فرمان جاری کرے ہوں تو تک تک اوم اوم نہ کشیدم کی تصویر بن کر ان کی ہر بات پر آئنا صدقاً کہتا ہمارے فرائض میں شامل ہو گا۔ اس کے علاوہ سننے نہ پائے کہ عورتوں کے حقوق و درجہات مولد کے برابر ہونے چاہئیں کیونکہ مولد کی برابری کی خواہش رکھنے والی عورت نہ گھر کی رہتی ہے نہ گھٹ کی۔ مگر اور گھٹ والی مثال من کر ہمیں اپنا کب بہت ہی حقیر سا لگنے لگتا مگر ہم یہ سوچ کر صبر کر لیتے کہ محل و مزار ہونے کے لیے دفن کو خاک میں جٹائی پڑتا ہے۔

”جب اللہ نے عو کا درجہ بند رکھا ہے تو بیوی کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ ایک لہجہ بولے رہے تاکہ وہ سر اٹھا کر آئے شوہر کی طرف دیکھے۔ عو کی عزت کر کے

ہی عورت اپنے تمام ہاں سکتی ہے۔“

اہل گاہ یہ عجیب و غریب فارمولہ سن کر ہم پریشان ہو جاتے کہ اپنا کوئی مقام بنانے کے لیے ہمیں ہمیشہ ایک بیڑی اپنے ساتھ رکھنی ہوگی۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے فرمولے ہوتے ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاں انہوں میں سے ایک بھی ہے۔

اپنا تو ہمارے بچپن میں ہی ایک حلوے کا شمار ہو کر انتقال کر گئے تھے تو اہل نے ہمیں تو تھما ہی پروان پر حلوہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پروان تو ہم جیسے تھیں چننے ہی گئے مگر ہمارے سارے پر کٹے ہوئے تھے اور شخصیت کے سانس میں ہم بالکل دبو کر رہے ہوئے تھے۔ حالانکہ ہماری اہل خود تو بڑی دنگ قسم کی خاتون تھیں۔ جب کسی کی طرف اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھتیں تو وہ بے جاہ وہیں قسم کر رہ جاتیں۔ کم بختی تھیں مگر جب کچھ کہتی تھیں تو ان کا لہجہ ایسا ہوتا تھا جیسے کسی سخت گیر پولیس آفیسر کا ہونا ہے۔ اب بتائیں کہ ہمیشہ سے ہی ان کا انداز ایسا تھا یا اسکول بچوں میں پڑھا پڑھا کر ہو گیا تھا کہ جو کچھ بھی ایک بار کہہ دیتیں سننے والے کے پاس اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی اور چار نہیں ہوتا تھا تو ہم بے چارے تو کسی شمار میں ہی نہیں تھے۔

انہوں نے ہمیں انسان بنانے کے لیے بڑے جتن کیے تھے۔ یہ لوہہ پات ہے کہ ان کے انسان ہونے کے معیار تک پہنچنا کم از کم کسی انسان کے بس کا ہو گا۔ نہیں تھا اور پھر ہمیں انسان بنانے کے جتن میں وہ کس

شکر ہے کہ صابن سے منہ دھونے کی اجازت تھی! ورنہ منہ دھونے کے بعد ہمارا چہرہ جس طرح سے جھلکا اٹھتا تھا اس پر ہم یہ ہی خوف رہتا کہ ہمیں کسی روز صابن کے استعمال پر بھی پابندی نہ لگ جائے۔ یہ نہیں کہ یہ ساری پابندیاں صرف ہمارے لیے تھیں نہ خود بھی بہت سارے راتیں تھیں یہی تھیں۔ جنہوں میں ہی ہمارے اہل ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے تو اسی وقت سے انہوں نے لوگوں کی سب لگام زبانون کے خوف سے بالکل سلاہ رہنے کی عادت ڈال لی تھی۔ یہ تو بہت ہے کہ اس سادگی میں بھی وہ اس قدر خوب صورت لگتی تھیں کہ جو بھی ان کی طرف دیکھتا چند لمحوں کے لیے اس کی نظروں پر ٹھہر سی جاتی۔ ان کا دھڑا پٹا سر



اگر تمہارے تعلق احمد صاحب کا مثالی وجود ہمارے مستقبل کے تمام خوبیوں اور اراکوں کے درمیان اس طرح سے حائل ہو گا کہ آنے والی زندگی کا تصور کرنا بھی آسان لگے گا۔

”اتفاق دو سال کا تھا جب اخلاق احمد ہولائی نے ایک مقابلہ کیا تو وہ خوب صورت عورت کے چکر میں پڑ کر غمزدار کو طلاق دے دی۔ حالانکہ اس بے چاری نے تو بہت مدت سہجنت کی کہ وہ بے شک دوسری شادی کرنے پر غمزدار سے اپنا رشتہ ختم نہ کرے لیکن اس دوسری عورت کا یہ ہی مطالبہ تھا کہ وہ اسی شرط پر شادی کرے گی کہ پہلے اخلاق احمد غمزدار کو طلاق دیں۔“

ہماری لڑکی چلتے پھرتے روتا روتا ہمیں ہماری ہونے والی سسرال سے متعارف کرا رہی تھیں اچھے ڈانچوں میں پیچھے والی فطرت دار گناہاں یا پھلی دی ہوئے چلنے والے پخت و آواز سے ہم نکلنا نکلنا میں نے دلی مسکرات کی مدد سے اپنی آنکھوں کی زندگی کے لئے جاسٹس بن رہے تھے اور خود اچھے ہمارے تھے۔

”غمزدار نے اپنی ساری زندگی اتفاق کے لیے وقف کر دی۔ اسے اعلیٰ تعلیم دی، اپنی زندگی کی ہر ضرورت بہترین انداز میں مہیا کی تاکہ اسے بھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو اور اس کے خواب میں اس نے بھی ہمیشہ ایک سعادت مند اوراد کی طرح غمزدار کی ہر خواہش کا احترام کیا۔“

لڑکی ہمیں مسز ہولائی کی قربانوں کے بارے میں اس طرح بتا رہی تھیں جیسے ہمیں بتا ہی نہ ہو کہ ساری زندگی اولاد کے لیے وقف کرنا کسے کہتے ہیں اور انکے رہ کر اولاد کی تعلیم اور اس کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کیسے دن اور رات کا فرق بھولنا پڑا ہے۔ انہوں نے خود ساری زندگی یہ ہی کچھ کیا تھا۔ مگر اب مسز ہولائی کی جدوجہد کو اس قدر جذباتی اور عقیدہ مند سے بھال کر رہی تھیں جیسے انہوں نے یہ کڑا وقت نہ گزارا ہو۔

مسز ہولائی کے بارے میں تو ہم جان گئے تھے۔ ہم خود ان کے صاحبزادے جیسے سعادت مند ہیں۔ نہیں اس کا بچا چن ابھی باقی تھا۔ اتنی لڑکی پر اداری ہم نے بھی دیکھ لی تھی کہ اس بڑا جیسی شخصیت کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کے لیے بغیر کسی ہوشیار کے راضی ہو گئے تھے۔

”اتفاق بہت سلیجے ہوئے مزاج کا مالک ہے۔ اس سے بہت بار مل چکی ہوں اور بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ پھر بھی اگر تمہیں کسی بات پر اعتراض ہو یا اتفاق کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو بتاؤ۔“

اگرچہ ہم نے تمام تر باتیں طے کر لینے کے بعد جب ہم سے یہ سوال کیا تو ہمیں ان کے بھولنے پر بے ساختہ پیار آگیا۔ مگر نہ ہم اس پیار کا اظہار کر سکے نہ اس سے بدلے کے خیال سے اس کے گلے تک کر دیا اپنی انداز میں ہم ہم خیر مانا کیونکہ ہماری لڑکی کو جذبات کا اظہار پکا اور اوچھا لگتا تھا۔

جس طور سے ہماری پرورش ہوئی تھی اس کے نتیجے میں شادی کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہی ہونا چاہیے تھا کہ ہمیں اپنی مرضی کے کپڑے پہنے اور ہر جگہ آنے جانے کی آزادی مل جائے گی مگر اتفاق احمد صاحب سے رشتہ طے ہونے کے بعد ہمارے یہ معصوم خواب بھی خوف اور وحشت کے گئے جنگلوں میں گم ہو گئے۔

ہماری اب تک کی زندگی میں کسی مو کا حمل دھن نہ ہونے کے برابر تھا۔ اپنے آپ کو ہم ان کی بڑی سی فریم شدہ تصویر کی حد تک جانتے تھے جو لڑکیاں بننے کے لیے میں ایسے رولپے سے لگا رکھی تھی کہ اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر اس پر پڑتی لازمی تھی۔ لپا کے خدو خال کے علاوہ ان کی شخصیت سے توڑا بہت تعارف ان کی اس گفتگو سے ہوا تھا جو بہت خاص سوچوں پر مبنی نظریوں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیا کرتی تھیں اور جس سے ہم نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہمارے ابا بہت اس کچھ اور سنا سناتے تھے۔

وہ جسے بھی نئے ہماری زندگی میں کسی ایک یاد کی کرنی شامل رہے۔ اس کے علاوہ ان کے دونوں بھائی یعنی ہمارے بھائی تھے جو بہت ہی دیر سے ملنے میں جا رہے تھے اور کئی کئی سال کے بعد اگر کسی خاص صورت کے تحت اپنے ملک کا چکر لگانے پر مجبور ہو جاتے تو بس تھوڑی سی دیر کو ہمارے گھر آتے اور ہم دونوں میں اپنی کے سر پر ہاتھ پھیر کر ہمارا احوال دریافت کرتے اور اچھوں خائف ہونے کو انہیں طے جاتے۔ کلچر اور یونیورسٹی میں ہم منف مخالف کے ملنے سے بھی دور رہے کیونکہ ہمیں اپنی لڑکی کی آنکھوں میں چھپا خوف بخوبی نظر آتا تھا جو ہمارے ہوش جھلنے کی ان کے لاشعور میں بس گیا تھا اور جس کا اظہار وہ نہ چاہتے تھے بلکہ اکثر خوشامی باتوں میں کر رہی تھیں۔ اور اب اچانک بغیر کسی پیشگی وارننگ کے ان نے ہماری زندگی ایک ایسے شخص کے ساتھ منسوخ کر دی تھی جس کا عادی سر لہا ہمارے ڈاس میں صرف خوف چھایا تھا۔

شادی کے دن جس رفتار سے قریب آتے جا رہے تھے وہی رفتار سے ہمیں اپنا آپ کسی گہری کھال میں گرفتار محسوس ہو رہا تھا۔ ایک ایسے سفر کا آغاز ہونے کو تھا جس سے راہی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہر چند کہ ماں اپنی عادت کے برعکس آج کل ہر وقت ہم سے مخاطب رہنے لگی تھیں۔ مگر ان کی باتوں کا محور و مرکز وہی ذات ہوئی تھی جس کے خیال ہی سے ہمارے چہرے کی رنگت الٹی جا رہی تھی۔ غمزدار ان کی طرف سے ملنے والی غیر معمولی توجہ اور محبت ہمیں کوئی خوشی نہیں دے رہی تھی بلکہ ہم تو کچھ ایسی لڑکیاں تھیں جن میں الجھ کر رہ گئے تھے کہ ہمیں اپنی ماں کا گھر چھوڑنے کا حدم نہ بھی بھول گیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ بہت جلد ہماری زندگی میں ایک ایسا بادلا آئے گا جو ہمارے جس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہمارا دلخ ہر سوچ سے غاری ہو گا تھا۔

مگر ان کے چہرے پر نظر آتے تو وہاں طبعیت اور زبردست ہمت ہاتھ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رہتے۔

لگی تھی اور چشمان پر رہنے والی فکر و غم کی لکیریں غائب ہو گئی تھیں اور یہ ہی بات ہماری ڈھارس بندھانے ہوئے تھی۔ آنے والے دنوں میں انہوں نے اس چیز سے ہمارے جیز کا مسلمان اکٹھا کیا کہ ہم ان کی شاد غمچی بلکہ تھیں تریں انتخاب اور دن رات کی لڑکی تھک بھاگ دوڑ پر نہ صرف انگلیاں اپنے داغوں میں دھونے حیرت کا جتنا جائزہ مرقع بن گئے بلکہ ایک نئی فکر میں بھی مبتلا ہو گئے کہ اگر حیران ہونے کا سلسلہ اسی طرح جاری ہو ساری رہا تو کچھ عجیب نہیں کہ اس جناتی شخصیت کی زندگی میں شامل ہونے سے پہلے ہم اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے ہی محروم نہ ہو جائیں۔ مگر حیران ہونے کا یہ باب ہمیں بند نہ ہو سکا۔ ابھی حیرت کے اور بھی بہت سے دروا ہونے تھے یہ ہمیں اپنی شادی خانہ تہی کے بعد بتا چلا۔

ہمارے دل کے مرکز کے کی رفتار اس گاڑی جیسی تھی جو کسی مشہور سیاسی شخصیت کی رہائش سے متصل شاہراہ پر تھوڑے تھوڑے سے فاصلے سے بے ہوشے اسپید پر گزر رہی تھیں لے لے کر آگے بڑھ رہی ہو۔

بھولیں اور خوشبوؤں سے آراستہ کمرے میں ہم سہاگن روکے اس چٹھاڑ کے پتھر تھے جو اتفاق احمد ہولائی کی کمرے میں آمد کے بعد گونجتے والی تھی۔ سدھم روشنی مدھن پرور ماحول کے بجائے ڈرائی فیم کے منہ کی طرح لگ رہی تھی جس میں کسی بھی لمحے کوئی خوفناک وجہ کسی اندھیرے کمرے سے نکل کر حملہ آور ہونے والا ہو۔

اور پھر وہ بھی آگیا۔ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ ہم نے اپنی آنکھیں پوری قوت سے کھل کر کالوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

مگر خستہ پراٹھے اشتہا انگیز طو شیو انا

کہ۔ "وہ کسی قدر فکر مند نظموں سے اتفاق کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور اس لیے بالکل عام سی بات لگ رہی تھیں جسے اپنی اولاد سے وابستہ وراثی تکلیف کا بھی بغیر کچھ کے اندازہ ہو جاتا ہے۔
"مگر محی! ہمارے چلنے سے آپ بالکل اکیلی ہو جائیں گی۔" اتفاق نے انتہائی محبت سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم میرے اکیلے ہونے کی فکر نہ کرو۔ تمام موبلوں کی طرح اگر تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ عورت اکیلی نہیں رہ سکتی تو یہ خام خیالی اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے کسی موبل کے سلسلے کی ضرورت نہیں چاہیے وہ بھائی ہو یا بیٹا یا بھینس۔" اتفاق نے اکیلے رہ کر چھبیس اس قتل بنا دی تو آئندہ بھی اپنے دل بونے پر زندہ رہ سکتی ہوں۔"
معمولی سی بات نے اچانک کیا رخ اختیار کر لیا۔ اتفاق ہمیشہ کی طرح خاموش ہو گئے اور محی ایک جھٹکے سے اٹھ کر سرے سرے میں چلی گئیں۔
اور ہم بے چارے تک یکدم دم و دھن نہ کشیدہ۔



لھنڈی ہوائیں کوٹنے بچے مر سبز راستے شفاف پانی کا پتھروں سے گرنے سے پیدا ہونے والا شور بھو کسی خوب صورت موسیقی سے گم نہ تھا اور پھر اتفاق جیسے نرم و مزاج اور خیال کرنے والے شوہر کا ساتھ۔
ہمارا اپنی محنت عیسویاً "شد کی طرح بیٹھا اور چاند کی لھنڈی لھنڈی مدد گئی کی طرح صبح کو مرشار کر دینے کی حد تک خوب صورت تھا۔
سارا دن قدرت کے حسین نظاروں سے آنکھوں کو یہ اہم کرنا اور دولت کو ہر تک جاگ کر دنیا حاصل کی باتیں کرنا وقت کیسے گزر رہا تھا کچھ پانی نہیں چلا اور وہی کائنات قریب آ گیا۔

اس رات ہم نے اتفاق کی پسند پر ہلکے ہلکے رنگ کا نازک سی کڑھائی دلا سوٹ پہنا اور ان کے ہی کہنے پر

بال جن کی لمبائی اور خوب صورتی کا احساس خود ہم کو شادی کے بعد ہوا تھا کھلے چھوٹے تھے۔
سارا دن لوٹے بچے رستوں پر گھومنے کی وجہ سے کچھ طفلانہ کا احساس تھا اور اگلے دن واپسی کے خیال سے تھوڑی لوہی اور تھوڑی خوشی۔ ہمیں اندازہ تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد ہمیں اپنی عملی زندگی کا بالکل آغاز کرنا تھا اور یہ خیال ہمیں ایک بے باک بھراہٹ میں جھٹا کر ہاتھ محی کے منہ پر دھرتے ہوئے کی وجہ سے ہم اس وقت بھی حیراں ہوئے تھے اور اب جب ہمیں واپس جا کر ان کے ساتھ رہنا تھا تو ہم پر سوچ کر ریشم ہو رہے تھے کہ جب وہ اتفاق سے اس قدر مل جلے میں بہت کرتی تھیں تو پھر ہمارے ساتھ ان کا رہنا کیسا ہو گا۔

اتفاق بھی شام سے کچھ خاموش تھے۔
"آپ میرے ساتھ خوش تو ہیں نا؟" اتفاق کی بھاری توالا ہمارے کالوں سے گرائی تو ہم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ بھلا ان کو یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔
ان کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کی پرچھائیاں حیر رہی تھیں اور وہ اضطرابی انداز میں اپنی منہیاں کھینچ رہے تھے۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ ہم کتنے خوش ہیں۔" ہم نے بغور ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جہاں ہمارا جواب سن کر ایک پھٹکی سی مسکراہٹ آکر محسوس ہو گئی تھی۔
"ابھی تو ہماری زندگی کا آغاز ہوا ہے" آگے جا کر ہا نہیں کیا کی یہ خوشی قائم نہ سکے یا نہیں۔" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"آپ ایسا کیسا سوچ رہے ہیں؟"
اس بار ہم نے محی کسی قدر عجیبی سے سوال کیا تو انہوں نے آگے بڑھ کر ہمارے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔
"آپ کو محی کے میا کا تھوڑا بہت اندازہ تو ہو گیا ہو گا مگر آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا یہ رویہ

صرف میرے ساتھ ہے۔" باقی ساری دنیا کے ساتھ تو اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے ہی اس قدر پسند کی جاتی ہیں۔
ان کی توالا میں گہری لوہی گھل گئی تھی اور چہرے پر ایک کرب انگیز کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہم نے حیرت اور دکھ سے اس لیے چوڑے موکوں کھنکھاس کر کچھ کسی معصوم بچے کی طرح لگ رہے تھے جسے کسی ناگہان جرم کی سزا دی ہو۔
"محی ایسا کیوں کرتی ہیں؟" ہم نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تو انہوں نے ایک تھکے ہمارے ہاتھوں پر سے اپنی گرفت ہٹا لی۔
"کوئی شک میں اخلاق احمد ہر لائی کا بیٹا ہوں۔" انہوں نے ایسے کہا جیسے کسی بہت بڑے جرم کا اعتراف کر رہے ہوں۔

"جس وقت ڈیڈی ہمیں چھوڑ کر گئے تھے میں بہت چھوٹا تھا مگر مجھے اتنا یاد ہے کہ محی ہر وقت مجھے اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھیں شاید انہیں خوف تھا کہ ڈیڈی کیسے مجھے بھی اس سے چھین نہ لیں۔ وہ ہر وقت روٹی رتھیں اور راتوں کو جاگ جاگ کر لہلی کیا کرتیں کہ میں ان کے پاس موجود ہوں۔ مگر جب ڈیڈی نے پینٹ کر میری خبر نہ لی تو رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ مگر ان کا رویہ میرے ساتھ اس قدر جارحانہ ہو گیا جیسے میں ان کی بھی نہیں صرف اخلاق احمد ہر لائی کی اولاد ہوں۔ وہ اپنے رویے جانے کا انتقام دینا بھر کے موبلوں سے لینا چاہتی ہیں۔ کسی اور موبل پر ان کوئی اختیار نہیں تو صرف میری ہی ذات ان کی نفرت کا نشانہ بنتی ہے۔ مجھے پتا ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ انہوں نے میری ہر بھولتی سے چھوٹی ضرورت کو میرے کے ہاتھ پر رکھا ہے۔ میں اگر ذرا سا بھی بیمار ہو جاؤں تو وہ رات رات بھر جاگ کر دعا میں کرتی ہیں۔ مگر پھر بھی انہیں ہر لمحے یہ احساس رہتا ہے کہ میں اسی باب کا بیٹا ہوں جس نے انہیں کھنکھاس اس لیے چھوڑا ہے کیونکہ اسے ان سے خوب صورت عورت مل گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت یہ

ثابت کرنے میں لگی رہتی ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے بہترین ہیں اور وہ واقعی بہترین ہیں۔ اگر وہ ڈیڈی کو بھول کر اپنی زندگی جتنا شروع کر دیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئے اور ہمارا دل ان دونوں میں بیٹنے کے لیے دکھ سے بھر گیا۔

"اور آپ کو پتا ہے کہ محی نے میرے لیے آپ کا انتخاب کیوں کیا؟" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے فحبتاً "شاش" لہجے میں سوال کیا تو ہم نے ان کے بازو پر سے ہر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"کیونکہ آپ بہت خوب صورت ہیں اور محی کو یقین ہے کہ انہی حسین بیوی سے نظروں ناگرم کسی اور طرف دیکھ ہی نہیں سکتا۔" انہوں نے ہنسنے ہوئے کہا اور ہمیں اپنے اور قریب کر لیا۔

ہر شخص کو جس کے لیے ایک ہی زندگی باقی ہے مگر وہ لوگ جن کو اپنی عملی زندگی کے آغاز میں کسی مارے سے دوچار ہونا پڑے۔ وہ کبھی بے تحاشا محبت اور کبھی شدید نفرت کی وجہ سے دو سوالوں اور خصوصاً اپنی اولاد کی زندگی بھی خود جینا چاہتے ہی اور اس کو شش میں وہ کبھی کبھی اپنی اولاد کے ساتھ بہت زیادہ دل بھی کر جاتے ہیں۔

ہماری یعنی باضی کی ارم فاطمہ اور حال کی سزارم اتفاق کی زندگی کی دو اہم ترین خواتین ایک ہماری ہیں اور دوسری ہماری ساس جو اپنے اپنے خیالات کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہونے لگے بلکہ خود اس قدر مماثلت رکھتی ہیں کہ ایک نے اپنی ساری زندگی کو دنیا کے خوف اور دوسری نے موبلوں سے نفرت کی نذر کر دیا اور اپنے اس خوف اور نفرت کا سارا بوجھ اپنی اولاد پر ڈال دیا۔ مگر ہم یہاں سے واپس جانے کے بعد جب اپنی عملی زندگی کا آغاز کریں گے تو ہماری کوشش ہوگی کہ ہم چاروں کی زندگی ہر خوف اور نفرت کے جذبے سے آزاد ہو کر خوشیوں اور ایک دوسرے کے احترام سے بھر دیں۔

عالمی ادب

”۳۔“ اس وقت تک کہ وہ ہوتی ہے یہ بچہ اتنی دلدل اور دہشت ناک تھی کہ آسیر بکن کا دروازہ کھولتے کھولتے پٹ آئیں۔
”اسی خیر! اس کا کراہی قدم کے فاصلے پہ تھا۔ آسیر نے تیز کام کی طرح چانچ تھکوں میں پاتا۔“
”کیا ہوا؟“
”اپنے بیل پر دھکتے کی کیفیت میں تھی۔ آسیر نے حواس سنبھال کر یو چھل ساتھ ہی چمارا طرف نظر لیں

نکرو لٹ

محمدا میں۔ سب کچھ ٹھیک تھا، ہم اڑ کم حواس باندھ کر دینے والا کچھ نہیں تھا۔
”میں پوچھ رہی ہوں، جنہیں کہیں ڈاکوئی چھل و کچھ لی تھی کیونکہ اس کا سکتہ ٹوٹنے میں نہ آیا تو انہوں نے چھٹا جھٹکے ہوئے سا قہقہہ اسے جھجھوڑا۔“
”ہیہ۔“ کہتے ہوئے اس نے آسیر سے سلسلے دیکھی تار ماک پر کینیکل ٹوٹ چکا تھا، اس کے سامنے کر دی۔
”شکل مدد دینے والی ہو رہی تھی۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے آسیر نے ٹوٹ چکا کے کھلے درج پر خالص اشتعال سے نظر دوڑائی۔ جس پر مشہور زندہ کھلونوں ڈھنگ ڈک بے حد صدمہ سے ہل گیا تھا۔“
”یہ تم ہمارے نہیں؟“ نہیں فی الغور غصہ آگیا، یعنی مینڈیک کی سخت پر سوالی کا بھانسا اندر نکلتی رہی۔



کوئی مذاق تھا اس کی پرکھنے کی ٹوٹ بیک نہ کر دی تھی۔ اگر وہ چمک کے بغیر مس مائشہ کو تھا آئی تو آگے کا مشر سو پتے سے پہلے وہ شہسوار کی خیالی درگت بنائے لگی۔



”آج اسد کا برتھ ڈے تھا اور پیشہ کی طرح وہ لاؤنج میں صوفے پر او اس بیٹھی اسد کی جدائی کے دلوں کا اعلو و شمار کرتے میں معمول تھیں۔ جب جمیل صاحب ہاتھ میں موبائل تھا، تیزی سے داخل ہوئے۔

”پچھلے بات کیجئے اپنے لاڈلے سے ہم سے تو بھی غیور کی طرح ہوں ہاں کے علاوہ کچھ اور کہنا شان کے خلاف سمجھتا ہے۔“ شائستہ کا چہرہ تن کی تن میں کھل گیا۔

”صاحبزادے کے لیے تو مایہی آپ ہیں اور ڈیڈی بھی آپ۔“ لہندی آہ کھینچتے ہوئے جمیل صاحب صوفے کے کنارے پر چائے شائستہ کے لیے اس طنز کی کیا امید و حیثیت تھی جب اسد ہلت کر رہا ہو۔

”اسد میری جان۔“ ضبط کرتے کرتے بھی لہجہ دوکھا ہو گیا۔

”اسلام علیکم مہما۔“ ایسی ہی تھی۔ ”اسد کی بھرپور موانہ کو از متا کی شکل پوچھا گی۔“ پیشہ کی ہوتا تھا بہت کر کے خوش و طبع ہونے کے بجائے اور بے چین و مضطرب ہو جاتی تھیں۔

”و علیکم السلام۔“ جیتے رہو خوش رہو۔ لب یاو آئی ہوں۔“ لگا سا شکوہ اسد کے قہقہے میں دب گیا۔

”صوفہ۔“ آپ کو یاد کرنا چاہیے تھا۔ آخر کل آج کا دن میرا ہے۔“

”کب کیوں۔“ کتنی بار تو خوشی کی گرتن ہی نہیں مل رہی تھی۔“ حسب عادت پشیمان ہوئیں۔

”مہل لو کہ آپ کریں میں کون ایک ہی بات ہے۔“ شائستہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسد کے

پھولنے پھولنے میں انہیں دانا کر دیتے تھے۔ جمیل صاحب وہی کے چہرے سے جذبات پرستے ہوئے مفلوج ہوئے۔

”آپ طبیعت کیسی ہے۔“ اچانک ہی اسد کی طبیعت یاد آئی۔ اسد کو دن پہلے بخار ہوا تھا۔

”آپ تو بالکل ٹھیک ہوں مہماؤ و شوری۔“

”کیسے نہ فکر کروں اور خیال میں رکھتے ہو اپنے۔“

خفگی سے کہتے ہوئے جمیل صاحب کو بھنویں سکوا کر دیکھا۔ ”بالکل اپنے ہاپ جیسے ہو لاہور اور ست۔“

جمیل صاحب نے ضرورت سے زیادہ آنکھیں پھاڑ لیں۔ ”مسکین ڈواخو لا گنگو کے بچ پکڑ گئے تھے۔“

”ہاں نہیں کب واپس آؤ گے۔“ آج کل ”آج کل“ سننے سننے لگتے سنل ہو گئے ہیں۔

”گو شش ڈگر رہا ہوں مہما۔ آپ بس دعا کریں۔“

”مساری دعا میں تمہارے لیے ہیں۔“ شائستہ کا لہجہ محبت و شفقت سے منسوب ہو گیا۔

”تھوڑی سی شہسوار کے لیے بھی بچا رہیں۔“

جمیل صاحب کی مٹیوہ پیرا ہٹ اتنی تیز تو ضرور تھی کہ شائستہ تک پہنچ جائے۔

”گناہ مال رکھا ٹھیک ہے۔“ لہذا حاذقہ۔ ”موبائل تک کر کے جمیل صاحب کی طرف پوچھتے ہوئے شائستہ نے حسب عادت انہیں گھورا۔

”آپ کا بھی جواہر نہیں بیگم صاحبہ! شائستہ نے آنکھیں سکوا کر ناگواری سے دیکھا۔

”شہسوار بھوت نہیں کتا۔“ لعلی ایک کی ہو۔ آپ مارے گھر کو سمیٹ لیتی ہیں۔“

شائستہ کی برہمی میں اضافہ ہو گیا۔ جمیل صاحب جانے جو جتنے شرارتیں تیار رہے۔

”جیسے آپ۔“ طبیعت کا خیال آپ کا بیٹا نہیں رکھتا اور داری نہیں اسے باپ سے۔“

”توبہ ہے۔“ تنگ آنکھ کھڑی ہو گئیں۔

”درا سی بات پکار کر جنہ گئے۔“ پورے کے پورے عورتوں پر گئے ہیں۔ ”ناگواری بھری پیرا ہٹ جمیل

صاحب کو چلانے پر مجبور کر گئی۔

”مہما! مجھ سے۔“ میں عورتوں پر۔ لا حول و لا قہر ہاں۔

تو اس میں بیٹا ہے۔

شہسوار کی خیالی درگت زیادہ دلوں تک نہیں پہنچا پڑی۔ وہ دن بعد وہ سانسے قلعہ عہدہ نے ضرورت سے زیادہ باجیں پھیرا کر استقبال کیا تو اس کا ہاتھ نہیں پھٹک گیا۔

”چائے۔“ خالی مسکراہٹ میں آگے مل رہا لہذا لہذا کر زبردستی کی مہمان نوازی پر اترا آئی تو شہسوار کے دماغ میں ہنگامی سائن کو بجنے لگے۔

”کب نہیں۔“ میں۔ ”وہ کچھ کتنا چاہتا تھا بھر کتنے ہی نہیں دیا گیا۔“

”کیوں نہیں۔“ میں ابھی با کر لائی۔ ”وہ بھپاک سے کچن میں جا چکی۔“

”گڑبہ سے شہسوار بیٹا۔“ میلے۔ بکن کے میلے دروازے کو منکوک نظروں سے گھورنا رہا۔ پھر جب آنکھوں کے سامنے چائے میں زہر کی پڑیا لائی علامہ برائی تو دل کر علامہ کے سر۔ جا پھلکا وہاں چوبیس گھنٹہ ۱۱ بجے۔ چینی ایک ساتھ کھینچی میں اٹل رہی تھی اور علامہ اسے کپ میں ڈالنے کے لیے سانا سانا سے لیس کڑی تھی۔

”یہاں کیوں آ گئے؟ میں بس لای رہی تھی۔“

لہجے میں شیرینی ہی شیرینی تھی۔ خالصتاً ”لن بیویوں بھی بھنیں خواہش پوری کروانے کے لیے ان افساروں کا استعمال کرنا بخوبی آتا ہو۔ شہسوار کو اس پاس ہی نہیں ہیٹ میں بھی گڑبہ محسوس ہونے لگی۔

”چائیں باہر بیٹھ رہتا اور یہاں تم چائے میں ڈی ڈی لی ڈچو ہے۔“ وہ آنکھوں لیتیں؟ میں یوں ہے خبری میں اپنی جان دینے والا نہیں ”شکل سے ضرور شریف اور معصوم لگتا ہوں مگر۔“

”چائے۔“ اس کی نین اسٹاپ خدشا کی اور جلد ہی

تقریباً عہدہ کی فراہمیت تھوہ گئی۔ چائے کا لباب کپ میں اس کی آنکھوں میں سانسے۔ لے آئی اس کے روٹھنے لگے ہوئے یہ گرم گرم چائے پھٹک جاتی تو منہ قلعہ منہ ہو جاتا۔

”آئی لم مہما سے صرف تم ہی سوچ سکتے ہو۔“ میں میں ٹیک مٹی سے چائے پلانے لگی تھی۔ تمہاری طرح خوب کاری کرتے کا نہ شق ہے نہ عادت۔

”کپ اگلی تک خطرناک پوزیشن میں قلعہ شہسوار نے آنکھوں کے ڈیلے گھما کر عین سامنے کسی بندوق کی طرح تنے کپ کو دکھانے پھر اس کی دلوں میں ابھرنے میں سو کر مل کی سوار کھل کر رہا تھا کپ پکڑ لینے میں کوئی قیامت نہیں۔“ مگر دماغ کے سائن ہنوز بچ رہے تھے۔

”تمہیں پتا ہے مجھے چائے کے نام پر یہ طغیہ پنا بالکل پسند نہیں۔“ میں صوبہ چائے بننے کا عادی ہوں۔ ”اس نے بچ کی روٹھانے کی لولی تھوڑی کو شش کی۔“

”خمس بھی پتا ہے مجھے چائے کے نام پر یہ طغیہ پنا پسند نہیں۔“ اس کا بے صوت اشارہ اس کی پشیمانی چائے کی طرف تھا۔

”میں ۱۱ بجے تھی ہوں اور طغیہ بنا کر جاتی ہوں اور مت بھوہ پیشہ تمہیں بھی پکڑ لاتی ہوں۔“

کہنے کے ساتھ ہی نہایت سفاکی سے اس نے پریج کو ایسے عین جھٹکے دیے کہ اس پر رکھا کپ تو چھلکا ہی شہسوار کھول بھی ملق میں آگے عذاب کی موت مرنے سے بہتر تھا چائے کا کپ لے لیا جائے۔ اگلے بل رایت شرافت سے کپ تھا علامہ نے ہاتھ ہاتھ جھاڑ کر اس کے جلے جی کو مزہ سچ دکھائی۔ کینہ تو نظروں سے اسے گھورنے کے بعد چائے کا پڑسا گھونٹ بھرا اور اگلے ہی بل فوارے کی طرح باہر نکل دیا۔ علامہ ہونٹ سکوا دے ”آنکھوں میں شمع کا نشہ لیے سچیدگی سے گھورتی رہی۔“

”جھانکی چوچہ گہری جھوٹو لور اپنی دھن سنو“ مجھے گھر
 مٹی جاتا ہے۔ پئے ہی دیر ہوئی۔ ”علیہ نے ثبوت
 کے طور پر دو چادر بنائیں بھی لے ڈالیں۔ اسی دن گلا
 کھنکار کے دھیمے سے گٹھار کے سر چھیننے ہی لگا تھا کہ
 وہ چلائی۔

”مگر بڑی کا جو متروک ہو چکا ہے میرا کب۔ پھر
 سے دیکھی دھن تو نہیں ملتی؟“

شہسوار کو گٹھار بجلا بھول گیا۔ پیشہ ہی رنگ میں
 بھنگ ڈالنے والی زبیں بولتی تھی وہ۔ وہ پوری طرح سے
 ناراض ہو گیا۔

”کسم سے سن کر ایسے لگتا ہے جیسے میرے اوگرو
 بدد میں تلخ رہی ہوں۔“

پھوسلے ہوئے منہ کے ساتھ شہسوار نے گٹھار لپٹیں
 رکھ دیا۔ علیہ کی انہی بھی زہر بگ رہی تھی۔

”سودی سودی سودی۔“ انہی ضبط کرتے ہوئے
 اپنے کان بکڑ کر ایک ہی لفظ کی گڑبان کرتی وہ اس کے
 قریب پہنچی۔

”ہرگز نہیں۔ جاؤ اسب۔ جسیں دیر ہو رہی
 ہے۔“ وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

”گھانا سودی مذاق کر رہی تھی۔“

”مجھے پاس رکھو اپنا سودی“ مجھے نہیں چاہیے
 جہاں میں اپنے دل کی بات کہنے لگوں، ”جسیں مذاق
 سوچ جاتا ہے۔“

”آئندہ نہیں سوچے گا۔“ مٹی سے کھوٹا گٹھار اٹھا کر
 اس کی گود میں رکھ دیا اور مزید لجاجت نہ کھائی۔

”عجب مان بھی جاؤ“ نہیں تو مجھے ساری رات غینہ
 نہیں آئے گی۔ ”گٹھار قہم کر شہسوار نے اس کی پریشان
 صورت دیکھی اور اس کی چھوٹی سی ناک چھینچ کر گولا
 بدل چکا۔

”میرا یہ سوگ کھمارے نام ہے۔“

دھن بھینٹنے سے پہلے اس نے ملایوت سے کہل
 ہدیہ کی جان میں جان آگئی۔



محبت کا یہ ان کا احساس کسی خود پودے کی طرح

کب ان دونوں کے دل کی نش پر ہوا ان چہ چا اور کیسے
 اس کی آہاری ہوئی ”انہیں نہ تو خبر ہوئی اور نہ ہی
 جاننے کی خواہش تھی۔“ اس کی کالی تھا کہ وہ ایک
 دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے تھے۔ ان کے
 بڑے بھی اس محسوس محبت سے کھٹکے ہوئے تھے۔
 دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری تھے نہ
 بہت بچپن میں ہی سب کو سمجھ گئے تھے۔

جب اسد اور شہسوار اپنے گزریا دوستوں کے ساتھ
 کوئی کھیل کھیلتا تھا تو علیہ بھی پہنچ جاتی۔ گھر میں
 وہ ایک ہی جی تھی۔ اس پاس بھی اس کی ہم عمر کوئی
 لڑکی نہیں تھی۔ ایسے میں شہسوار اور اسد سے قریبی
 رشتہ ہوئے کی بنا پر وہ جب اس میں شامل ہونے کی
 خواہش کا اظہار کرتی اسد و گلوں سے ہن جاتا۔

”اگر کوں میں کھل آئی ہو؟“ جسیں یہاں کوئی لڑکی
 نظر آ رہی ہے؟ ہم نے نہیں کھلایا نہیں۔“ یہاں غلط
 موت کے وہ اپنی عادت سے مجبور غصیلے لہجے میں کہتو
 علیہ کی سٹی وہیں گم ہو جاتی۔ اسد سے مرغوبیت کی
 وجہ سے ہلی بچے بھی اسے کھلانے سے انکاری
 ہو جاتے۔ وہ ایک طرف آنکھوں میں آنسو ہرے
 بڑی اس سے انہیں دیکھتی رہ جاتی۔ تب شہسوار اس کی
 اتنی صورت اور کئی آنکھیں دیکھ کر نرم پڑ جاتا اور
 اس کے ساتھ کھینے کے لیے دوستوں کو چھوڑتا۔ اسد
 اور بلی بچوں کے ہاتھ ذوق آ جاتا۔

”یہ بڑا ہو کر لڑکی بنے گا۔“ شہسوار ڈرا بھی نہ جتا پھر
 اسد خود چ جاتا۔ کبھی علیہ کی شامت اس کے ہاتھوں
 ہو رہی ہوتی تو کبھی شہسوار کی خواہش اور گستاخانہ ہوتی۔

شہسوار سے ہی وہ بہت گھڑی اور طوطے سے بہت
 قہار مان بپ کی محبت پر صرف اپنا حق جتلاتے دلا۔
 شامت اگر شہسوار کو اس کے سلانے ”میرا چاند“ میری
 جان کہہ کر پکار نہیں تو وہ شامت سے ملتا تھا ناراض
 ہو جاتا کہ آپ نے شہسوار کو میری جان کیوں کہا؟
 کیوں نہیں کہا؟ میں پیشہ ان دونوں کے لیے ایک
 جیسے کپڑے اور کھلونے لاتی تھی۔ اسد اس پر بھی
 اعتراض کرنا پھر وہ مختلف لالے لگیں تو اسد کو شہسوار کی

جس پسند آتا نہیں مگر تب بھی اپنی چیز پر قابض ہونا
 ہی۔ اس کی بھی تنہا یہ کہ اس کی خدمت میں شامت
 سے بھی پس و پیش سے کام نہیں لیا تھا۔ ایسا کرنے
 میں وہ شہسوار کے ساتھ کتنی زیادتی کر جاتیں یہ احساس
 جیل صاحب کے بار بار دہانے پر بھی نہیں نہ ہوا۔
 تنہا اسد خود سر اور ضدی ہو گیا تھا۔ شہسوار کی
 چیزوں، کھلونوں پر ملکیت قائم کرنے کے بعد انہیں
 اپنے پاس بھی نہ رکھتا۔ توڑ پھوڑ نہ کیا کسی اور کو دے
 دیتا۔ مگر شہسوار کی اس سے رہنے دیتا۔

کئی بار اسے قصور شہسوار کے سر چھوہ کر اسے
 باقاعدہ سزا دے دیتی۔ شہسوار بھی بچہ قہار پہلے بہت معلوم
 ہوتا تھا۔ کتنی بار کھیل کیر جتا پھر شامت اور قہار
 صاحب اسے کسی نہ کسی طرح سے رہنمی کر لیا
 کرتے۔

بہت نامعلوم طریقے سے علیہ شہسوار کے
 چھوٹے مولے دیکھ اپنے دل پر لیے لگی تھی۔ اسد جو
 کھلوتا شہسوار سے چھینتا۔ علیہ وہی کھلوتا شہسوار کی
 برتھ ڈے پر اس کو گفٹ کر رہی ہوتی۔ اسد شہسوار کو
 مارنے کے لیے پلٹا علیہ حال میں جاتی۔ وہ عدو کو
 دھکیلتا تو شہسوار اسے سنبھالنے کو آگے بڑھتا۔ یوں
 اسد کے لیے علیہ بھی وہ چیز ہو گئی جو شہسوار کے نہیں
 اس کے پاس ہوتی چاہیے گی۔

اب وہ ضد کرنا علیہ میری بار نہ رہنے کی۔ علیہ
 بدک جاتی۔ پھر زور بکارت کرتی اسد شہسوار کو دھمکا تا۔
 ”یہ میری نہیں بنے گی تو میں ہمارا گا اسے۔“
 کھن اس خوف سے کہ اسد علیہ کو مارے نہیں
 شہسوار خود علیہ کی منت کرتا۔

”میں ملتی کی بار نہیں جاؤ۔ میں لوہو نفل بار نہیں
 جلتے ہیں۔“

لوہو صرف شہسوار کی خاطر وہ اسد کی بار نہیں جاتی۔
 یہ الگ بات تھی ان کے درمیان واقف ہونے کہ ایسا
 کرنے سے وہ دونوں بے توکلی سے کھینچتے تھے۔

یوں وقت گزرتا رہا۔ بچپن دور ہو گیا علیہ اسد کی
 ضد شہسوار کا صبر اور علیہ کی بھجلاہٹ پر قرار رہی۔

یہاں تک کہ اسد اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گیا اور وہیں
 کام کر رہا گیا۔ شہسوار اور علیہ کے وہاں میں نمونائے
 محبت کے خود دو پودے کو جڑیں پھیلانے کے لیے
 فضا موقوف مل گئی۔



اسد کی تد کے دن بھی آگئے۔ شامت کو سر پر اثر
 نہ تھا چاہتا تھا مگر شہسوار نے سختی سے منع کر دیا۔

”ہام اتنی خوشی سنہل نہیں پائیں گی۔“ شامت کی
 ہوتا کا ہر رنگ اسد نے نہ کھاتا اور اس کے مزاج سے
 آشنا تھا شہسوار۔

اسد غیر تنہا کبھی طور پر مان گیا اسے اپنے پرستار سے
 جیل صاحب اور شہسوار اپنے گئے تھے اور اب وہ خوں
 آگے پیچھے دونوں میں داخل ہو رہے تھے۔ جہاں شامت
 ابھی بھی چار اطراف بخدا نہ جائزہ لینے میں مگن
 تھیں۔ گھر کا نقشہ بدلا ہوا تھا۔ اس کی پسند ہر شے پر
 غالب تھی۔ شامت نے خود بھی اس کے پسندیدہ رنگ
 کی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔

”ہمارا آپ یہاں ہیں میں سمجھ رہا تھا بھائی کے
 استقبال کے لیے گیت پر آجائیں گی۔“

شامت نے شہسوار کا مذاق سنا کھل۔ وہ ٹوٹیک ٹک
 اس کو دیکھے جا رہی تھیں۔ قاتل رشک قہر قہمت
 رکھش خندو خل، ”جیتی لہاس۔ شامت کی آنکھیں
 برسنے لگیں۔

”مرے ماما ایسا رو تا یسور تاو یلم؟“ اسد نے ہنستے
 ہوئے انہیں خود سے لگایا، ”کھل کر روئے لگیں۔“
 اسد اس کے سر کو نرمی سے سسلائے لگا۔

”میرا بڑا گیا؟“ وہ اسد کا چہرہ انھوں میں لے کر
 جیسے خود کو نہیں دلائے لگیں۔

”ہاں گل مہر دا کا پور لہ۔“ لوہو مماندہ رو کسے دوس۔
 آپ نے تو دوا دے دی تھی روک پھا۔“ وہ لوگ ابھی
 لڑکی کے دوا دے سے آگے نہیں بڑھے جب اسد
 کے احساس لانے پر شامت اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے
 آئیں۔

میری حالت۔ اسد نے ہاتھ شانت کے گرد پھیر کر کے گویا اپنے کھنے کی تھوڑی تھوڑی ہے۔

جیل۔ صرف تمہاری ممد۔ شانت بدلتے ہوئے ہنس دیا۔ جیل صاحب نے فوراً شہسوار کو ایک کھنکھارے ہوئے ہنسنے کے پیادے کے علاوہ ہاتھ اس کے چہرے پر محبت کے علاوہ کسی قسم کے اثرات نہیں تھے۔

جیل صاحب اس کے ہنسنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیل صاحب نے تھوڑے تھوڑے ہو کر شہسوار سے گل میں سر کوئی کی۔ لاوار سے ہنس دیا۔ تب اور دھڑکی سوچنے کے بجائے یہ دیکھیے کہ جیل تھے وہ نہ سمجھ کر لگے ہیں بچے نے بھی نہیں جانتے تھے۔

جیل صاحب نے تو ہے۔ اس بار جیل صاحب نے غریہ کر دی تھی۔

اسد سے شانت کے لیے اسید اور دھواں تو اس طرف چلے گئے۔ علیحدہ تپ گئی جب اسد کے اعزاز میں دوست اجنبی کو پانی دی گئی۔ اسد مٹھن کی زبان سے ہوا تھا۔ خاندان کی لڑکیاں شہسوار کی کھیلوں کی طرح اس سے چٹکی ہوتی تھیں۔

تک رہے ہیں باہل واد کے ہوا۔ ایک طرف منہ دے چکی تھی۔ جب شہسوار نے قریب آکر اپنا اثر بھرا دیا۔

مجھے تو نہیں ان کو خود لگ رہے ہیں جو اس کے گرد مڑا رہی ہیں۔ تمہیں ہنسنی رہتی ہے۔ میں نہیں ہوں کی تو بھی اس سے کچھ سے جس سے میرا کوئی لینا نہیں سہی مگر تمہارے گرد یہ منہ نہیں تو پھر کتنا شہسوار کی نور جیسے تو میں حقاً کہوں گی۔

شہسوار اس کی ہنسنے کی پراسانی کی بات کر رہا ہوں۔

ہوں۔ علیحدہ نے ذرا بھی رنجش نہ دکھائی۔ میں کو کچھ کر تو مجھے لگا رہا کہ ہے میں جب میری ہویا ہوتی تھی اور اس کے گھٹنے جیسے ہاتھ ایک ہمدردی سے ہوتی تھی اور اس کے جیل جس دلتے کی تھی۔

میں سے فرات کرنا ہی نصول ہے۔ شہسوار جیسے یہ تھوڑے چاہی گئے۔

یہ تو کمال کا بچہ۔ شہسوار سے بڑا ہی رہی۔ ہائی۔ حلیت سے اچھا پذیر ہوتی۔ شہسوار دوست سے جیسے گئے ایک ہوائے اسید کا دھواں لوگوں کے لکھن کے نئے نئے آثار بنی تھے۔ تھوڑے کسی کے گل چہرے کی مہل نہیں ہی تھی۔ سب بھی بھی تھوڑا سا حیران رہے تھے۔ خوب صورت ہاں اور باہل جیسے ایک آپ کے علیحدہ اسد کی توجہ سب بھی تھی۔ اس سے پہلے رنگہ رنگی قتلہاں اس کے چھوڑ میں تو نہیں اور جو پانچ۔

پچھو اسے اتنی ہی ہو گئی۔ علیحدہ اس کی ستائش نظروں سے حال ہے ہوتی تھی۔

بھال اور اصل آپ بہت سارے سال اسد کو دے آئے ہیں۔ شہسوار نے جیسے غلامی کی ہے۔

تپا ہے یا۔ تپا ہے تو بھی یہ ہو گیا۔ اسد کے کسی بھی انداز سے نہیں دلتے اسد کا شہسوار تک نظر نہیں رہا تھا۔

پچھو اسے کوئی ہو گئی کیا؟ میں تو بالکل جنگلی ملی ہوئی تھی۔ وہ بھرا دیا۔

تپا اب گئی ہے۔ شانت سے ہنسنے ہوئے۔ ہاں اور جیسے یاد ہے، اسے تم شہسوار کو ختم دہائی یہ تھی۔ جیل صاحب کے لیے میں بھی کے لیے ہمارے ہمارے۔

تپا نے فوراً اکثر شہسوار کو مارنے کا پورے بھی لے یا کرتی تھی۔ اسد نے مزید مصلحت پہنچائی تھی۔ جس پر علیحدہ نے ہنسنے کو لیا۔ ایسا کوئی واقعہ اس کی یادداشت میں نہیں تھا۔ وہ تو ہمیشہ مار کھاتے

ہاں وقت شہسوار اسے دیکھنے بھی ہی تھی کہ اسے جزی کی تو اس کے گرد ہاں آگئے۔

تپا سر جھٹکا۔ کوئی پرانا گیت لگا رہا ہو گا۔

میں نے اس سے پتا تھا اس فراموش کاف بھار جھٹکا ہمارے سرے کی ہمت ساہو کی رہی کا گیت لگا رہا تھا۔

میں نے اب سری جی گئی تھی۔ صوف پر تکی ہو گئی۔

میں نے شانت ہی کا ہم تو گیتا جک میں تھا۔

تپا نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے یہ نہیں دیکھا۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

میں نے اس پر ہی طرح سے فی دلی میں تھی۔

ہوئے تائید کی۔ اس کے بعد جیسے باتیں ختم ہو گئیں۔ اسد ابھی بھی اس کے لیے ایک آواز اٹھانے اور ناؤ شاید وہ اس سے بے تکلف ہو جاگی اور اسد کے لیے شاید زیادہ دلچسپ کام تھا علیہ کو دیکھے جاتا۔ جو مسکرائی نگاہوں سے بڑے اطمینان سے گرد با تھا۔

”پچھو کب تمہیں کی؟“ علیہ کے چہرے پر گہرا ہنس اور پھر ناگواری چھنے لگی تو اسد کو تھل ہوتا پڑا۔

”دیر سے آئیں گی۔“ ایک بار پھر زخا نا ادا اسد نے اس کے لیے کی یاد کو خوش نہیں کیا۔ ”تم مجھے نکال کر رہو گی۔“ علیہ پر گھڑول پالی پڑ گیا۔

”سچی بٹری کا کا پچھو پیدا ہو گا تو آئیں گی۔“ شرمندگی مٹانے کے لیے خفا خفا سے انداز میں جو دستانہ دی اسے سن کر اسد کو زبردستی خاصی محنت سے اپنے قہقہے کا گلا کھوٹنا پڑا۔ جبکہ وہ دانتوں تلے زبان داب چکی تھی۔

”تم نے بتایا تھا تم ایم لی لی اس کر رہی ہو؟“ اس کی شرمندگی دور کرنے کی خاطر اسد یوں ہی پوچھنے لگا۔ اس نے سر ہلائے پر اکتفا کیا۔

”محیرت ہے۔ میں تو تمہیں میٹرک کی اسٹوڈنٹ سمجھا تھا۔“ وہ چپ رہی۔ اسد کی پر شوق نگاہیں کچھ دیر تک اس کے سرخ پڑتے چہرے پر تہی رہیں پھر وہ کہہ کر سانس کھینچتا کھڑا ہو گیا۔

”پچھو واقعی دیر لگا رہی ہیں۔ میں چلتا ہوں۔“ علیہ کی سانس میں سانس آگئی جوں خلاصی ہوئے۔

”تپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں اسد بھائی! سبب جب وہ جا رہا تھا تو اخلاق دکھانے میں کیا حرج تھا۔“

”تپ نے کچھ دیا ہی نہیں۔“ بالکل علیہ کے لاشا کل میں اس نے شوق سے کہہ۔ علیہ بھرے شرمندہ ہو گئی۔

”آئی قابل نہ ہو گزن! پہلی بات کا اثر رائل کرنے کے لیے نام سے بے شکلا نہ لےجے میں کلا۔“

”مجھے جو چاہیے ہو گا پچھو سے ملے گا۔“ اس کے عین سامنے آکر ایسے ڈر لائی انداز سے کہا کہ علیہ پوری کی پوری سن ہی ہو گئی۔

”اس کے سامنے۔“ وہ ہاتھ ہلاتا چلا بھی گیا تھا علیہ روز اندازہ کرنے بھی نہ گئی۔

کسی کے سامنے کھڑی علیہ کی نظریں اپنی سرافراہی واکرڈ میں موجود ہونے کی بے حد عیس و شیر اور اس میں بندہ دل کی شکل کے ٹیکوں والے رنگت مچی۔ شہوار کی طرف سے اسے یہ گفت آ رہی موصول ہو ا تھا۔ آج اس کی برتھ ڈے تھی مگر کسی میٹنگ کی وجہ سے نہ آ سکا اور اب وہ اپنا دکانی گردن پر نازاں بیٹھ لاکت پر ہاتھ پھیرتی تھک بیٹھ رہی تھی اسی وقت اس کا متوازل فون اس مصروفیت میں مائل ہو گیا۔

”خصوص رنگ ٹون سے ظاہر تھا کہ کل شہوار کی ہے۔“

”تم آئے کیل نہیں؟“ فون خوار لیجے دانداز میں پوچھا گیا۔

”ساگر مہلوک۔“ وہ سری طرف سے شہوار کی عمود سی توار ابھری۔ اس کی آنکھوں میں جگنو دیکھنے لگے بعض اوقات ساری دنیا بھی کپ کے آگے پیچھے گھومے۔ مگر وہ نہیں ہو جس کا دم دل مہرنا ہو تو دنیا بھی چھ گٹنے لگتی ہے۔ بالکل آج کے دل کی طرح، سب اس کے آس پاس خیمے ایک سوائے اس کے، سب نے اس کو مبارکباد دی تھی تھا تک مرضی دیندہ کے لیے پھر بھی کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جب تک چکن دکنٹ گولڈن جیج سیر کیا۔ سب شہوار کی علی سے تو جیسے ہی گئی تار اس میں ختم کر دی تھی۔

”تم آئے کیل نہیں آج؟“ اتنی جلدی شہوار کو غیر حاضری پر معلق نہیں ملتی تھی۔ تب ہی تو سوال پڑ گیا۔

”گفت تو بھیج دیا۔“ نری وجہ سے بہت گرتا

انداز علیہ پہننے لگی تھی۔

”مغورہ نے کچھ نہیں آئے؟“ اس کی جرح ایسے کیسے ختم ہو گئی تھی۔

”مغورہ نقاب بہت زیادہ معاف کرو۔“

”اگر دیا۔“ مسکرائی تھی۔

”چھوٹا ہفت کیہ؟“ شہوار نے بات بدل کر اشتیاق سے پوچھا۔ علیہ نے بے ساختہ کہنے میں اپنا غصہ رکھا۔

”جست کوٹ ٹائل ہے مہری پاند کا نہیں ہے۔“

”یہ میں واضح از اسٹ اور خود تھا کہ یہ خرے تو محبت میں حاضر ہوتے ہیں۔“

”مہری پسہ کا سب۔“ شہوار نے نذر دے کر گولا

”یہ میں اپن بھی ہونا ہے۔ اس میں اپنی اور میری تصویر لگا۔“

”ہاں اور ای سے جوستے بھی کھلا۔“ شہوار کے ہی انداز میں اس نے فائنٹ جواب دیا۔

”مہر بھائی آئے تھے۔ تم نے ٹیک طرح سے تو استقبال کیا میں؟“ عام سے انداز میں کہا۔ مگر وہ اپنی اور صرف اس کی باتوں سے مغلوط و مسور ہو رہی تھی۔ ساری ملن سے جل کر رہ گئی۔

”جس گھر میں جھڑیاں نہیں لگی تھیں اور نہ ہی سلائی دینے کے لیے تو نہیں رکھی تھیں۔“ شہوار کو اس سے کہنے تو اب نے خوب لطف دے دیا۔ وہ یہ تک اور خوب مونچا نقد لگا کر علیہ کو مزہ سلگایا۔

”جست بد مزہ ہو تم بھائی! میں وہ میرے۔“ شہوار

اسی بھی بستا رہا۔

”سچا اس ہی آ رہی ہیں۔ میرے ہاتھوں میں کلب کے جلسے موبائل رکھ کر جاتے اٹھ میں کی۔“ مگر علیہ نے سچ اسد کیا گواہاں اس چہ کردا۔

”اور پھر آسید واقعی وہ وہ بجاری تھیں۔ اس نے فوراً کل کندی۔“

پیشی تھیں۔ چہرے پر گہری سنجیدگی اور سوچ کے رنگ چائے جیل صاحب ہل سے وہاں ٹھل رہے تھے۔ شائستہ گاہے۔ گاہے چور نظروں سے ان کی طرف دیکھتیں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتیں اور پھر ہونٹ کھینچ لیتیں بیٹھ مہر و مہزلہ سنجی۔ اور فون سے رہنے والے جیل صاحب کے ہر ہر انداز سے سنجیدگی ہی نہیں تیار اسی بھی ظاہر تھی۔ شائستہ کی بہت سی نہیں ہو رہی تھی انہیں اپنے نقطہ نظر سے قائل کرنے کی۔ ہوں بھی عین دن سے وہ بھی تو کر رہی تھیں۔ وہ بھی پہلی بار اپنی کسی بات کو لے کر ضدی ہوئے تھے۔ اس کی کسی بھی دلیل سے جلدی نہیں ہو رہی تھی۔ صرف اس کمرے کی ہی تھیں۔ اسد کو پھوڑ کر سارے گھر کی فضا مہوش اور سوگوار تھی۔ شہوار کے کمرے سے اس کے کنار کی دھنیں بجا بند ہو گئی تھیں۔ وہ جیسے گٹار کی تاروں کو پھینک رہی تھی۔ بھول گیا تھا۔ صرف گٹار کیا اس کی تو مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں تک کاراست بھول گئی تھی۔ وہ جس کے وہ ہے گھر بولتا تھا۔ جب گھر آتا تھا تو وار میں بھی کھل اٹھی ہیں۔ اب تب بستا بولتا جب اسد قریب ہوتا تو اسے دکھانا مقصود ہوتا کہ وہ کتنا خوش ہے۔ بلاوجہ بات بہ بات موندے قہقہے لگا کر اسد کو ہی اسیں خود کو بھی دھوکا دینے کی ناگم سہی کرتا۔ ایسے میں جیل صاحب آنکھوں میں سے جیسے تیر نکال نکال کر شائستہ کو دیکھتے۔ جو خود شہوار کے اس معنوی پن سے مجبور پیشی ہو تھیں۔ اسد اس پاس نہ ہوتا تو شہوار میں آپ سے ضرور آتا بھی بات نہ کر کہ شائستہ کے ضمیر و دل میں جیسے جرم کا احساس تھا۔ وہ وہ کیل۔ جیل صاحب بھی شہوار کو حوصلہ دینے کی بہت نہیں کیا۔ یہ تھے کہ وہ عمل کے طور پر وہ نہ جانے کتنے پرانے دور گھول کر بیٹھ جاتا۔ صرف ہنست پھر ملے ہی راستہ کے کھانے کے بعد جب لاؤنج میں سیر پائے کا دور چل رہا تھا۔ شائستہ اور پھر شہوار اسد کی پسند کی لڑکی جاننے پر مصر ہو گئے۔

”گولی بھی نہیں ہے۔ اب اس نظر سے کوئی اچھی کرے کی فضا سوگوار تھی۔ شائستہ مفہوم ہی پہنچا۔“

میں لگو۔
 "مشاء اللہ توں جیسے چھوڑ دے میں
 سبب اور شائستہ کی طرف دیکھ کر گویا اپنی کی گئی
 توصیف کی تائید ہیں۔" ہمیں اب آپ کو یہ سمجھنا
 چاہیے کہ یہ سبب سر کے باطن میں پیدا ہونے لگے
 ہوئے۔
 "پس میں نے اس سبب سے سبب ہوتا ہوا
 پھیرا۔"

کیا ہوا اعلیٰ عالم کی یہ کیا کار کاہم شہنشاہ
 کسب فریادوں ہو گئے
 صحت ہی۔ ایک دم منکسر ہو گئی۔ کس صحت
 کا قتل بداشت تکلیف ہونے لگی جس سے تکلیف
 ہو چھپنے کی خاطر مسکرائے کی وہ شش میں اس کا چہرہ
 کیسے دار بہت ہلکا کر دیا۔ اگر اسد چوہاں جو
 تو ضرور ملے گا۔

[illegible]

وہ خوش کرنے کے لیے کہیں کہیں صاحب سے ہر
 ایک شخص کی ہاتھی۔
 "میرا شائستہ ہوا ہے کہ وہ ایک صاحب
 مولوں کا نہیں اس کی زندگی کا ہے جو اسد بھی
 کے ہوا اب بھی رہے۔
 شائستہ نے "رنگ" سے سریشہ پر تار یا سدر تک
 بے گوار ہوئی رہے۔ "میں صاحب نے چپ نہیں
 رہا کہ اس بوجھ کے بعد شاید کھانا رو شائستہ
 نظر نہ لگے۔

کے آگے اندھا چرا چلا گیا۔
 "شہزادہ" اس کے پیچھے سے سرسراہی تواز
 نکلتا۔
 شہزادہ کی یہ حرکت سب سے زیادہ تکلیف دہ ثابت
 ہوئی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے آئینہ جگمگ کے کمرے کی
 طرف یہ بتانے کے لیے گئی تھی کہ وہ باہر کی طرف
 جارہی ہے تو اندر سے اپنا نام سن کر لٹخ بھر کود گئی
 تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" آئینہ کا سوجھ بوجھ لیے
 ہوئے تھا۔ علیحدہ لے گئے باہر دو دروازے سے چپا
 لیے۔

"کچھ نہیں۔ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں
 ہے۔" قاریق صاحب کی تواز بھی اٹل تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں اسد خدی طبیعت کا ضرور
 ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس میں متانت آگئی
 ہے۔ مجھے لگتا ہے علیحدہ اور اس کا جوڑ پرا
 نہیں۔" جسے واضح تھے علیحدہ کے گن ساٹیں ساٹیں
 کرتے تھے۔

"عجب نا سبکی ہے۔" قاریق تھا ہونگے۔ "اولاد
 کی خوشی سے زیادہ تمہیں جوڑ ملانے کی پڑ رہی
 ہے۔" علیحدہ نے وردالے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ
 لیا تھا۔ "اور جوڑ تو شہزادہ کے ساتھ بھی خوب جتا
 ہے۔"

جواب میں آئینہ کچھ دیر کے لیے چپ
 ہو گئیں۔ علیحدہ کے دل میں سب اسٹاپ ہونے
 لگا ایسی عجیب و غریب بات کالوں میں پڑ گئی کہ لگنے لگا
 جو کچھ بھی تندرست ہے منہ سے باہر آجائے گا نا گئیں
 الگ رشتہ زندہ ہو گئیں۔

"کچھ کچھ میں نہیں آتا۔" آئینہ کی مدھم تواز
 میں گونجی کیفیت تھی۔

"ہم سے پہلے شائستہ اور جمیل کو بچنے کی ضرورت
 ہے۔" قاریق صاحب کی تواز بند تھی۔ "حیرت ہے
 انہوں نے کیا سوچ کر یہ بات کی؟"

جواب میں آئینہ پر بھر چپ کے بدلے سلیہ قلن

ہونگے۔ یہ سوچ کر کہ آئینہ کے دل میں کہیں نہ کسی
 ضرور اسد کے لیے برم کوٹہ موجود ہے۔ علیحدہ کے
 پیٹ میں گرہیں پڑنے لگیں۔

"آئینہ" آئینہ کی — جھنجھکی ہوئی تواز
 نکلی۔ "آپ سوچیں تو اسد بہترین لڑکا ہے۔"

"کوئی شک نہیں کہ اسد بہترین لڑکا ہے۔" قاریق
 صاحب نے فوراً کہا۔ "لیکن سر حال اسد شہزادہ نہیں
 ہے۔"

شہزادہ جمیل یا مجھے علیحدہ کی خواہش یا خوشی کے
 آگے کچھ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

"ہاں جیسے وہ ہم سے بھی زیادہ کچھ دانت ہے؟" آئینہ
 کی ناگوار بات بھری بلند بڑبڑاوت پور کر آگئی کہ وہ اسد
 کو کن غظوں سے دیکھ رہی ہیں اور کیا مقام پر بنا چاہتی
 ہیں۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر کسی سسکاری کا کھانگوشتی
 علیحدہ اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ آنکھوں کے آگے
 اندھا تھا۔ شہزادہ کو فوراً "فون" کہا صرف یہ پوچھنے کے
 لیے کہ باہر ملانی نے اسد کے لیے بات کی۔ اور
 آئینہ کیا سوچ رہی ہیں؟

وہ دل سے ہی کل تک بہت سکون سے اپنے رشتے
 کے خوشگوار انجام کے متعلق تھی۔ آج منظر دھندلا گیا
 — مگر شہزادہ اول تو کل آئینہ ہی نہیں کر رہا تھا اور
 آخری تین کل خوراک کا ہاتھ بہت بھرا کر آخری بار
 ملایا تو شہزادہ نے سب کچھ ہی تک کر دیا تھا۔ وہ بھونچکا سی
 رہ گئی۔

"شہزادہ" کیوں کر ہے ہو ایسا۔ مت کو یہ
 سب کچھ ایک طرف پھینک کر وہ اندر دھڑ سے
 دوڑنے لگی تھی۔

کھانے کی ٹیبل پر اشتہا انگیز خوشبوئیں کھانے
 والوں کو محو کر رہی تھیں۔ مگر کھانے والے جیسے
 کھانے سے ہی نہیں ایک دوسرے سے بھی بے زار
 بیٹھے تھے۔ جب خاموشی سب پر پھوڑے رہی
 تھی۔ رغبت سے کھانے اسد کا دل بھی اچلتا

ہو گیا۔ پتی مری نظروں سے اس نے سب کا جائز لیا
 تھا۔
 "بچے لگتا ہے۔ میرے اس رشتے سے کوئی بھی
 خوش نہیں ہے۔" شائستہ نے ٹھٹھکے سے سر
 اٹھا۔ اسد مری شہزادہ سے متوجہ تھا۔ جمیل اور
 شہزادہ بھی اسے دیکھنے لگے۔

جمیل نے بات کی ہے۔ سب کو چپ
 رکھ گئی ہے۔ "خیر کو اندازہ نہیں تھا کہ انہوں صاف
 کوئی سے پوچھے گا۔ شائستہ تو زور پڑی ہی تھیں،
 شہزادہ بھی بول گیا جبکہ جمیل صاحب معنی خیزی سے
 کھانا کر بیٹھ کر چک گئے۔

"نہیں۔" اگلے نہیں۔ ایسا کیوں سوچ رہے
 ہو؟ مصنوعی مسکراہٹ شائستہ کو قدرے ہوشیار
 کر گئی۔

"ہم سب بہت خوش ہیں۔" شائستہ نے ایک
 ایک لہجہ پر زور دیا تھا۔

"شہزادہ نہیں ہے۔" اسد نے برہ راست سے
 دیکھ کر گویا وقت سے کہا وہ خود پوچھنا پڑی ملواری
 سے مسکرایا۔

"تپ نہ سوچ رہے ہیں بھائی! ایسا بالکل بھی
 نہیں ہے۔" اس نے اسد سے زیادہ زور کو یقین دہایا۔
 "مگر؟" اس کے پوچھنے میں ابھی بھی شک تھا۔
 "آگے گورس۔" ایک بار پھر جبراً مسکرایا۔ اس
 مسکراہٹ کا ساتھ اسد نے بھی مسکرا کر دیا۔

"پوچھنا ہی ہوا۔ میری شہزادہ کی شائستہ بھی تم کو
 کے "وہ انہوں نے اس کے زخم تازہ کر دیا تھا۔

"شہزادہ میں ہی کہوں گا۔" بہت تکلیف ہو رہی
 تھی مگر کمال کی بددلی دیکھ رہا تھا۔

"ایڈ کئی ایم سر راتزل۔" پچھو لوگ سوچنے میں آتا
 ہوا تھا کہ اس نے کیا مسئلہ تھا۔ شہزادہ نے اپنی
 پیشانی میں ہاتھ رکھ کر شروع کر دیے۔

"تم؟" شائستہ مت ہوا۔ قاریق بھائی انکار نہیں کریں
 گئے۔ محوے بیٹے کو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسد

بہم سا مسکرایا۔ شہزادہ مری شہزادہ کی

شائستہ مسکراتے ہوئے علیحدہ سے گلے لگیں۔
 "تو دنوں بعد آئیں؟" اس سے الگ ہو کر
 شائستہ نے ہلکا ہلکا شکوہ کیا۔ "بھئی۔"
 "جی ہاں۔" وہ بیٹھ گئی۔ "طبیعت ٹھیک نہیں
 تھی۔"

شائستہ نے اب فوراً کیا۔ من پندہ ہمیں دنوں میں
 اس کا بہت ریزل کم ہو گیا تھا۔ چہرے پر الگ زور
 کھنڈی ہوئی تھی۔ شائستہ کو لگا کہ شہزادہ تو ظلم کر رہی
 رہی ہیں۔ علیحدہ کو بھی وہ جی لذت دینے کا باعث بن
 رہی ہیں۔

"ہاں۔" انہیں موڑتی وہ کچھ کہتے کہتے رک
 گئی۔ اپنے کمرے سے باہر نکلا شہزادہ آج میں علیحدہ
 کو شائستہ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ کر وہیں کمرے میں چلا
 گیا۔

اتحاد مسلمان تھا ہوا سا بیڑ پر بیٹھ گیا۔ اس کا سامنا
 کرنے کی امت ممکن ہی نہیں تھی۔ علیحدہ جس
 اجڑے بھرے طبقے میں بیٹھی تھی۔ کیا پتا وہ کنوڑ
 پڑنے لگا۔

کچھ سوچ کر جب سے معائنہ نکلا اور بکن میں
 شام کی چائے پلانے شکوہ کو مسیح سمجھا۔
 "شہزادہ علیحدہ آئی ہوئی ہے۔ باہر اس کے پاس جاؤ
 وہ میرا پوچھے تو کہنا میں کمرہ نہیں ہوں۔"

سارا دن لوٹ پٹاٹ مسیح پڑھنے اور بیچنے کا
 شوقین شکوہ مسیح یون سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا
 تھا۔ اس نے فوراً شہزادہ کا مسیح پڑھا اور قدرے
 حیران ہوا۔ اسے معلوم تھا شہزادہ کو پڑھنا دہم میں ہے
 لیکن سے محتاط کر دیا تھا شائستہ علیحدہ سے مصروف
 گفتگو تھیں نہ چائے لے کر فوراً وہیں پہنچا۔

"لو چائے ہی آگئی۔"
 "نہیں میں چائے نہیں پیوں گی ہاں۔" اس کے
 انداز میں ہمیشہ ولا اپنا ہی قائب تھا۔ شائستہ نے

جیسے کی امید بھیجی ہو گی۔

جیسے سمجھ رہی تھی۔ علیحدہ خود انکار کر دے گی لیکن۔ شائستہ کی اس بات پر اس کا دل چاہا اور نور سے ہنسے شائستہ نے اس کے کندھے پر اپنا سر رکھا دیا۔ دست بے چین ہو کر رہی تھیں۔

”پلیز چپ ہو جاؤ میں تمہارا دل زخم سے ان کا سر سلانا رہا۔ تم سب کچھ بھول کر بھائی کی خوشی چاہو بیٹ کریں۔“ شائستہ نے سر اٹھ کر حورم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ خود ٹوٹ چکا تھا۔ اسیں سمیٹ رہا تھا۔

”اسیں بھی کوشش کریں گا۔“ شائستہ کے آواز صاف کرتے ہوئے پھر وہ تو آواز بجلی ہوئی تھی۔ مسکب کچھ بھولنے کی۔

زور لہاں میں وہ خود بھی سرسوں کا پھول بنی ہوئی تھی۔ ضرورت سے لیا وہ بلی اور ہانک اواس۔ پہلی نظر میں تو اسد کو خوش ہو، کس وہ تیار تو نہیں اور وہ پانچتے بھی لگا تھا لیکن اس کے آہنگی سے ”چلیں“ کہنے پر اس کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں بھی دونوں کے بیچ خاموشی مائل رہی۔ وہ بھی سمجھتی تھی شائستہ کے پار رہتی رہی اور اسد ابھا ابھا سا بھی اسے تو بھی سامنے نہ تھا رہا۔

”تم آنا کیوں نہیں چاہو رہی تھیں؟“ کچھ تو بولنا تھا۔ جب کہ وہ اسے لایا بھی اسی مقصد کے لیے تھا کہ وہ بولے گی اور وہ سنے گا۔

”کیسی بات نہیں ہے۔“ ہمارے علیحدہ نے جواب دیا۔

”یہ! میں اب اتنا بھی خوفناک نہیں ہوں۔“ اسد نے فضا کی گھبراہٹ اور کہنے کی خاطر شرعی دکھائی چاہی۔

”کیسی بات نہیں ہے۔“ علیحدہ کو بولنے سے چھوڑی رہی تھی۔

”سو کے۔“ تم کہتی ہو تو اسے لیتا ہوں۔“ اسد نے لیا وہ دیر بحث مناسب نہیں تھی۔ بول بھی علیحدہ کے چہرے پر پڑا ”انٹوالت“ لکھا تھا۔ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا ٹھیک ٹھیک۔

”تم کوئی ڈسٹنگ کا ٹرپس لیتیں۔“ اسد کا اشارہ اس کے زور رنگ کے سوٹ کی طرف تھا۔ علیحدہ استغما یہ اسے دیکھنے لگی۔

”اس میں تمہارا چہرہ بھی نہیں نظر آ رہا۔“ کپڑوں کا رنگ تم جیسا لگ رہا ہے۔“ علیحدہ نے بے تکی ہوتے کا کیا جواب دیا تھا خاموش رہی۔

”ویسے تو تم اپنی مرضی سے بھی شائنگ کر سکتی تھیں مگر میں چاہ رہا تھا کہ دونوں ایک ساتھ کریں۔“ علیحدہ نے انتہائی دانت جھلکے۔

”بعض اوقات ان چاہے“ شخص کی عکس میں کی باتیں لگتی ناقلین بدداشت ہو جاتی ہیں۔ یہ اسے سب ادا رہا ہوا تھا۔ اسد کو بھی اس کی بے ڈاری محسوس ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ بھی نہ بولا۔

”علیحدہ۔“ کئی دیر بعد کار اوپر نہ نکلی گئی۔

”چلے گاں چلیں۔“ جیوری یا پھر ڈرائیو آرڈر کرنے، ”وہ بہت دیر سے پوچھ رہا تھا لیکن علیحدہ کا دم گھٹنے لگا۔ بس نہیں چل رہا تھا چلتی گاڑی سے کود جائے۔

”اسد بھئی۔“ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہر

کبھی پلیز۔“ وہ بہت عاجزی سے بولی۔ حیرت و پریشانی کا شکار اسد فوراً اس کی کالی جیک کرنے لگا۔

”واقعی۔“ تھیں تو نہیں ہو رہا ہے۔ بہت نا محسوس انداز میں علیحدہ نے اپنی کالی چھڑائی۔

”ہوا کڑے پاس چلتے ہیں۔“

”نہیں پلیز نہیں۔“ وہ بڑی طرح مدافعی ہوئی۔ ”مجھے کس میں جانے۔“

”لیکن علیحدہ۔“

”اسد بھئی پلیز! میں نہیں جانتا اور اگر سب زبردستی سے گئے تو میں آئندہ بھی نہیں لوں گی۔“ اسد اڑو ٹوک تھا۔ اسد ہونٹ بھیچتا ہوا گاڑی

موڑنے لگا۔

”تھیں جاری ہیں؟“ اپنے کمرے سے پریشان صورت کے لافانج میں بوجھت داخل ہوئی شائستہ کو دیکھ کر جمیل صاحب نے پوچھا تو اسد اور شہناز دونوں متوجہ ہو گئے۔

”اسیہ کا فون آیا ہے ابھی۔“ شائستہ بے حد فکر مند نظر آ رہی تھیں۔ ”کہہ رہی تھیں علیحدہ کا نہیں بچہ بہت خیر ہو گیا ہے۔ وہ بالکل بے ہوش ہے۔“

اسد اور شہناز ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔

”اسے ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔“ شہناز اتر چکی تھی۔

”چھوڑ دو۔“ خاتون اس کے منہ سے شہناز کا نام نکالتا تھا۔

”میں چلا ہوں آپ کے ساتھ۔“ شہناز کے جواب دینے سے پہلے اسد آگے بڑھ گیا۔ علیحدہ کے

اسی اور سرور سے لگال لگال ”مگر میں نہ چلا گیا تھا۔ اس پر

بلت محسوس ہونے شائستہ سے ملے باہر نکلا۔

”میں بھی چلتا ہوں۔“ جمیل صاحب بھی گن بدلوں کے پیچھے چلے گئے۔

شہناز وہیں بے جا رست کے جیسا کھڑا رہا۔

اپنے کمرے میں بیٹھا ہے تو آواز آنسوؤں سے دوبا تھا۔

علیحدہ کو اس حالت تک پہنچانے کا ذمہ دار وہ

تھا۔ محبت کے دعوے دونوں طرف سے ہوئے تھے

مگر ان سے کبھی علیحدہ اتر رہی تھی۔ اس کے وعدے

اس کی قسمیں بڑی ثابت ہوئی تھیں۔

”مجھے صوف کرنا۔“ مجھے صوف کرنا۔“ علیحدہ

با آواز بلند جیوتا رہا۔

”سنا۔“ آپ کب تک اسد بھائی کو سوتل میں

ہونے کا ہر چاہتے میری خوشیوں کی صورت میں بھرتی

رہیں گی۔ کب تک۔“ وہ خود تری میں جلتا ہو کر خود

پہنچا رہا۔ علیحدہ کھل رہی تھی۔ اس سے گواہی دیتی

تھی کہ وہ بھی تھی۔

مجلس اس کی خدمت میں آکر علیحدہ نے اسد کا ساتھ منظور کیا تھا۔ اس کی بے اعتنائی کا پھر وہ خود کو جینٹ چڑھا کر لے رہی تھی اور وہ اتنا بے بس اور مجبور کہ خاموش تر شائستہ بننے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ”اسیہ ہے تو کاش ہمیں بھی آپ کا سوتا بیٹا ہوتا۔“ اس کے محبوبہ داشت کے تابوت میں یہ جملہ آخری کیل ثابت ہوا تھا۔ وہ ساری رات اس نے روتے ہوئے گزار دی۔

صبح آئینے کے سامنے اپنی بال سرخ ہوئی آنکھوں کا جواز سوچ رہا تھا کہ دیوانہ لگا سا بھلا۔

”میں اس سے بچاؤ کرتا ہوں۔“ اس وقت کسی کا

ساتنا کرنے کی خواہش نہیں ہو رہی تھی۔ اسد مسکراتا

ہوا داخل ہوا۔

”بڑی ہو؟“ اس سے ہلور دیکھتے ہوئے اسد نے

استفسار کیا۔ ”نظر میں چڑا کر رہ گیا۔“

”میں تو بالکل تھیں۔“ اسد اس کے سامنے آکر

ہوا۔ شہناز کو اپنا آپ چھپانا مشکل ہو گیا۔

”کئی کلمہ تو آپ کو؟“ اسد کی چوڑ بڑھتی نظروں

سے خائف سا ہو کر خود پوچھنے لگا۔

”تم روئے ہو؟“ اسد نے سنجیدگی سے سوال کیا تو

اسے گھبراہٹ نے آیا۔

”جتن۔“ تھیں روؤں گا کیوں؟“ اسے مصنوعی خوش

گواریت کا سہارا لیا۔

”تو آنکھیں کھلا آتی سرخ زور سوتی ہوئی ہیں؟“

”جیہ نہیں آئی۔“ سرور کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ جوں جوں لگتی کلون قریب آ رہا

ہے میرے قریب کے لوگ تیار پڑ رہے ہیں۔ سادھر

علیحدہ ٹھیک ہونے کا ٹھہرے رہی گوھر ک۔

”جھپٹی! ایند نہیں آئی تو سر بھاری ہو گیا بس درند

میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”یار یہ علیحدہ۔“ شہناز کی وضاحت پر کلن نہ

دھرتے ہوئے اسد نے ابھی بھی مرلی کی ایک ٹانگ

پکڑے رکھی۔ لیکن اس بار اس کا بوجھ شکستہ تھا۔
 ”مجھے کھل لگتا ہے علیہ اس رشتے سے خوش
 نہیں۔“ ساتھ ساتھ وہ بھی تھا تھا سا لگا۔ شور لے
 بے اختیار ٹھنڈی سانس پھینکی۔ گویا مطمئن اسد بھی
 ہر تھا۔

”آپ کا وہم ہے بھئی! بہت دھیمی سی آواز میں
 شور لے رہا۔“

”پہلیاں دیکھو۔“ شہسوار نے بے ساختہ سر اٹھا دیا۔
 ”میں نے علیہ کے لیے انگوٹھی سے لی۔ دیکھو
 کیسی ہے۔“ ایک ہلکی سی قیامت کو بھی اس نے شہسوار کو
 دکھائی۔

”یہ تو بہت بڑی ہے۔“ بے ساختہ شور کے منہ
 سے نکلا۔

”میرا مطلب علیہ تو بہت بڑی سی ہے تو۔“
 اس کی وضاحت پر اسد تھوڑا سا مسکرا دیا۔
 ”اچھا ایسا کرو۔ تم مجھے یہ معلوم کروادو۔“
 ”میں؟ شہسوار بے تکلف۔“

”درازن کم ہیں۔ مجھے سارے ہی نہیں معلوم۔ پھر
 وہ پتار بھی بڑی ہوتی ہے۔“ اسد نے بالکل عام سے
 انداز میں کہا۔

”اوس کے میں کرواؤں گا۔“

”تھوڑے کم۔“ اسد کے چہرے پر بڑی روشن سی
 مسکراہٹ پھیل گئی جس نے بھی مسکراتے کی کوشش
 کی مگر اس کوشش میں آنکھیں نم نہ گئیں۔

”معلوم۔“ اسد بے اختیار اس کے گلے تک کر دیوے
 جذب سے بولا اور پھر الگ ہو کر اس کے ہاتھ کا پورے
 لپٹا ہوا ہوا گیا۔ شہسوار خیر ذرا سا کھڑا رہا۔



کچ آسید اور قادیان کے گھر بار کا سا سلی تھا۔ چار
 اطراف رنگ برنگی رنگ۔ خوشبو میں اور لہجے گہری
 سہلوٹ کے علاوہ تقریب کے مہمان خصوصی یعنی
 علیہ اور اسد بھی نے رنگ مہنگ میں تھے۔

علیہ جدید طرز کے انارکلی فراک اور چوڑی دار

پاجامے کے ساتھ نقیص سے میک اپ چھوڑی جس
 پچھلی نہیں جا رہی تھی۔ چہرے کی زردی پہ میک اپ
 کی تہہ آجائے سے خاطر خواہ قائم ہوا تھا۔ شہسوار اور
 اسد دونوں ایک ہی جیسے تھری پیر سوٹ میں تھے۔
 شہسوار کی بے چین نظریں علیہ پر پڑتیں تو پہنے سے
 انکاری ہو جائیں۔ علیہ نے ایک بار بھی اس کی
 جانب نہیں دیکھا تھا۔ آسید اور شائستہ کے درمیان
 پیشی وہ اپنے گود میں رکھے ہاتھوں کو گتے جا رہی تھی۔
 پرے پر چھائی خجید کی شہسوار کا دل دھنچکا کا عشاق
 رہی تھی۔

”ولعنا“ جیس صاحب کا کھانا کر حاضرین محفل
 سے غالب ہوئے۔ ”رات بہت ہو رہی ہے رات“
 شروع کر دیں۔

”اسد آؤ بیٹا! شائستہ نے تو آڑی۔“

”جی ماما! اسد تاج پوری سے قریب کھڑا ہوا۔
 ”انگوٹھی پہناتو۔“ تاج پور سے کہنے لگیں۔ شہسوار
 علیہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی بھی ہاتھوں کو دیکھے جا رہی
 تھی۔ اور گردن کو ہوتا ہے اس سب سے بے خبر۔
 شہسوار کو تو یوں لگتا ہوا جیسے اس میں سانس ہی نہ
 ہو۔

”انگوٹھی پہنیں۔“ اس نے بھول پن سے یہاں وہاں
 دیکھا۔

”شہسوار۔“ حکم اس نے پکارا۔ شہسوار جھٹکا کر
 چلا۔

”انگوٹھی پہن لیا۔“

”ادھر اب؟“ اس نے جیسٹل ٹولیں۔ ”میرے پاس
 وہ کئی۔“ انگوٹھی پہننے والی اس کی جیب سے نکلی۔

”لیجئے۔“ علیہ نے اس کی جانب بڑھ کر اسد سے
 لی لی نہیں۔ اس نے اس کی گتے گتے۔

اسد شہسوار کا ہاتھ چوم کر الگ ہو کر اپنی جیب
 میں سے ہلکی ہلکی شکل والا لاکٹ اور ہین پر تھک کر کے
 شہسوار کی منگی میں دے دیا۔

”سنبھالو اپنی امانت۔“ شہسوار نے آنکھیں پھاڑ کر
 پہلے لاکٹ چھین کر دیکھا پھر علیہ کو۔ یہ وہی گتے تھا

جو اس نے علیہ کو سالگرہ پہ دیا تھا۔ علیہ ابھی بھی
 حیرت میں تھی۔ سب چیزیں کھڑے حق و باطل دونوں
 ”کھڑے تھے۔“

”نہیں مجھے ہو بہت بڑے ہو گئے ہو۔“ مجھ سے بھی
 نڈھال۔ ”مقل بھیجے والے ہو۔“ یہ پھر رشتے صرف تم ہی
 بھائی تھے؟“ اسد اس کے کندھے پر زور وار مکار سید
 تھک کے بول رہا۔ ”سے ہل رہا تھا۔ اس پاس سارے بہت
 بے کھڑے تھے۔ اب علیہ بھی سر اٹھا کر دونوں
 ہاتھوں کو لپٹنے لگی۔

”مجھے بھائی نہیں سمجھتے ہوں۔“ اسد کی کوا: بھرا
 مٹی۔ جیل صاحب اور شائستہ دونوں تڑپا گئے۔
 ”بھائی سمجھتے تو یہ حرکت نہ کر سکتے۔“ اسد کا لہجہ دیکھ
 سے لہجہ تھا۔ شہسوار کی بھی آنکھیں جھلکانے لگیں۔
 ”تمہارے نزدیک میں پیشہ کی طرح آج بھی سوتلا
 رہا۔“

”بھائی بالکل نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ خدا کو یاد
 ہے۔“ شہسوار تڑپ کر اس کے گلے آگے۔ آسید اور
 شائستہ کی آنکھیں ہلنے لگیں۔

”اچھا چوہا اب پہناتو انگوٹھی۔“ اسے الگ کر کے
 اسد نے گلی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے حکم دیا۔

”بھائی میں۔“ شہسوار بے تکلف۔

”ہاں تم۔“ اسد نے اس کے انداز میں کہا۔

”یار تو تو یہ ہے۔“ جیل صاحب نے اسد کو بھیج
 کر کہا۔

”آپ تو اڑ بھڑ رہے تھے۔“ جیسے آپ سے بھی
 شک ہے۔“ اسد نے مصنوعی خفگی اٹھائی یا اس
 لہجہ۔

”مسک کر دے۔“ انہوں نے اس کا زور دیا
 تو مسکرا کر سر ہلانے لگا۔ پھر شائستہ کو دیکھ کر نظروں میں
 رکھا۔ اسد بھی مسکراتے لگا۔

شائستہ شہسوار کو علیہ کے پاس لے گئیں۔ جس کا
 ہتھ لٹ چکا تھا۔ کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر۔ خوش حوا
 نظر اس سے شہسوار کو دیکھ رہی تھی۔ علیہ کے پہلو میں
 بیٹھ کر انگوٹھی پہننے کے لیے علیہ کا ہاتھ پکڑا۔

تھوڑی دیر بعد مہارک ملاحت کا شور گونج
 اٹھا۔ وہی ماحول تھا وہی لوگ تھے ایک طرف غلط فہمی
 کا رونا ہٹ جانے سے منظر بدل گیا تھا۔ شائستہ آسید کی
 مبارکباد وصول کر کے اسد کے قریب جا کھڑی
 ہو گئیں۔ خوشی اور تشکر بھرے ”تسوؤں کے ساتھ اسد
 کو دیکھیں گئیں۔ وہ انہیں دیکھتے ہی سنجیدہ ہو گیا۔“

”اسد۔“
 ”صوبہ۔“ تو مجھے صرف آپ سے ناراض ہونا
 چاہیے۔ شائستہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ کتنا چاہا کہ
 اس کے یہ الفاظ انہیں چپ کر سکتے۔

”آپ نے مجھے جیسٹ سوتلا سمجھا ماما اب بھی مجھ پر
 اعتبار نہیں کیا۔ آپ کی محبت پر حرف نہ آئے۔ یہ
 سوچ کر آپ شہسوار کے ساتھ بالخصوص کرتی چلی
 گئیں۔ مگر اچھا تو میرے ساتھ بھی نہیں کیا۔
 وہ حقیقت مجھ پر اعتبار نہیں تھا آپ کو۔“ اسد کے
 لفظوں میں دکھ اور خجید گئی۔

”اسد! تم غلط سمجھ رہے ہو۔“ شائستہ کی تڑپ
 شرمندگی میں ڈھلنے لگی۔

”ہنا سمجھتیں تو شہسوار کی محبت قریب نہ کر سکتے۔
 شہسوار آپ کو مان تھا مجھ پہ نہیں؟“ وہ شکوے پہ کھڑ
 کر۔ ”اچھا کیا شائستہ اس کے ساتھ رہتی رہیں۔“

”مہمانیں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ اس خوف سے
 نکل آئیں کہ میں آپ کو کبھی سوتلا سمجھوں گا۔ کوئی
 آپ کو طعنہ دے گا۔ پھر مجھے شہسوار نہ سہی شہسوار
 جیس سمجھ لیں۔“

اس کے کھجے میں اتنا چھٹی۔

”میں نے شہسوار پریشہ شہسوار سے وعدہ کر سہل۔“
 انہوں نے اسد کے ہیکل پر اپنے ہاتھوں سے صاف
 کیے۔

”نہیں ماما! اب نہیں۔ اب شہسوار سے زیادہ
 نہیں شہسوار کی طرف۔“ بے شک اس سے کم سمجھیں
 مگر اپنا سمجھیں اور مجھ پر اعتبار کریں۔“

”ظلم کا ایڈ ہو گیا ہو تو کھانے کی کچھ کریں۔“
 اچانک جیل صاحب کی شوخ آواز ابھری تو اسد اور

شائد مسکراتے چہرے لیے کھانے کی ٹیبل کی طرف
 بڑھ گئے۔ سب خوش کہیوں میں مصروف تھے۔
 شہوار کی حلقائی نظریں علیہ کی تلاش میں
 چاروں اطراف گئیں۔ مگر وہ شاید یہاں سے اٹھ کر چلی
 گئی تھی۔
 کہاں؟ یہ وہ جانتا تھا۔



نہیں یہ رنگ تھاے وہ خشوع و خضوع سے
 روئے جارہی تھی۔ جب شہوار کے کھنکارنے کی آواز
 گونجی۔ شہوار ہنس کی جانب آیا تھا۔ سرشار و
 شادمان۔

”شہوار آگے مت بڑھنا۔“ وہ پینکاری مگر شہوار
 ہنس سنی کیے گئے بڑھتا آیا۔

”میں کہہ رہی ہوں آگے نہیں بڑھو گے۔“ انگلی
 اٹھا کر اس نے وارن کیا تھا۔

کہیں تم گولی مار دو گی؟ آتے زلزلوں بعد اسے دیکھنا
 نصیب ہوا تھا۔ شہوار کی شوخی بھی زندہ ہو گئی۔

”عزت ہماری ہے تو وہیں رک جاؤ۔“ علیہ نے اتنی
 زور سے غرائی کہ گلے میں خراش پڑ گئی۔ تب تک
 شہوار قریب پہنچ گیا۔

”میری عزت، میری محبت، میرا سب کچھ تمہارا
 بلکہ میں پورا اکاپور تمہارا۔“

”مجھے یہ وہ بھول نہیں جاسیے، سب کچھ تم میرے
 خاص جذبوں کے قائل نہیں۔“ وہ زور زور سے رو
 رہی تھی۔ کوازیپے تو کیا سات گھروں تک جا سکتی
 تھی۔ ہنس خوف سے شہوار نے ہنس کے ہونٹوں پہ
 ہاتھ رکھ دیا۔

”مگر تم کب دے لیتا۔ میں واقعی تمہارا قصور وار
 ہوں مگر ابھی۔“

”صاف نہیں کروں گی نہیں، ساری زندگی نہیں
 کروں گی۔“ وہ چلی۔

”مجھ نہ کرنا مگر ابھی تو میں پیار سے
 محسوس کر رہا اور مجھے بھی کرنے دو۔“ شہوار کا
 مصالحتانہ تھا۔ علیہ جب ہو گئی تھی۔ مگر سوس
 جارہی تھی۔ شہوار نے اس کی کو غیبت جان کر
 سچا جیلا رو پیدل میں اتارا۔

”قسم سے بالکل اسٹرابیری لگ رہی ہو۔“

”کیوں اس نہیں کرو۔“ اس کے یوں کہنے پر
 اختیار سے رخ پڑ گئی۔ شہوار نے جیب سے چین
 نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ حیران ہی ہو گئی تھی۔

”اچھی حفاظت کرتی ہو میرے گھنے کی۔“
 بھائی کی کار میں گرا آئی تھیں۔ تھینک کٹا کہ اس
 تم نے اپنی لور میری تصویر لگائی تھی۔ ورنہ

ڈراپ سین کچھ لور ہوتا۔“

اس نے کس کو ٹھٹھی بند کر لیا۔ شہوار نے اس
 وہی بند ٹھٹھی پکڑ لی۔

”مٹھری! تم دو بار تو مجھے ایسے بچ سفید حار میں
 چھوڑ دے گی؟“

اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ بے
 خوف۔ اس۔ شہوار شرمندہ ہو گیا۔

”بھئی بھی نہیں۔“ اس نے کھن پکڑ لیا۔
 ”مگر اگر ایسا کیا میں تو یاد رکھنا! اس وقت ہرگز

چھوڑوں گی۔ گولی مار دوں گی۔“

علیہ نے چھوٹی دو انگلیاں موڑ کر ہاتھ کو پھینک
 کے شہوار کی طرف اٹھایا۔ شہوار نے ہاتھ پکڑ کر

کی انگوٹھی والی انگلی کھول کر ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ دہانہ
 ہونے لگا تھا۔ سنجیدہ چہرے پہ لودیتی آنکھیں۔ علیہ

نے ہاتھ چھڑا کر ہاتھ پکڑ لیا مگر اب کہاں ہی سکتی تھی





"اماں! میں نے آپ سے کہہ دیا ہے۔ مجھے اب اس گھر میں داخل نہیں چاہتا۔ چاہے جو مرضی ہو جائے۔ میں اب اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" طیبہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔
"کیوں! کیا کوڑھ پڑ گیا ہے اس کی شکل میں اب؟"
"تپا سیکھنے لے ہاتھ نہ ملتے ہوئے کہا۔
"مہر آپ کو نظر نہیں آ رہا اور مجھے بتائیں کہ کسی کی بد صورتی صرف کوڑھ کی مرہوں منت ہے، اندر کا کوڑھ بھی ہونا ہے جو باہر آ جاتا ہے۔" طیبہ نے نفرت سے کہا۔
"دوسرا کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا۔ اگر دوسرا۔" طیبہ کوئی تکلیف نہ ہوئی تو اب کیا مصیبت چلتی ہے کہ تو گھر چھوڑ چھاڑ کر اگر بیٹھ سکتی ہے۔" اماں نے بے زاری سے کہا۔

"دوسرا میں نے ہی سہا ہے سب کچھ اور وہ بھی بڑی خاموشی سے۔ صرف اس اس پر کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ دکھ کے بعد سکھ بھی دے گا۔ مگر اماں! بیچر میں بھی کچھ دیتی ہیں؟ ان لوگوں کے پاس رہنے کے لیے عزت ہے ہی نہیں۔ خالی لوگ ہیں نہ! نہ عزت نہ محبت۔ صحیح کہتے ہیں لوگ! جس کے پاس جو ہوتا ہے وہی دیتا ہے اور ان لوگوں کے پاس صرف نفرت ہے اور وہ وہی دے سکتے ہیں۔ آپ نے صحیح کہا۔ دوسرا کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ میں نے ان بد سالوں میں پرکھ لیا ہے ان لوگوں کو نہ میں مدد دے۔" طیبہ نے زہر خند نظروں سے ان کی طرف

دیکھا۔ اماں نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔
"مگر یہ کنوں والی ہوئی تو گھر چھوڑ کر نہ بیٹھیں ارے! مجھ سے ایک شوہر نہ سہارا لیا۔"
"تپا سیکھنے جو طیبہ کی بیٹی! سن نہیں لے! ایک اور چھوڑ۔"
"آپ سے کہہ کا شوہر کن سا سہارا گیا ہے تو مار کھاتی ہیں۔" طیبہ نے بھی جھولی وار کر دی۔
"ہم تو تمہارا معاملہ چلانے آئے تھے۔ تم تو ہمارے ہی سر پر سوار ہو گئیں۔ ارے اگر مار کھاتی ہو سکتی ہو۔ اپنے گھر میں تو بیٹھی ہوں کسی کو کیا پتا کہ میں کھاتی ہوں۔ جیری طرح تو نہیں کہ گھر چھوڑ کر تھک جیسی بے وقوف عورت میں نے ساری زندگی دیکھی۔" تپا سیکھنے سانس لیے گھر میں۔
"اماں! میں بتاؤں آپ کو۔ اسی کی ساری ہے۔ اس نے ہی اپنا گھر بھاڑا ہے اور میں نہیں آتی تو لوگ مجھے طعنہ دے دے کہ مار دے گا۔ انہی نے اس نے اجازت ہی ہے مجھے بھی بیٹھنے دے۔ کی سیکھنے اب باقاعدہ دورِ انداز سے بولنے لگیں۔
اماں مسلسل سر جھکائے بیٹھی رہیں۔
اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

طیبہ آج صبح ہی اپنے سسرال سے اماں کے گھر آئی تھی اور اس نے اتنے ہی بتا دیے تھے کہ سسرال میں نہیں جائے گی۔ اگر اس کے شوہر سسرال سے نہ دی تو وہ حلالے لے لے گی مگر واپس نہیں جائے

بہادر مرے شرم کے ہوئے تھے۔ اماں کو پریشانی میں اور کچھ نہ سوچا تو سیکھنے تپا کو بلا لیا جو وہ گلیاں پھوڑ کر رہی رہتی تھیں۔ یہ ایک لوڑ کھاس جھیلی تھی اور اس حادثہ کی سب سے زیادہ بڑی لکھی لڑکی طیبہ تھی۔ جس نے میٹرک پاس کر رکھا تھا۔ تپا سیکھنے نے تو چھٹی جماعت میں ہی پڑھائی سے توبہ کر لی تھی۔

طیبہ کو پڑھنے کا شوق تھا۔ مگر میٹرک کے بعد اپنے اس کامیاب ایک بڑی جھیلی میں کر دیا۔ یہ جھیلی اسٹینس کے لحاظ سے نہیں بلکہ انفر لو خلاء کی تعداد کے لحاظ سے بڑی تھی۔ چاروں طرف پانی دیوار سماس مسر کیوں مذاق کی بات نہ تھی۔ بد مزاج اور بد سول کے ہنگاموں میں آجملہ نوالہ شوہر سولے پر ساک تھا۔

"اس سے خود ہی گھر سامنے کی کوشش نہیں کی۔" تپا سیکھنے نے سنو پوچھ کر نہایت نفرت اور حقارت کے ساتھ کہا تو طیبہ ہلکا اٹھی۔

"میں نے گھر سامنے کی کوشش نہیں کی! میں نے ۳۳ بے بے یقینی سے کیا کی طرف دیکھا۔" اماں نے پڑھائی کا رعب جھاتی ہوئی کہ وہ چار جماعتیں پاس اور توڑیں جماعتیں پاس۔" تپا سیکھنے نے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تو طیبہ کی آنکھوں سے سبے اعتبار آنسو لگا پڑے۔

"میں نے گھر سامنے کی کوشش نہیں کی! میں صحیح کہتی ہیں۔" طیبہ نے غیر مری نقطے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"میں صحیح کہتی ہیں آپ۔ شادی کے دو مہرے ہی ہتھے کیے اور سسرال کا سارا زہر انہوں نے بیج دیا۔ میری ناگ میں ایک ہنگ تک نہ رہنے دی۔ اماں! آپ کو تو یاد ہے نا کہ وہ سات گھنٹوں لوٹک میں نے کیسے بھائی گئی۔ مجھے سونا پہننے کا شوق تھا۔ میں نے تمہارا ہاتھ سوت سی کر لیا سو وہ پے جمع کیے اور پھر سولے کپ سے لے کر وہ ہنگ خریدی تھی۔ وہی وہ اماں! اس کے گرد جو سفید رنگ تھے اور درمیان میں سرنگ لکے لیے چاہتے تھے ہنسی المصموں کے بیج



کوئی دلہن بیٹھی ہو۔ میں نے پتا نہ لگا یا کہ اس کو نہ بچو مگر کسی نے میری نہ سنی۔ میں چپ رہی کیونکہ اماں نے کہا کہ شوہری سر کا کنگ ہونا ہے۔ میں نے گھر

برائے کی کوشش کی ہوتی تو چپ کیل رہتی؟
ایک ماہ گزرا تھا شادی کو کہ پاس سے بات بہت پر
مجھے تھپکیاں اور پراہنہ کہنا شروع کر دیا اور اکثر ہی ہاتھ
بھی اٹھانے لگا۔ میری غلطی تھی یہ جو سب کچھ۔۔۔
گئی۔ "طیبہ نے آنکھیں جھپکیں تو آنسوؤں کے
مولے مولے قطرے ایک لمبی قطار کی صورت میں
اس کے کالوں پر بکھر گئے۔

"اللہ نے اولاد کی خوش دینا چاہا تو وہ بھی ہدایت
نہ ہوا۔ میری بیٹی منہ نے مجھے بیڑھیوں سے دھکا دے
دیا۔ صرف اس لیے کہ وہ خود شادی کے چار سال بعد
بھی بے اولاد تھی۔ بشکل میری جان بچی مگر سب
سرالوں نے بد نصیب نور منوں کہہ کر میرا جینا
حرام کر دیا۔ پاس سے میری ہر ضرورت سے منہ موڑ
یا۔ مگر کے خرچ کے لیے مجھے بار بار ہاتھ پھیلا دیا۔
نہیں سے گلہ کیا تو آنسوؤں نے کہا کہ مجھے ہنر کس لیے دیا
ہے مگر میں سلائی کا کام شروع کر دے۔ مگر کاسار ابار
مجھ پر اگیا۔ جھکے بارے جسم کو وہ گھڑی آرام کے
نصیب نہ ہوتے اور میں مگر کاسار کام نہ پا کر لوگوں کے
کپڑے سٹائی کرتی، تاکہ میرے پیٹے کے لیے بھی
کپڑے میسر آسکیں۔ سرال دالوں کو سلائی کے لیے
آنے دلا اور میں بھی ہدایت نہ ہوتی۔ طیبہ اور
کہنے میری جان نہ چھوڑے۔

جب سلائی کا کام زیادہ ہونے لگا تو وہی ساس، دو مجھے
بد نصیب کہتی تھی اب مجھ سے پیسے ملنے لگی۔ سو
نے کاروبار چھوڑ دیا اور گھر بیٹھ گیا۔ وہ بھی مجھ سے پیسے
مانگ مانگ کر اپنا گزارا کرتے گا۔ اگر پیسے نہ دیتی تو
مارتا۔ انہی دنوں یا سر کے ابا کا ایک سیلنٹ ہو گیا۔
سارے محلے سے قرض لے کر پیسے اکٹھے کیے اور ابا کا
علاج کروا کر گھر لائے۔ وہ پیسے میں نے کیسے لوائے
میں حاشی ہوں یا میرا خدا۔ اس پر بھی مار پیٹ مٹا
گلوچ میں نے سہی۔ ایک نہ بیانی تھی چلو کھی کھار
آئی تھی مگر عین مندوں پانچ دیوہوں ایک شوہر اور
ساس مسر کو پالا ہے میں نے دو سال۔ ایک سے بڑھ

کر ایک ہڑ حرام۔ پورا اگر کچھ کھاتے تو غور ہی اڑا لے
ہیں۔ بے اولاد کی اور بانجھ پن کے طعنے میں نے
ہیں۔ اپنے بدن پر بار بار کھود میں نے سہا ہے۔ اپنے
گو کو لوٹے غل کی طرح جوتا ہے میں نے۔ اس
کے ساتھ دو سال گزارے ہیں جس نے وہ بل
کے نہیں دیے۔ ان شریکوں کو اپنی کمالی میں شریک
کیا ہے جنہوں نے وہ کہ کو میرا سا مکی بنا دیا ہے۔
طیبہ کے آنسوؤں کی رفتار لب مزید تیز ہو
گئی۔

"ہیں ابس ایک کام میں نے نہیں کیا۔ گھر سات
کی کوشش نہیں کی میں نے۔ اپنی دس جماعتوں کے
زعم میں رہی۔"
طیبہ نے طنز بھرے لب میں کہا اور گھٹنوں میں سر
دے کر رونے لگی۔

"مجھے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ میری تو اولاد بھی
نہیں ہے۔ جس کے لیے سب سہوں۔ اہل میں دہلا
بھی خود گماتی تھی۔ یہاں بھی کہوں کی آپ پر بوجھ
نہیں ہوں گی۔ بس اس جھت کا آسرا چاہیے۔"

طیبہ نے اہل کے قدموں میں بندہ کر لین کے
پکڑ کر حاجت سے کہا مگر اہل سے بھی آنکھوں نے
ساتھ اپنی بیٹی کو دیکھا اور اس کے ہاتھ جھٹک کر کہیں
ہو گئیں۔

"ہمیں لوگوں کی باتیں نہیں سننی کہ لڑکی کی بیاہ
کھاتے ہیں۔ ہم نے نہیں بیادو ہے۔ ہمارے گھر
سو فہر رہنے کے لیے اوٹ کر پھر رہے گھر علی حاد۔
میں ہماری اور تمہاری عزت ہے۔ تمہیں گھر میں
ہیں تو سیکھ کو بھی لواز طعنے دے گا۔ کل کو وہ
آجائے گی۔ اس کے تو چار بچے بھی ہیں۔ ہم کس کس
کو سہا لیں گے۔ اب گھر حاد۔ یہاں تمہاری کوئی
نہیں ہے۔ ہمارے لیے نئے مسئلے کھڑے نہ کر۔
اہل نے بے رحمی سے کہا اور کھڑکی کے پاس
کھڑی ہو گئیں۔ نہ جانے دور آسمانوں میں کیا تھا
وہ تک جاری تھیں۔

"شوہر کے سکھ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔"
اس خوفناک خاموشی کو تو سیکھ کی آواز نے توڑا
"مجھے نفرت ہوئی ہے اس کی شکل سے۔ جب وہ
مجھ پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو میرے دل سے صرف ایک دعا
نکلے ہے کہ اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔" طیبہ نے
نفرت بھرے لب میں رونے ہوئے کہا۔

توہ استغفار اللہ معاف کرے۔ تو تو اس کی
سلامتی کی دعا نہیں مانگا کر۔" آپا سیکھ نے کانوں کو ہاتھ
لگاتے ہوئے آنکھیں مٹا کر کہا۔

"کیوں مانگوں میں اس کی سلامتی کی دعا نہیں؟ مجھے
اب اس کے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے خلع ملنی ہے۔"

طیبہ نے چیخے ہوئے کہا۔
"چھ حلع ملتی ہے کیا وجہ بیاں کرے گی حلع
یہی کی؟" آپا سیکھ نے ہاتھ نہ چاتے ہوئے کہا۔
"وجہ؟ ابھی بھی آپ کو وجہ چاہیے۔ یہ جو وجوہات
میں نے بیاں کی ہیں یہ کم ہیں کیا؟ ایسے بھی اسلام میں
حلع لینے کے لیے بھی وجہ کھلی ہے کہ عورت مول کے
ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ بیوی کو اپنے شوہر کی شکل سے
نی نفرت ہے۔ یہی وجہ کافی ہے کہ مول عورت کو مارنا
ہے۔" طیبہ نے کہا۔

"لو کر لو کل تو بیوی حسین ہے؟" آپا سیکھ نے طیبہ
کا غصہ لگاتے ہوئے کہا۔ "لو جی، مجھے شکل پسند نہیں
ہے۔ نفرت ہے مجھے۔ مول عورت کو مارنا ہے۔" آپا
سیکھ نے طیبہ کی شکل اٹھاتے ہوئے نور نور سے ہنسنے
لگیں۔

"ہم نے تو اس کے بغیر ہی کیا عورت کا حسن مول
کے ساتھ ہے تو جتنی ہے کیا اس کے بغیر؟ شکل سے
نفرت ہے تو بیوی سوانہی ہے۔" آپا سیکھ ایک بار پھر
طیبہ سے الفاظ دہرا کر ہنسنے لگی۔ جیسے کوئی بہت ہی
مزاحیہ لطیفہ سن لیا ہو۔

مہمت ہی کم عورتیں ہوں گی جنہوں نے بھی اپنے
شوہر سے سارے کھلی ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ کوئی تیری
طرح کا سب و خوف سارے جہن کو تیار رہے اور کوئی

خاموش رہتا ہے۔ ارے جو مولارے نہ کہ کنور ہوتا
ہے۔ بھلی نہ ہوتی۔" آپا سیکھ ایک بار پھر چیخے لگی۔
"میں جاری ہوں اہل اپنے اسکول سے آنے
والے ہوں گے۔ نواز کو روٹی دیر سے ملے تو میری
بڑیوں کو ہی تنک لگا رہا ہے۔ میں سمجھی ہا نہیں کیا
خامس بات ہو گئی ہے۔ ابویس ٹینشن نہ لیا کرو۔"
آپا سیکھ نے چادر لیتے ہوئے کہا اور گھر کی دہلیز پار
کر گئی۔ اہل خاموشی سے روزانہ بند کرنے لگی اور
لشٹن پر حق دلی بیٹھی طیبہ کی نگاہیں ابھی تک چارابی پر
ہی جکھ لگی ہوئی تھیں جہن سے آپا سیکھ اٹھ کر گئی
تھیں۔

حضرت ثابت بن قیس ثنی بیوی نے ان سے خلع
لی تھی اور اس خلع کی وجہ جو احلیٹ کی کتابوں میں
بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی
بیوی کو ان کی شکل پسند تھی

طیبہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے چلے
گئے۔ جاہلیت کے اس دور میں جب روشنی کا منبع اور
مرکز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تب بھی
عورت کے حقوق کا خیال رکھا۔ اللہ نے اپنے کلام
میں عورت کو خلع کا حق دیا مگر اکیسویں صدی کے
اس ترقی یافتہ دور میں جہن عورتوں کے حقوق کے لیے
نہ پاس کیے جارہے ہیں۔ حقیقتاً عورت آج بھی
نہی دالیں ہے۔ کیونکہ ایہاں کی وہ کر نہیں لب صرف
مسجد میں کیے جانے والے مسجدوں میں رہ گئی ہیں۔ کج
بے شمار وجوہات کے باوجود گھر کی چار دیواری میں
مرنے کے لیے موجود ہے کیونکہ شوہر کے گھر میں
گزارا جانی زندگی چاہے ذلت سے بھری ہو مگر
پھر بھی باعزت کھلائی ہے۔

طیبہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور اپنا سارا بیک
کرنے لگی۔ شام کے وقت جب دھوپ ڈھل جائے
گی تو وہ دارالین علی جائے گی۔

طیبہ نے آخری فیصلہ کر لیا کہ کیونکہ ظلم کو خاموشی
سے سے دال بھی اتنی ظالم ہے جتنا ظلم کرنے والا۔

کسے گی اور اگر اس نے پہلے علی کا اہلدار کی
 روٹھے اور مٹانے کا بیش خاص طور پر طے کا یہ
 کہ وہ جیسے آئل لٹا دی ہوگی تھی۔
 اس کے بعد میں اس کی خوب صورت تو
 تھی۔ ڈاکو منزل اس کے لئے کوشش اور اس کے
 تمام چیزیں ہی، جواب میں یہ کہ اس کی
 تھیں اور اس کے لئے کہ اس کی تھیں۔ اس نے
 ڈاکو منزل اس کے لئے کہ اس کے لئے اس نے
 کہ اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

مکمل جدول



پھولوں کی دیکھو، ابھی بے حد جلدی رہتی تھی۔

وہ اپنے کلمہ کے بارے میں پک پک کر حد تک متنبی تھی۔ اس کا کیرا میں اس سے مدد درج تک تھی۔ اسے نیچ کر کے رکھ دیتی تھی، یہ تک اس کے ذوق منہ کی حوالے سے کیرے کی تکسکس کا بھی ایک کورس کر رکھا تھا۔ وہ اپنی سب سے بڑی غلطی خود تھی۔ اس لیے اکثر لوگ اس کے ساتھ کلمہ کرنے سے گھبراتے تھے۔ غصے نے بڑی دلچسپی سے اس کی ڈاکو مٹھی ظلم دیکھی اور چل دی بند کر کے۔ سوکھ کتا دل ایک دلع پھر لے کر بے ہوش ہو گیا۔ اس وقت اس کے قلب کی گھنٹی بجی۔ اس نے کلمہ سے کوئی میں وقت دیکھا، ان کے سارے ہاتھ رہے تھے۔

چل پاؤں میں ڈال کر رہے رہی، یہ پانچ تھپتے ہوئے دروازے کھولنے گیا۔
"مجھے یقین تھا کہ تم ابھی پرستاروں کی طرح پڑے ہو گے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر فوراً اندر داخل ہوئی۔

"تم بھی برسے وقت کی طرح ہو جو کبھی بھی آسکتا ہے۔" اس نے سر کھلاتے ہوئے کہا۔
"یکومت۔" لہور ہزار دلع کہا ہے کہ یہ گھر میں عمران ہاشمی بن کر مت پھرا کرو۔" جب کہ وہی ہے پھر رہے ہوتے ہو۔" اس نے کلمہ سے شرٹ اٹھا کر اس کی طرف اچھالیں سخت صدمے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہیں! نہیں! انہی اور انہی تک کرنے کی ضرورت نہیں! مجھ سے تو تمہارا ایک برا گرامر بدست نہیں ہو گا اور تم نے گھر میں بھی ڈرانے ماری شوہر کر دی ہے۔" وہ کلمہ پر پھیل چڑوں کو اٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ایک دنیا مٹی ہے میرے اس ٹاک شوہر جس میں تم سو سو کیرے نکالتی ہو۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ مصنوعی غصے سے بولا۔

وہ ہر ہے کہ مر رہے ہو گے لوگوں کو ہی۔ چہرہ سندھکتی ہے ورنہ زندہ اور عقل دانوں کو ایک منٹ میں پک چل جاتا ہے کہ یہ جو رشتہ میں کر رہا تھا، اس کو لڑا رہا ہے۔ یہ نری ڈرانے پار کر رہا ہے، ویسے تم لوگوں کو تو تم کے جذبات سے فیتے ہو۔ شرم نہیں آتی؟"

وہ گیلا تو ایک بار نہیں پر پھیلا کر مصیبت سے بچ رہی تھی۔ اس نے کئی سی اپنی ہی غصوں جس کے ساتھ مل کر رہا تھا۔ وہ کلمہ تھا۔ ہاتھ کو حسب معمول گل مل کر کے جوڑ سا بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی ران اس جیسی گریٹن خاصی نمایاں لگ رہی تھی۔

"اور جو تم ڈاکو مٹھی کے ذریعے دیا میں باہر کی پھیلاتی ہو" اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ شرٹ کے من کل سے بند کرنا ہوا۔ یہ کام کر کے وہ ایک دلع پھر صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔
"ہم روگ گفتار کے مازی نہیں۔ دیا کو حقیقت سے باخبر کرتے ہیں۔ ڈرانے ہاتھوں نہیں کرتے۔

حقیقت کر کے کام کرتے ہیں۔" وہ اب سی ڈیز کے ڈیز کو ان کے لٹکانے پر ترتیب سے رکھتے ہوئے انتہائی اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ سارے کاموں اکثر آتے جاتے یا پھر خصوصاً ان کو اکثر لڑی کرتی تھی۔
"ہم بھی سب سے دنوں کے بچے تھے کھونے کے بے سخت محنت کرتے ہیں۔ ایسے ہی نہیں ایک گھنٹے کا پروگرام ہو جائے۔" انھوں نے ہنسنے لگی اور وہ کلمہ تھا۔
"لوہا نام تم لوگوں کو آپس میں لڑانے میں خوب دھوا" بریک" لیے میں گزاردیتے ہو۔ آخر میں لگا کہ گئی نہیں۔" وہ ساری چیزیں ٹھکانے پر رکھ کر اب کمرے کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ کمرے کا چلیہ اب کافی بہتر ہو گیا تھا۔

"وہ تمہاری روشن لیل صاحبہ۔۔۔ کج بھی صفائی کے لیے تشریف نہیں لائیں گی کیا؟" اس نے کمرے کے کمرے میں بھی بھاٹکا جہاں ایک طرفان بدھ تیزی سے بولا۔

"نہیں کی ہو صاحبہ لے ایک دلع پھر کلمہ بہو۔" توئی کو کلمہ لے۔ خیر سے شہو میں کے کلمہ میں گئی ہیں۔ اسی روشن لیل آج کل ہر کی خد تھیں وہ ہیں۔" اس نے شرا لے کے میں کہہ "ماشاء اللہ۔" اندر ہی روم کر کے ان لوگوں کے مل پر ایک کمرے کا اندازہ کیا۔ وہ کہہ۔ "وہ اپنے اسٹب کنگ ہاتھوں کو جو گل گئے تھے اب گل مل ہوڑے کی شکل میں ایک دلع پھر کلمہ سے ہوئے خیرہ انداز میں بولے۔

"ویسے ان ایک مشورے دی تھیں تمہارے لیے۔" وہ کہہ کر بند کر گیا۔ اس کی گھون میں شرارت پھل رہی تھی۔ اس نے سولیہ نظروں سے لستہ لٹھا۔

"وہ کہہ رہی تھیں کہ اس طرح اپنی سے کلمہ اب یہ تھیں شہو بیٹا چھوڑے اور اگر ای گھر میں لے انہوں نے کوئی ماری زندگی کا فیکہ تو نہیں لے رکھا۔ مجھ معلوم کل اس کی لڑائی عروج پر تھی۔

"انہوں نے کون سا" ملنے "کا فیکہ لے رکھا ہے۔" میں نے دس تو چشیاں کھنکھیں ہیں۔ ہارنچ تم لے دیتے ہو؟" ان کا تو منت کار کھینچا ہوا ہے۔" وہ لب بکن میں آگئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سولے برتن آٹھے کر کے رجولی لٹل دی، ان سے لڑتی تو ان میں بولا۔

"رہا داندش لیل آ رہی ہیں۔ من دافن کیا تھا کہ پڑے آٹھ کی۔" تو یہ کواں تم پہلے نہیں کر سکتے تھے؟ خود کو لہارا کہہ ابھی سب کہہ دو۔" وہ باہر نکل کر کمر پر سخت لڑا کا انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پہلے کہہ دو تو تمہارا یہ گھر ٹو سب پ کیسے دیکھے کوئی آخر سے اس طرح۔ کام کرتی بہت ذرا رہتی ہو۔" وہ شرارت سے ایک آنکھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کوئے اختیار بھی آگئی۔
"خفت کو فرنگ رہے ہو۔"

"جیسا بھی ہوں" کلمہ تو تمہارے پہلے پڑ گیا ہوں۔" اس نے پھر ایک لکی جھلکی۔

"دوبارہ یہ ہاتھ جیسا کہ کھولا تو جبراً توڑ کر ہاتھ میں دے لگا کی کلمہ سے کل ہوں غصت پھیلا رہی ہے۔" وہ دوبارہ کلمہ میں جا کر چائے کا پانی چوسنے پر رکھ کر قلی تو اب ہاتھ فریش بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ کس کو تم سو سو باتیں سناتی ہو؟" اس کی اسرار نہیں فوراً لٹک کر سائی پر ایک دیا آہیں بھری ہے۔ یاد نہیں تمہاری، من سے لکھی تھیں کی تھیں کہ میں اس کے جشن شہو میں حصہ ملوں؟ وہ تو مجھے ایسی لڑائی پر پھپھہ نہیں تھی ورنہ اب تک تو میں لڑنگ میں تھلکے بچا ہوتا۔" اس نے کو معلوم تھا کہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تاہم یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے آج تک اس نے وہاں سے شہم نہیں کیا تھا۔

"تم شوہر کی دنیا میں تھلکے بچانے سے پہلے ایک دفعہ وائل روم میں جا کر اچھی طرح جھو کر آؤ ورنہ جیسے منہ پر ڈکر تم جانیں لے رہے ہو حلق کا کو ایک نظر آ رہا ہے۔ ایک دم جھل لگ رہے ہو۔" اس کا لہجہ سنجیدہ جب کہ آنکھوں میں شوخی نمایاں تھی۔

اور وہ خواتین ڈا بجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے کاروائی کے 4 خوبصورت ناول

آکٹوبر 2012	قیمت 500 روپے
نومبر 2012	قیمت 500 روپے
دسمبر 2012	قیمت 500 روپے
جنوری 2013	قیمت 500 روپے

پول نمونے کے لیے کتاب ایک لڑک 481 روپے
مکمل 12 روپے
کتاب نمونہ 37 روپے
32738021

"ایک بات تو تو ارفع عریض" وہ حد درجہ سنجیدی سے ایک لمحہ پھر اٹھ کر سوالیہ نظروں سے لے دیتے ہوئے احتمالی مصمصیت سے پوچھ رہا تھا۔ "جب تم سسرالیہ ونگ منٹری اسکرپٹ رائٹنگ کا کورس کرنے گئی تھیں اسی دوران تم نے "طغریات" میں بھی پی ایچ ڈی کر لی تھی کیا؟" ارفع نے اس کی بات پر اپنے ہونٹ پر کئے دلائل بے ساختہ مسکراہٹ کا گاہت صدائی سے گھوٹا اور دھن میں جاتے ہوئے ہوا۔

"جی جناب! میں نے "طغریات" میں پی ایچ ڈی اسی وقت کی تھی جب تم انگلینڈ سے "سکسٹی اور کالی" کے ڈپلومے لے رہے تھے۔ یہ غور تم نے ان ڈپلوموں میں پوری پوری خوشی میں تپ مگی کیا تھا۔" وہ کون سا اس سے کم تھی۔

"کاش تم میری تلمیذ اور کزن نہ ہوتیں کاش اہم میری ہونے دلی مشکوہ اور میری آخری محبت نہ ہوتیں۔" وہ اب وہاں سے ہاتھ "ہائے! ہائے! ہائے! باب! لیکن خاتم رشتے دانوں میں اپنے اکلوتے بیٹے کو محمود گئے یہ بھی نہ سوجھا کہ دنیا کتنی ظالم ہے۔"

"یہ چائے کا کپ پکڑو اور ایکٹنگ بند کرو۔" وہ اپنا مکہ قدام کر سامنے بڑے قلمو کشن پر بے تکلفی سے اتنی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک پلیٹ میں کیک رسی پر رکھے ہوئے تھے جن کو وہ چائے میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔ گھر نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی نالی خاصا "ایرانی حسن کا ایک ناجواب نمونہ تھیں وہی چیز وہ اشت میں اس کی بنا یعنی حضرت کی نالی اور ان کی بیٹیوں کو دافر مقداد میں ملی تھی۔ بے تحاشا سرخ و سفید رنگت جیسے کسی نے وہ وہ میں باکس لال شریعت کھول دیا ہو۔ بے داغ جلد "ستواں ٹاک" اٹلاؤ دار ہونٹ "بلوئی رنگ کی کنوڑا سی آنکھیں "لب لب لب اور اٹھائی مناسب سرلا" وہ جس قدر خوب صورت تھی اس سے زیادہ اپنے حسن سے لار ہوا۔

"تم نے رات بھر میں دیکھا" شرمین بیہ چٹائے نے "سکر ہواڑ کی تار میں تھمکے بچا دیا ہے اس کی ڈاکو منٹری فلم "سیو گنگدی میں" کیا گیل کی چیز ہے۔

مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ آسکر کی جڑ اسی سلا تاریخ میں پاکستان کا نام بھی درج ہو گیا۔ کمال کر دیا شرمین نے۔ "وہ کھٹے دل سے اسے سر لار رہی تھی۔" اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ "سیو گنگدی" نہیں "لنٹن میں مسلم پاکستانی نژاد برطانوی ڈاکٹر جو کہ کے پاکستان دہلیں گئے اور ملک میں تیزاب کے حملوں کا شکار خواتین کے حوالے سے فلم پر ایک دستاویزی فلم ہے۔ عام سی کہانی ہے۔ یہ خاص ہے اس میں؟" وہ چائے پیچے ہوئے سنجیدی سے ہوا۔

"گھر دیات! میں قدر اہم کام کو تمہاری سی کمال کر رہے ہو؟ اس کے کام کو میں الا قوامی سنگ پر سر لار رہا ہے۔ مثلاً اسے فلم کا سب سے بڑا اعزاز "آسکر ایوانز" کیا معنی بات ہے؟" وہ چائے میں کیک کی سگونا بھول کر حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ایک بہت بڑا ارفع عزیز ایک درجن صدیقی نے اپنے کام میں ٹھیک نہیں لکھا کہ "آسکر ہوا کولی اور علی اعزاز" صرف اس صورت میں کسی پاکستانی شخصیت "لوارے" جیسے یا اس میں جی! کالی مقدہ کیوں بننا ہے جس میں پاکستانی معاشرے کی گھنٹی کی شخصیت اور نفرت انگیز تصویر پیش کی گئی ہو۔ ہمارے سینے پر ایک حمد سہا پاکستان کو بظاہر شباشی کی جاتی ہے لیکن در حقیقت پاکستان کا تیزاب وہ مسخ چھو ساری دنیا کو رکھا کر یہ تار دیا جاتا ہے کہ پاکستان درندوں کی کہیں گاہ ہے۔"

"تو کیا ایسا نہیں ہے ہماری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان میں ایسا ہوا ہے کہ کوئی مذہب تو نہیں۔" ارفع کی رنگت کی سرخی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"یہ صرف پاکستان میں ایسا نہیں ہو رہا انڈیا، بنگلہ دیش، نیپال اور حتی کہ یورپی ممالک میں بھی ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں پھر صرف پاکستان کو ہی ہر جگہ پر کیوں نمایاں کیا ہے؟" حضرت کی آنکھوں سے بھی تاراضی بھولی۔

"اس لیے کہ قیاس رائز فاؤنڈیشن نے عورتوں کے حوالے سے ایک سروے میں پاکستان کو عورتوں

سے بے تیرا یہ خطرناک ملک قرار دیا ہے۔ بے نمبر اخلاقی دورہ سرے پر ڈھک کر ٹیک ری پلنگ آف کاٹو ہے۔" بحث میں بار بار اتنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"ہونہ۔" حضرت نے ناک سے فرضی کھٹی اڑائی۔ "کون سی احمقوں کی جنت میں رہتی ہیں آپ ارفع عزیز صاحب! یہ سروے کرنے والے کون کون ہو گئے ہیں؟ اور اپنا بیٹہ لگا کر کے کون دکھانا ہے مغرب میں عورتوں کو جیسے پھر مل کی طرح رکھا جاتا ہے۔ مل! لے! دن ان کے اجازات بھی ایسے واقعات سے محبت ہوتے ہیں۔ کپ ہا نہیں کون سی دنیا کی بات کر رہی ہیں۔" وہ کھٹی بی بی کا ایک کامیاب ایسکو پر بن تھا جس کے سر پر گرامی برننگ خاصی زیادہ تھی۔

"نہیں! اگر فلم ہوتا ہے تو انصاف بھی ہوتا ہے۔ ہماری طرح ساری زندگی عدالتوں کے دھکے کھاتے نہیں رہو گے۔" وہ پھٹ پڑی۔

"چو! تم نے یہ تو مانا کہ وہاں بھی ظلم ہوتا ہے ہمیشہ یاد رکھنا کہ ظلم تو ظلم ہی ہوتا ہے چاہے وہ سو پر ہوا عورت پر "لیکن ہمارا الیہ یہ ہے کہ ہم ظلم کو بھی ہمیشہ منصفی تعصب سے ختم کرنے میں فٹ کر کے دیکھتے ہیں۔"

حضرت بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا لیکن اندر کی منتظر بیٹہ کی طرح اس مرحلے میں داخل ہو چکی تھی جس کا تھما ایک رو دار جسم کی لڑائی پر ہی ہوتا تھا۔

"تم سے تو بحث کرنا ہی اصول ہے کہیں کی بات کہل سے جاتے ہو۔ اصل میں تمہیں تکلیف شرمین کے اہورا لہنے پر ہو رہی ہے کہ یہ آسکر اگر پاکستان کا نام بھی تو ایک عورت کے ہاتھوں۔" وہ اس کے اس "شاہکار" کشش پر بکا بکا رہ گیا۔

"اشعد عہد! کاش کہ جس موضوع پر کام کر کے اور پائی دنیا کے سامنے پاکستان کا منہ کھ کر کے اس کے بیکاروں کو اہورا لہا ہے یہ اعزاز شکر ہے کہ کسی پاکستانی سروے کے حصے میں نہیں گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کہہ دے۔" پھر اٹھتے گھرے اشتعال کو چھپا کر وہ شمس قمر سے بول تھا وہ نہ ارفع کی یہ عادت اسے

خاصی ناپسند تھی کہ وہ خاصے ملا قسم کے انداز سے لگاتی تھی۔

"دیے ایک بات تو یہ! میں تمہیں یہ دقتی اتنا تک نظریہ و قیالوس لگتا ہوں کہ میں منصفی تعصب کا بات سے بات مظاہرہ کروں؟" تو خود سادہ رنگ کر اس کا سوجھا ہوا منہ دیکھتے ہوئے ہوا۔ "منصفی تعصب آج کل نہیں بلکہ مجھے اتنا پتا ہے کہ میری ہر بات کی مخالفت کرنا پیدائی کتنی کور معاشرتی حق سمجھتے ہو۔" تب کر گھر سے ہاتھ ہوئے اس نے بیٹہ کی طرح ایک "اور" علامت انداز لگا دیا تھا۔ وہ اپنے گھر جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ختمے دوسرے کا کھانا کون بنا کر دے گا؟" یہاں سے وقت بھوک لگی ہے۔" اسے جانے دیکھ کر وہ بند کواڑ میں ہوا۔ لہجے میں سارے حمل کی مصمصیت سموتی ہوئی تھی۔ وہ چلنے چلتے رک گئی۔ پیچھے مڑ کر کھا جانے والی غصوں سے اسے دیکھا وہ شوخ غصوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں نہیں لے رکھا۔" اپنی بات گھر کر اس نے غصہ کر کے دروازہ بند کیا تھا۔ خطر اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

اس کے فلیٹ سے نکلنے کے ٹھیک دو منٹ بعد اس کے کل فون کی آواز آئی۔ اس کو ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ یہ ارفع عزیز کا ہی مسج ہو گا اور وہی ہوا تھا۔

"لیکن میں سرخ لہج یا کس میں لہجے گوشت کا سامن ہے "ٹھونس لینگ" اس کا مسج پڑا کر ایک بے ساختہ فتنہ اس کے حلق سے نمودار ہوا تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد ارفع کو اس کا مسج "قد" گاڑی کی ابھی بینک کی لمبیں ملی ہیں تم اس لیے آٹھویں کھول کر اور دلیغ فتنہ کر کے چاہیے تھوڑی تو خیر ہے گاڑی الیہ تھی ہے۔"

"ہائے ڈارنگ! تمہیں معلوم ہے کہ سائنس

جیسا کہ اس اہل بیتؑ جاکہ اس کے حوالہ سے اہل بیتؑ کو ہر رنگ

”بندے کی اگر شکل اچھی ہو تو اسے بہت پس ہے
 بھی روانہ اچھی کھلی چاہیے۔ فیضانِ کرب کو ہم میرٹ
 میں ہی ڈنر کرتے ہیں۔“ وہ خلافِ توقع جلدی مارا

□ □ □

”بھئی ایتھاری جن کے ساتھ کہاں کسی اور ہے

جزاں تھیں، جن میں عفوہ ایک، ست اچھی دینا
وہ حسد و اکثر تھیں۔ کچھ عرصہ سے انہی میں مقیم

نہیں۔ ان کے میاں بھی پادشک سرجن تھے۔ ان کی چڑواں، بہو کی شادی ایک پڑوسی سر کے ساتھ ہوئی تھی اور ان کا اپنا بھی رجن شویز کی طرف تھلا کر جکل وہ لوں میاں بیوی کے پرفیشن ہاؤس کے زیر اہتمام بننے والے ڈرائے خاصے مشور ہو رہے تھے۔ ان دونوں سے چھوٹی ساں عزیز تے ٹیکٹا کل ڈیر سنگ میں باہر سے کلن کو ر سز کسے کے بعد نہ صرف اپنی ٹیکٹا کل مل کو کامیابی کے ساتھ منبلا ہوا تھا بلکہ وہ فیشن اینڈ سٹری میں سہ جزئی سے اگرتی ہوئی ڈیر انسو کے طور پر بھی ملتی ماری تھی۔ اس کی بوتیکس اور فیشن شو کا خوب چچا تھا۔ اس سے چھوٹی اسیج کا رجن بھی شوہر کی طرف تھا لیکن وہ اپنی تمام تر توانائیاں بس ڈاکو منزی للہ کی طرف مرکوز کیے ہوئے تھی۔ صوفیہ بیگم خود بھی ایک کامیاب بزنس وٹمن تھیں۔ وہ اپنی گارمنٹس ٹیکٹری کو منبر لے کے ساتھ ساتھ سارہ کا بھی خوب ہاتھ ماری تھیں۔ اس کے علاوہ رفقی کاموں کے سلسلے میں بھی وہ خاصی متحرک تھیں اور خواتین کے حوالے سے ایک تنظیم بھی چلا رہی تھیں۔

”تم آج کل کچھ زیادہ بولڈ ہو کر کام نہیں کر رہے ہو؟“ ایسے ایسے خطرناک قسم کے جتے بولتے ہو کہ لما کا بی بی کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ”ساں کو اچانک سی یاد آیا تھا۔“

”میتا ازرا سنبھل کر اور حلقہ انداز میں کلمہ کرتے ہیں جن لوگوں کے خلاف روڈ بولتے ہو؟“ وہ کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دیں۔ میرا تو دل ہی دہکتا رہتا ہے۔“ صوفیہ بیگم کے لئے اور انداز میں اس کے لیے محبت اور شفقت کی فرا دالی تھی۔

”ان میں سے بہت سے لوگ جو کل ایر پوڈ کر رہے ہیں ایک دوسرے کے حالی دشمن و کھلی دیتے ہیں پروگرام کے اینڈ میں چائے پی کر خوب بے تعلق کے ساتھ ایک دوسرے سے کپ شپ نگاہے ہوئے ہیں پگل ہاتے ہیں بس عوام کو۔“ ہمیں کے بے میں دیوہا سا فخر تھا۔

”مجھے مطمئن سے بیٹا۔ جسک تم پھر بھی ذرا احتیاط کیا کرو۔“ اسے ان کی محبت پر بھی کبھی شک نہیں رہا تھا اس لیے مسکرا کر بولا۔

”میں کس ملدا آپ ماہو آئی کی پرفیشن ہاؤس کے مذاکرات سے اور ساں، سو کے ٹھکانوں والے ڈرائے رکھ کر ہیں۔“ عین کریں ڈراموں میں اتو رہا سر دکھ رہی ہیں کہ میرے جیسے بندے کے کاموں سے جو میں لے رہے ہیں تو بلی وگس کا یہ حال ہوگا ہوگا میں نے کل انیس فون کر کے کہا تھا کہ مجھ خدا کا خوف کریں۔ کیوں نہیں ڈرنا کا مال آپ لوگ خراب کر رہے ہیں؟ ایک تو سٹیل فون کے پکھنڈے آدھی لوہوں کل کو جھک کر رہا ہے اپنی ان ڈراموں کے ذریعے کپ ہو کر رہے ہیں۔“

”یہ تو بہت اچھا کلمہ، میں خود ملاں سے کہتی رہتی ہوں کہ اچھی اصطلاحی قسم کی کلمیں پر صاف تھوہ ڈالے پھر لیکن وہ کہتی ہے توگ کی دیکھتا چاہتے ہیں۔ حد سے بھی۔“

صوفیہ بیگم کے انداز میں فکلی کا غصہ لڑیاں تھا۔ چین کے سرستی فکر کے سوٹ میں ان کی سفید اور شفاف دست تک رہی تھی۔

”آپ کب چائے بنا دیں؟“ وہی ایسا ہے، لانے کے ساتھ چائے پڑنا ہے۔“ کلمہ کھاتے ہوئے ساں نے تبصو کیا۔

”وارہ بیٹا، یہ بھی خوب کلمی تپنے۔“ مانہ کون سا آہلی کلن نے آکر سہا ہے وہیں بھی آپ جیسے ملتی ہیں اور کلمہ پھیر کر ان کو بھی ہیں جس کو جو جمل چاہے، کلمہ کرنے جاتے۔ بیٹا! اپنی اخلاقی انداز اور دیوت کو خود زندہ رکھنا پڑتا ہے اور جو قوم ایسا نہیں کرتی وہ تاریخ کے نور حق پر محبت کا نشان بن جاتی ہے۔“ صوفیہ بیگم کے ہاتھوں سارہ کی دھلائی پر خطرے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

”ماں! اس کو محبت کا نشان بنا رہی ہیں آپ؟“ ہر سٹ رائج ہوتے ہوئے بڑی جھلت میں باہر آئی تھی۔

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا، کھلتے ہوئے گلی رنگ کی لمبی ٹیگس کے ساتھ سفید چوڑی وار پانچہ اور کوہا پوری ٹیل میں وہ آج نظر لگ جانے کی حد تک چار کی ملک رہی تھی۔ ان خلاف علوت کا کنگا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ ٹنگ لپ گلوں، ہلش ٹین اور بڑی عمارت کے ساتھ آئی لانو کا استعمال بھی کر رکھا تھا۔ ”کلموں میں کامل کا بھی ہے ورخ استعمال کیا گیا تھا۔ اس نے اسے کمر تک کٹے کٹی پھل کو پیچھے کا سا بول کر رکھا تھا۔“

”ماں! اللہ بیٹا! اللہ! نظریہ سے چائے۔“ اسوں نے فخر کے ہانکے پاس کٹری اپنی باز ک سی بیٹی کو محبت بھرے انداز سے دیکھا۔ یہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ کلم تھا۔

”مبارک ہو ملا! آج آپ کی اس بیٹی سے بھی آخر کار ہاتھ منہ دھو لی لیا، کون سا منتر پڑھ کر پھرنا ہے؟“ ساں کے فو معنی انداز اور شرارتی نظروں سے وہ دونوں سٹپٹے۔

”توبہ ہے ساں! ایسے نہ میری بیٹی کے پیچھے پڑ جلیا کرو۔“ لمانے اسے ٹو کا تو وہ ہنسنے ہوئے ہوئی۔

”آپ کو یاد ہے لما! اس نے آخری دفعہ شووار ٹیگس موی آئی کی شادی پر پٹا تھا آج سے کوئی تین سال پہلے۔“

”تھیں کیا پر اہم ہے ہمیں؟“ انوں یا نہ انوں؟“ وہ بیک طرح ہی تھی۔

”مجھ دیے تو کوئی پر اہم نہیں۔“ ہل حسب لوگوں کو بنا چلا ہے کہ ڈیر انسو سارہ عزیز کی، بس یہ اہل جیل جٹے والی لڑکی ڈیر انسو سے تو وہ میرے کام کے حوالے سے بہت مشکوک ہوتے ہیں۔ ویسے اسیج! اچھی خاصی ہو میرے پکھٹ جین شریں ملا رنگ کہیں نہیں کرتیں؟“ ساں ایک، م خوش میں تکی سامیج کوہ اکثر دیشتر اسی طرح سے راسی کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی لیکن اس کو اس کام میں کوئی دیکھی عموں نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے وہ صاف انکار کر دیتی تھی۔

”یار کرو بھل! میری بہت زیادہ دست بردائیں دار ہیں۔“

کی ٹیکٹیشن مانتے تھے وہی سے مجھے نہیں ہے کہ تم سب دھنک کھلت دھنک۔“ ساں نے اس کی منت کی۔

”جی نہیں، اسیج کسی کیت واک میں حصہ نہیں لے گی۔“ فخر نے ایک دم ہی اس کی بات کٹ کر جھلت میں کھنکھنایا۔ ایک لمحے میں سنجیدہ ہوا تھا۔ اس کے تجوی سے بدلتے تاثرات پر وہ تینوں ہی بڑی طرح سے چوکی تھیں۔ جس کا سر سے اس کا عشق تھا وہاں سے باہر ایک عام سی ہلت تھی۔ خود راہہ اور ساں بھی اسے فیشن شو میں حصہ لے چکی تھیں۔

”اس میں کیا حرج ہے؟“ ساں کو اس کا ہل تو کنا بہت پرانا تھا لیکن وہ بھی قدرے سنبھل کر بولی۔ ”موتیوں نہیں ہے لیکن مجھے پند نہیں کہ اسیج ایسی کسی کیت واک کا حصہ بنے۔“ ساں کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات کی وجہ سے اس نے اپنا انداز قدرے سنبھال دیا۔

”کیوں؟ جب تم اپنے دوست حسن کی قابل اور سز کے فیشن شو میں حصہ لے سکتے ہو تو اسیج اپنی مٹی بسن کے لیے کام کیوں نہیں کر سکتی؟“ ساں نے پھر حیرت بھری ناگواری سے اسے اس بہترین دوست کو دیکھا جس کی شخصیت کا یہ رنگ اس نے کبھی دیکھ رکھا تھا۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات اسیج کی خاموشی تھی۔

”اس کیت واک میں میں نے مجبوراً حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد میں کسی ایسی ایکٹیوی کا حصہ نہیں بنا۔“ اور جمل تک اسیج کی بات ہے تو ساری دنیا جانتی ہے کہ میں اس کے معاملے میں کتنا حساس ہوں لیکن پھر بھی اگر اسیج ایسا کرنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ ایک سو ہی چند ہی ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میں تاریکی کا غصہ صاف جھلک رہا تھا۔

”کیا فضول بحث کر رہی ہو ساں! اچھیں اسیج کے مزاج کا طبع نہیں؟“ وہ کیوں تھوڑے کسی فیشن شو میں حصہ لے گی؟ فخر اگل ٹھک کہہ رہا ہے۔ ہے میں اسیج؟“ صوفیہ بیگم کے لیے کئی معنی تیزی اور اس میں

موجود جو اب کو اس نے اپنی تیزی سے سمجھا تھا۔
 یہ ہو گیا ہے۔ حضور انیس چوتھے مجھے اس فضول
 میں شور و ریت و اک میں کوئی دلچسپی نہیں پھر کیوں
 بحث کر رہے ہو؟ جواب تھا۔ "اس کے لاپرواہ
 نواز پر صرفہ بنیم کے چرے پر ہنسی تیزی سے سکون
 کی طرف دنگی۔ اس سے زور تیزی سے سارہ کارنگ
 پر پڑا تھا۔ حضور اس طرح سے کھڑے کھڑے پہلو
 دیا۔ وہ اب بہت غور سے سارے کا چہرہ دیکھتے ہوئے
 ہاتھ شراعت کھڑے انداز میں ہاتھ۔
 "وہ سارے کو کچھ لی تمہاری دوستی۔ خبردار اتم سے
 کہیے کبھی اس طرح کو اپنے مشن شو میں حصہ لینے کی
 دوستی میں مر گیا ہوں کیا۔"
 "اچھا تو تمہیں میرے فیکٹور دہانہ ایسے فضول
 ڈنک ہوگے۔ بولے تو میرے ہاتھوں نمودار شہید ہو جاؤ
 گے۔" سارے نے اس کے کندھے پر زوردار مٹکا مارا۔
 "ہائے ہائے! مارو مارو عالم ٹکی لے۔" لہف میرے
 کندھے کی دو تین بڑیاں تو ٹوٹ ہی گئی ہوں گی۔" وہ
 مصنوعی تحلیف کے احساس سے دہرا ہوا ہاتھ۔
 "پور بیٹھ رہے۔ آئیے وہ آلی کاٹھن۔ لوں کے اگلے
 ڈرائے میں رنگ لڑائی ہوں۔" سارے نے دھمکی دی۔
 "بٹنگ تو اس کی اپنے پڑ کر اس میں بھی عروج پر
 ہوئی ہے۔ جب مختلف سیاستدانوں کو شہر دے کر
 انہیں میں لڑا ہوتا ہے۔ ہر وقت ڈرائے نہ کیا کرو
 سمجھا! ارفع نے اس کا ہاند پکڑا اور زبردستی کھینچ کر
 پورن کی طرف بڑھ گئی۔



دونوں ہاتھ لٹا میں پھیلا کر گویں گول کھوٹی ہوئی
 ایک مصیبت سی بچی لگ رہی تھی۔ بارش اس کی
 کنوڑی تھی اور اسام آباد کی پانڈیوں سے اسے
 عشق تھا۔ ہر وقت وہ رات کی دھند سے بارش کی
 ہانسی کو دیکھتے تو نہیں کتنی تھی لیکن انہیں محسوس
 کرتے ہوئے اس کے چہرے پر پھیلے خوب صورت
 رنگوں کو حیرت بہت نرالی سے پڑھ سکتا تھا۔ وہ

دونوں "منزل ریٹورنٹ" کے سستا رہ سکون کوٹھے
 میں بیٹھے آسمان سے گرتی بوہدوں کو مسلسل سے گرنا
 دیکھ رہے تھے کہ اچانک ارفع نے اٹھ کر بے اختیار
 بارش کو انجوائے کرنا شروع کر دیا تھا۔
 "حضور! بارش کی بوندیں کتنی خوب صورت ہوتی
 ہیں نا۔" وہ کھلکھلائی۔
 "ہاں! لیکن تم سے زیادہ خوب صورت دنیا کی کوئی
 چیز نہیں۔" اس نے ہالو سے پکڑ کر اسے سارے دان
 کر دی پر بھانستے ہوئے انتہائی جذبہ اور سچائی سے کہہ
 دیا۔ "ایک دلکش سی مسکراہٹ نے اس کے
 ہرے کا حال کیا۔
 "میں تمہیں دنیا کی سب سے خوب صورت چیز
 گنتی ہوں؟" وہ ایک تریک کے عالم میں مانتے بیٹھے
 حدود جدو گشت شخص کو دیکھ رہی تھی جس کے سامنے
 اسے اپنا کتب بھی بھی نہیں لگا تھا۔ اس کے لہجہ
 میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ خود اس کی بدولت
 آنے والی ای میل پڑھتی تھی اور مل کھول کر ہنسی
 تھی۔ وہ دونوں بہت سادہ سے محبت کی مضبوطی اور
 سے بندھے ہوئے تھے۔ اے لیوٹر کے بعد جب وہ
 پاکستان آیا تھا تب اس نے پہلی دفعہ اپنی محبت کا اظہار
 کیا تھا اس کے بعد سے وہ دونوں ایک دن کے
 محلہ کے کی بلور سے بندھے ہوئے تھے۔
 "اس میں کوئی شک ہے کیا؟" حضور نے بے اختیار
 ہی اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تھا۔ ارفع جیسی
 پراہٹ اور بولڈ لڑکی بھی ایک لمحے کو جھپٹ گئی تھی۔
 دونوں ہی ایک دوسرے کے معاملے میں حد درجہ
 جذباتی تھے۔ دونوں کی بدن میں گلی دھند لڑائی ہوتی لیکن
 اس کے باوجود ان کا ایک دوسرے کے غیر کڑاؤ نہیں
 تھا۔ جن دونوں وہ آسٹریلیا اپنی پہلی کے سلسلے میں گئی
 تھی مگر دونوں بھی وہاں کے کئی پکڑا گیا تھا۔ ان کی
 روز انکاپ (skype) پر بہت ہوتی تھی ایک
 دوسرے کو دیکھنے کے کارڈز پھول اور گفتگو کی تعریف
 بھی بڑا ہوں تک پہنچ چکی تھی۔ وہ دونوں اپنی پھولی
 سے پھولی بہت بھی ایک دوسرے سے بیان کرنے کے

بھی تھے۔
 "لوئے! آجہاری جوڑی پھر میں پہنچ گئی۔ بلیا
 جان چھوڑ دو اس کی۔" شاہ کی توازی پر وہ دلہن بری
 طرح اچلتی۔ وہ ان کے سامنے کھڑی کھلکھلا رہی
 تھی۔
 "تم میں سے ہر جگہ ٹھیک پڑتی ہو۔" ارفع نے
 اپنے ہی طرح ڈالتے ہوئے دل کو ہنسنے سمجھاتے
 ہوئے لست گھورا شاہ سارے نے ان کی شراعت
 اپنے چہرے پر سوائے کھڑی تھی۔ وہ ارفع کی ہنسی
 دست کر۔ اس کیو سس میں ہاتھ کر کے کے
 بعد ایک کھنکھارے سے واسطہ تھی۔
 "بہت اچھا۔ کیسے کے ساتھ تلی تھی لیکن اسے
 اپنی کول پڑی کس فریڈ نظر آتی تھی۔ جو تمہاری طرح
 خوب صورت بھی ہے۔" اس نے وہیں اس کو بیٹھا پانا
 ہے۔ وہ اس کے کچ کی مٹھو ہوں۔ اتنا بھوت
 پڑا تھا کہ اس کے کتنی اس لیے لپٹنے کے لیے یہاں آ
 کی۔" اس نے بے تکلفی سے اپنے ہاتھوں زانو کرنا
 کے ہرے میں تیار ہو اس کے ساتھ ہی اظہار کے لیے
 انہیں کھینچ کر تفتیشی پر پورنگ کرنا تھا اور حضور
 کا بھی یہاں بہت دست تھا۔
 "آج ارفع کی طرح خوب صورت ہے تو میں بھی
 معیہ کے ساتھ رہ کر آتا ہوں۔" حضور نے شوخی
 سے کہہ۔
 "تو ارفع جیسا کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔" وہ بے
 ہمتی ہوا۔
 "تم ایک دوسرے کو کبھی دوسرے مجھے سارے میز
 پر دیکھو دوستوں کے ساتھ نظر آ رہا ہے میں داراں
 سے لے کر آتا ہوں۔" حضور کی اپنے دوستوں کو دیکھ کر
 کے سب سے پہلے ملتی رہا تھا کہ راستے میں لڑکیوں
 سے یہ کہہ کر اپنے لیے کھیر یا شاید اسے پہچان
 چکی تھی۔
 "سچ نہیں اور نہیں لگتا؟" شاہ نے اس کی
 غلوں کے خائب میں دیکھا جہاں حضور اب جا رہا تھا
 کھڑے رہا تھا۔

"تو کس بہت کا؟" ارفع نے حضور سے غلوں میں ہار کر
 حیرت سے اپنی اس پر غلوں کی دوست کو دیکھا۔
 "حضور کے حوالے سے۔" دیکھو میں لہو میڈیا سے
 تعلق رکھتا ہے اور ڈھنگ پر سٹائی کا لک ہے اس
 نے اکثر لکھا ہے کہ مختلف ملکوں میں لڑکیاں اس
 کے گرومنڈ رہی ہوتی ہیں۔"
 "کم کن شاہ! ڈنٹ لی کل۔ مجھے اس سے کوئی
 فرق نہیں پڑتا۔ ایک تو مجھے حضور پر اپنی ذات سے بہت
 کراہت ہے اور دوسری بات یہ کہ جو میں ہوں وہ اس
 میں ہوں۔ حضور کو مجھ سے بڑھ کر کوئی اور مل سکتی ہے
 کیا؟" شاہ نے چمک کر اس کے بے دلی حسن کو
 دیکھا۔ اس کی خوب صورتی کو اس کے پراہٹ انداز
 نے چار ہاتھ کا رہے تھے۔ شاہ نے تعلق انداز سے
 اپنے کندھے جھٹکے۔
 "تم ٹھیک کہتی ہو یا راجہ حسن میں ہنسی ملتی ہے۔
 یہ تو کھل جاسم سم کی طرح ایک جلدی ہے۔"
 شاہ کے کنبے میں حسرت کے ساتھ ساتھ تھی بھی
 تھی۔ وہ عام سے خدوخال کی حامل ایک انتہائی عام سی
 لڑکی تھی۔ ویسے وہ بلی کی زبان پر اٹھو تھی لیکن اپنی
 شخصیت کے حوالے سے وہ خود احساس کتنی کا شکار
 بھی تھی۔
 "کیا ہو گیا ہے شاہ! خوب صورتی بیش کامیابی کی
 دلیل نہیں ہوتی۔ تم دیکھو! شویز میں بھی کتنی خوب
 صورت لکھاؤ لڑکیاں آتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے بعد
 پھر نظر نہیں آتیں۔" وہ کالی کا آئینہ رے کر اس کی
 طرف متوجہ ہوتی تھی۔
 "لیکن راجہ! تمہاری زبان حسن بذات خود ایک
 سفارش ہے۔ جس سے بہت سے کام ہو جاتے ہیں۔
 اس لڑکیوں کو شویز میں آنے کا موقع تو مل ہی پورنہ تو سنا
 ہی لپٹے صرف اس چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے دل
 رہا ہے۔ کون دے گا ایسی ایک چائس؟" وہ تھوڑا سا
 تلخ ہوئی۔
 "سارے لوگ ایسے نہیں ہوتے شاہ! ارفع نے
 ہنس کر انداز سے اس کے چہرے کو دیکھا جو کتنی

کے احساس کے ساتھ اور بھی عام سالک رہا تھا۔
 "یہ تو لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ اب تم
 اس معبد کو دیکھو۔ سو یہ ساری دیواریں اپنی اور میری
 دوستی کا اظہار ہیں۔ مجھ سے اپنے آپ کے
 و جہول کام کو الیتا ہے۔ لیکن جہول کوئی اچھی صورت
 دیکھتا ہے۔ پھل جاتا ہے۔ پھر اس کو یہ بھی یاد نہیں رہتا
 کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔ اب دیکھو۔ یہ پھل
 تو مجھے کھنے سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اسے اس میں
 منہ میں نہیں سیکندز کے لیے بھی میری نہیں ہیں تو
 ہو گا۔ تم لکھو۔ یہ سب دیکھ کر جانتے ہو کہ یہ سب
 گا کہ میں کہاں گئی۔" اس کے لیے میں اس کی
 تھی تھی۔ اس سے کہہ کر رہ گئی۔
 "وہ تو اسے احساس تک نہیں کہ ہم کھانا کھانے
 آئے ہیں۔ وہ اس وقت مزے سے اس بلبل گرنے کے
 ساتھ ڈنڈا اڑا رہا ہو گا۔"
 "ایسے بد ممکن نہیں ہوتے۔ وہ پک تو رہی ہے
 جب تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا ہے تو تمہارے
 ساتھ ہی کھائے گا۔ اس کو تو اس نے کل باجائے
 پر ڈھکیا ہو گا۔" اس نے اسے تسلی دی۔
 "تم سے زیادہ جانتی ہوں میں اسے۔ باجی سلی
 پرانا تعلق ہے ہمارا۔" اس نے نشو سے آنکھیں
 صاف کیں۔
 "ایسے ہی ہر وقت جتنی باتیں نہ سوچا کرو۔ کیا ہو گیا
 ہے تمہیں۔" اس نے اسے محبت بھرے انداز
 سے ڈنڈا اسی وقت حضور ہاں چلا گیا۔
 "تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ماشاء اللہ! ایک تخت
 چھ کوڑا رہا ہے۔ بہت ہی کینہ ہے یہ معبد۔" حضور نے
 اس کے ہاتھ سے کافی کاغذ پکڑ کر اپنے منہ سے نکالا
 اور پھر گردن کو خم دے کر انتہائی عزت و احترام سے
 اسے والیں کر دیا۔
 "اب یہ یقین کرو اس میں محبت کی پاشنی شامل
 کر دی ہے میں نے۔"
 "وہ اچھی تک صبر نہیں ہو اس لڑکی سے۔" اس نے
 اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے

پوچھا۔
 "نہ تو اور غار۔" حضور نے۔ "نہ تو اس کے
 ساتھ مزے سے ڈنڈا اڑا رہا ہے۔ دیکھو جہول کی چھریں
 اس جہول تک ڈنڈے کے سامنے چار گئی ہیں۔ مجھے تو
 لگتا ہے کہ تم تک چھوڑنے جائے گا۔"
 "ماشائے جن نکلوں سے اس طرح کوڑا کھانا ہے
 طرح تخت کا شمار ہوگی۔ جب کہ ماشا کا چہرہ اس
 انداز کے ساتھ بالکل دھواں دھواں سا ہو گیا تھا۔
 ایک بجنے سے اٹھی اور تیزی سے پارکنگ کی طرف
 بڑھ گئی۔
 "اسے کیا ہوا؟" حضور نے اس کی آنکھوں میں اچھی
 اچھی آنسو دیکھے تھے۔ سخت حیران ہوا۔
 "اسے تو کچھ نہیں ہوا لیکن مجھے لگتا ہے کہ معبد
 کا رخ خراب ہو گیا ہے۔ ماشا کو ڈنڈے پر لے کر گیا تھا
 اور سب کھانا اسی دور کے ساتھ کھا رہا ہے۔"
 "سہیذا۔" حضور کو سخت افسوس ہوا۔ "یہ تو
 سخت برا ہے۔" اس سے حیرت انگیز افسوس ہوا تھا۔
 "یہ سوچیں۔ یہ دیکھ کر پھل کیل جاتے ہیں؟" اس نے
 رنجیدہ ہوئی۔
 "بہت افسوس نہیں ہوتا۔ محبت ان چیزوں سے ہے
 نیاز ہوتی ہے۔ یقین کرو اگر مجھے ماشا سے محبت ہوئی
 اور تم میرے سامنے آجائیں تو مجھے کسی تم میں کشش
 محسوس نہ ہوگی۔" وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔
 "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ موانع مضبوط نہیں
 ہوتے۔ وہ سب سے پہلے لڑکی کی خوب صورتی پر ہی
 پسند ہے۔ محبت و محبت تو بہت بعد کی چیز ہے۔"
 "بہتر ایسے ہی لڑکی اسی تو حضور نے مسرت سے اسے
 دیکھا۔
 "چھوڑو! میں نے تو کیا کچھ نہیں کیا پھر تم اتنی
 خوب صورت شام کیل بہلا کر رہی ہو؟" وہ قدرے
 بے زاری سے بولا۔
 "میں تمہاری شام بہلا کر رہی ہوں۔؟ میں؟"
 نہ جانے کیل یا اتنی حساس ہو رہی تھی۔
 "تم میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہو۔ تمہیں

اچھی طرح علم ہے کہ میرا کیا مطلب تھا۔ میں مان
 ہوں کہ ماشا تمہاری دوست ہے اور جو اس کے ساتھ
 ہوا مجھے اس کا افسوس بھی ہے لیکن اس میں براہ راست
 ماشا کا اپنا قصور ہے۔ وہ معبد کی عمارتوں سے اچھی
 طرح واقف ہے اور اس نے کوئی پہلی دفعہ اس کے
 ساتھ ایسا نہیں کیا۔ وہ کیل نہیں اسے چھوڑتی؟"
 حضور نے آج صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی۔ اس طرح کو اس
 کی بات سے سخت صدمہ ہوا۔
 "وہ کیسے اسے چھوڑ سکتی ہے؟ وہ اس سے محبت
 کرتی ہے۔" حضور۔
 "محبت کرتی ہے تو پھر اس کی عمارتوں سے بھی
 سمجھوتہ کرے۔" وہ اندر سے اوری تو اٹھیں بولا۔
 "محبت میں سمجھوتہ نہیں ہوتے۔ حضور! محبت اگر
 سمجھوتہ کی راہ پر چلے تو وہ محبت نہیں رہتی۔"
 بولی نہیں بھڑکی تھی۔
 "یہ اچھی منطق ہے۔ اگر محبت میں سمجھوتہ
 نہیں ہوتے تو کیا غریب میں ہوتے ہیں؟ اگر کسی منطق
 کو قائم رکھنا آپ کی مجبوری ہے تو سمجھوتہ کی نذر
 کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کو یاد دے سکے۔ سب
 سے بڑی بات یہ کہ جب آپ کسی سے محبت کرتے
 ہیں تو اسے اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول
 کریں۔ اس کے دور میں کوئی غم نہ نہیں ہوتا۔ ہمارے
 کسی سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں اس چیز کا رشتہ
 نہیں مل جاتا کہ ہم اس شخص کو یہ یاد دہیں جیسا کہ ہم
 اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔"
 "محبت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان اپنی عزت
 اس کو اٹھا کر حلق پر رکھ دے۔" اس نے کوشیدہ غصہ آ
 رہا تھا۔
 "مائی ڈیر! اپنی عزت اس کو کسی شخص کے لیے
 کھانا ہی محبت ہے۔ جہول میں؟" یہ باتیں
 سے محبت رخصت ہو جاتی ہے۔" وہ تھوڑا سا دھیمے
 ہوا۔
 "میں تو ایسی محبت کو اٹھا کر گل میں پیسٹک جلاؤں جو
 میری عزت اس کو پک بے۔ میرے لیے یہ زیادہ

نہیں ہے کہ میں اس محبت کو ہی شمع کہوں؟ اس کے
 لیے میں اس قدر زہر چاکہ کھڑا کچھ لوں تک بول ہی
 نہ سکتا۔
 "جو محبت خوب لاٹھ کے پٹی کی طرح ہو اسے
 جب چاہو روشن کرو۔ جب چاہو آف کرو۔ وہ سب
 کچھ ہو سکتی ہے۔ لیکن "محبت" نہیں۔" حضور نے
 بحث کا اختتام کیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان
 کی آنکھ کی بات بھی حسب معمول ایک لڑائی پر ہی
 اختتام پذیر ہوئی تھی۔
 * * *
 "ہم نے سوٹ ہارٹ۔" پورے میں دل بعد ماشا
 اچانک ہی اس کے اسٹوڈیو میں آئی تھی۔ وہ ایڈیٹنگ
 روم میں اپنی ڈاؤنٹری کی ایڈیٹنگ میں ہی طرح مگن
 تھی۔ پچھلے تیس دنوں میں اس نے بی دفعہ اس سے
 رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا سبب فحش
 مسلسل تھا۔ حالانکہ آج تک چیز برورد کرنا
 وہ اچانک ہی آگئی تھی۔ اس نے کو حیرت انگیز اسے دیکھ کر
 خوش ہوئی تھی۔ خاصیت تو بالکل نئی تھی۔
 "تم زندہ ہو۔" اس نے ایڈیٹنگ کا کام لے کر چھوڑ
 کر اس کی طرف حوہ ہوئی۔ وہ بے تکلفی سے سامنے
 رکھے صوفے پر براجمان ہو گئی اور بڑی دلچسپی سے
 سامنے دیوار پر لگی ایل سی ڈی پر اس کی ڈاؤنٹری
 فلم کے سکرین دیکھنے لگی۔
 "ہاں! صرف زندہ ہوں! بلکہ اچھی خاصی ہٹی کٹی
 ہوں۔" وہ تنقید لگا کر بولی لیکن اس نے انہوں میں
 اس کے کہنے کے کھوکھلے پن کو محسوس کیا تھا۔
 "کہیں دوپوش ہو گئی تھیں تم؟ میں نے تمہاری
 تلاش میں کتوں تک میں بائس ڈیو لپے تھے۔" اس نے
 کے طرف متوجہ اور ایک دھمک بھری تھی۔
 "خدا کے واسطے ماشا! کم از کم میرے سامنے ایسے
 مت چہ کرو۔" اس نے ہاتھ اس کے آگے ہاتھ
 جو نیچے تھے۔ ایک دھمک بھری تھی۔
 "میں نے معبد گھڑ کو بھی فحش کیا تھا لیکن وہ بھی

تمہاری طرف سے لکھی گئی تھی۔
 "میں قاعدہ بھائی کے پاس دینی چلی گئی تھی۔"
 اس نے اپنے سب سے بڑے بھائی کا ہاتھ لگا کر کہا۔
 "اس اچانک دورے کی کوئی خاص وجہ؟" رفیع نے اس کے سپاٹ چہرے کو کھوجنے کی ناکام کوشش کی۔
 "ایسے ہی۔ بھائی کا قانون آیا تو میں نے سوچا کہ میں چکر ہی لگا دوں۔" اس نے رفیع کو مطمئن کر کے کی کوشش کی اور پھر اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کے لیے ہشاش بشاش انداز میں بولی۔
 "یہ تمہارا جین بلیز کمال انٹلسٹن کی سرحدوں پر کھوٹا پھر رہا ہے۔" اس نے خضر کا ہاتھ لگا کر کہا جو ہچکے ایک چلتے سے ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں کھنچ رہا تھا۔
 "ویسے تم دینی میں تھیں اور پاکستان کی سب خبریں تمہیں پتا ہیں۔" رفیع کے منہ پر ہنسنے پر دیشا نے خوش دلی سے تھکا دیا۔
 "ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کے بارے میں سب خبریں دیتے ہیں چنانچہ۔"
 "بڑی مہربانی جناب کی۔" رفیع الیکٹریک محسوس پر چائے کا پیالہ رکھتے گئے۔
 "ویسے تم نے اچھا خاصا اسٹوڈیو بنا دیا ہے۔" دیشا نے تو سلی ٹیبلٹوں سے چالاکانہ مایہ نازانہ کلنی عرصے بعد اس کے اسٹوڈیو میں تکی تکی جو اس نے اپنے گھر کی انٹیکس میں بنا رکھا تھا۔
 "یہ تمہارے یا جوج باجوج نظر نہیں آ رہے؟" دیشا نے اس کے دونوں لسنٹلس کے بارے میں پوچھا۔
 "دونوں کچھ میٹرل خریدنے کے لیے مارکیٹ تک گئے ہیں۔ تم سناؤ کب آئیں پاکستان؟" رفیع خامے مصروف انداز میں بولی۔ اس نے الیکٹریک کھٹل کاٹھن بند کر دیا تھا۔
 "مگر ابھی چینی ہوں اسلام آباد۔"

"ہول۔۔۔ یہ تمہیں انفس سے اتنی لمبی چھٹی کیسے مل گئی؟" دیشا نے اس کو بہت خراش سا سانس ہے اس محلے میں؟ مجھے معین بنا رہا تھا کہ وہ اسے بیٹے کی بارش والے دن بھی اٹھس آیا میٹھا تھا اور ایک کھنڈ پیسے کی چھٹی کر کے گیا تھا۔
 یہ معین نے تمہارے ساتھ اتنی باتیں کرنا سب سے شرمیل کر دیا ہے۔" دیشا نے ہلکے پھلکے انداز سے کہا تھا کہ جو تک گئی۔
 "پیارے بیٹا جی پر میں نے تمہارے کچھ دن پیسے اس نے راستہ سے نہیں چھوڑا کہ وہ اس دن بھی کسی بڑی کے ساتھ تھا۔ وہ اسے ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔"
 "اب کدو ایسا ہی ہے لیکن معین نے تمہیں یہ خبر بتا دی کہ میں جب سے ریجن کر کے گئی ہوں؟" اس کے اس انکشاف پر رفیع لب لباب میں چھٹی ڈالنا بھوس گئی۔ سخت حیرت سے اس کا منہ کھلا کھلا رہ گیا۔
 "تم نے جب سے ریجن کر دیا دیشا اور مجھے دیا تک نہیں؟" وہ ابھی طرح بات کر رہی تھی کہ اسے اس بیورو میں جب کرنا پڑا تو اس نے کہا۔
 "ہیں یار اٹھک گئی تھی۔ سوچا کہ کچھ بریکسی ملے لیا جائے۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر سستی سے کہا۔
 "تو بریک لینے کے لیے جب پھوڑا ضروری تھا کیا؟" رفیع نے کڑے توڑوں سے اسے گھورا۔ اسے دیشا کی ذہنی حالت کچھ ابھی نہیں بگ رہی تھی۔
 "معین نے تمہیں نہیں روکا؟" وہ اب خشک دھڑک رہی تھی۔
 "کیوں میں ڈالتے ہوئے تجھ سے پوچھ رہی تھی۔" وہ مجھے کیوں روکے گا؟" اس نے بے زاری سے ان سوالیہ الفاظ کو نہیں ہونے دیا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔
 "تمہاری معین کے ساتھ صبح نہیں ہوئی کیا ابھی تک؟"
 "ہماری لڑائی کب تھی مائی ڈیئر۔" وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے زبردستی مسکرائی۔
 "تم پھوڑا من سب باتوں کو یہ بتاؤ۔ تم لو خضر کب شادی کر رہے ہو؟ تم سے بہت دنوں سے

شادی کا کھانا نہیں کھایا۔" رفیع کی تیوری چڑھ گئی۔
 "تم مجھے دہشتہ جوتے کچھ سے چھاری ہو؟"
 "ہم کو اس طرح ایسی زندگی ایک کٹی کٹی کی طرح تمہارے سامنے ہے اور تم مجھے کتنی عزیز ہو اس چیز کا نہیں غولی انداز ہے۔ میں تم سے کیسے کچھ چھپا سکتی ہوں۔" دیشا نے ایسے کھسکی لڑائی جیسے اس کی بات کو بھی اڑا دیا۔
 "اگر میں تمہیں عزیز ہوں تو تم میرے لیے کیا کرو؟" پانچو نے تم سے کتنی محبت ہے؟ کیا مجھے یہ سب دہرنے کی ضرورت ہے؟ دیشا؟" اس کے لہجے میں کچھ تھوڑا دیشا نے بے اختیار نظر چرائی تھی۔
 "تمہاری رگ رگ سے میں واقف ہوں۔" پانچو نے تمہیں خوش کرتی ہے اور کس سے تم مرث ہوئی ہو مجھے سب ایسے انداز ہے کہ کبھی کبھی خدا بھی حیران ہو جاتا ہے۔"
 "خضر مجھ سے چھٹس نہیں ہونا؟" دیشا نے عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔
 "وہ تم سے کیل چھٹس ہو گا۔ بہت بڑے ہو گئے اور ان تمام رشتوں اور چیزوں سے محبت کرتا ہے جو مجھے خوش کرتی ہیں۔" اس کے انداز میں اندھا اندھ اور مانت تھا۔
 "وہ تم سے محبت کرتا ہے میں اس لیے اصل میں کچھ لوگوں کی محبت کا عرفیت پتا ہو گیا ہے۔ کچھ بھوے جیسے پھوڑے مل اور پھوڑے خرب گئے بھی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے محبوب کو پھوڑے دلی ہو اویں تک سے بھی لڑتے لگتے ہیں۔" وہ خامی رہی تھی۔
 "رفیع کو کتنے میں دیر نہیں لگی تھی۔"
 "محبت کا تو مجھے پتا نہیں لیکن وہ میری بہت بھرپور ہے اس کا مجھے غولی انداز ہے۔" دیشا نے کشش سے مسکرائی۔
 "اگر خضر تمہیں پھوڑے تو تم کیا کوگی؟" اس کے اچھالی عجیب سوال پر بھی رفیع کے چہرے پر وہی اندھا اندھ ہٹا رہی تھی۔
 "خضر مجھے نہیں پھوڑا۔" دیشا کو بے اختیار

اس پر رشک آیا تھا۔
 "ہر جہانم جیسی جیسی لڑکی سے دہانہ مل سکتی ہے۔"
 "میں اگر جیسی دجیل نہ بھی ہوں۔ تب بھی خضر مجھ سے ایسے ہی محبت کرنا۔" رفیع کی بات پر دیشا تھوڑا سا ہنسی۔
 "سب کتنے کی باتیں ہیں۔ حسن مووی پہلی ترجیح ہوتا ہے۔" اس کا وہی پرانا احساس کتنی ایک دلہن بھر پوری فوج سے بھاڑا ہوا تھا۔ اس نے سامنے دیوار پر لگے چند قیمت شیشے میں اپنا اور رفیع کا عکس دیکھا۔ اس وقت ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں ایک مسکرا ہوا گلاب رنگ رہی تھی۔ اس کے بد متعلق دیشا کی اپنی شخصیت بالکل باندھ پڑ گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد چلنے زرد چھوٹے چھوٹے چھوٹے آنکھیں اور غیر مناسب ٹاک کچھ بھی تو متاثر کن نہیں تھا۔ اس کا قد غلاما لبا تھا لیکن جسم پڑیوں کا اچانچہ فوج دور جگہ گزرتی تھی۔ اپنے قد کے لحاظ سے اس کا دل بھی غلاما تھا۔
 "تم ساری قصوں بحث کو پھوڑو۔ یہ بتاؤ۔ تم اب کیا کرو گی؟" رفیع نے اچھالی محبت سے اپنی سب سے عرصہ دست کا چھوڑ کھینچا جو کم از کم اسے بہت پیارا قصہ میں کے فکر مند لہجے پر مسکرائی۔
 "یار تمہاری بہت لاکھ کام سی ہو لیکن اس نے صحافت کی دنیا میں بہت خاص کام کیا ہے۔ میرے ویرانوں کی خبریں ہی پچھلی بہت سے اچھے لوگوں سے آفر تھی لیکن میں ابھی کچھ بریک لینا چاہتی ہوں۔ پچھلے کئی سالوں سے پانچوں کی طرح کام کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ میرا ہٹ کر سکتے ہیں۔ اس لیے ایک تھوڑے کے بعد کسی نہ کسی بہتر آپشن کو جان کر لیتی گی۔" وہ خامی مسکرتی تھی۔
 "دیشا گریٹ۔" رفیع بھی خوش دلی سے مسکرائی۔
 "جب تمہارا تم لوگ کب شادی کر رہے ہو؟"
 "تو تمہاری سولی ہماری شادی پر کیوں آنک لگی ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

کر دار پر بھی انگلی اٹھائیں گے۔ غار ہے! تم وہ سری پائی کا بھی تو موقف سامنے لاؤ گے۔

"کتاؤ ہر فیصلہ ہے تہا ارفع! تمہیں یاد ہے کہ اسی کمرے میں تم اسی موضوع پر میرے ساتھ شرمیں عید کے لیے لڑی تھیں جب اس کا نام اور اس کا آسکر اور اسے سب کچھ تمہیں کتنا سا اثر کر رہا تھا تب تمہیں لگ رہا تھا کہ میں محدود ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔ اب جب کہ میں بھی اسی موضوع پر کام کر رہا ہوں تو تم کہنا آتا ہے کہ رقی رقی ہو؟ اس نے ارفع کو لہجہ اس کی تھا اس کا جو جذبات کی کوشش میں سرگ ہو رہا تھا وہ بالکل چپ ہو گئی۔ ایک منٹ کے بعد وہ قدم سے اٹھ کر اڑاڑ میں بولی۔

"میں شرمین کو آسکر اپنا ڈھنگ پر خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔"

"تو اس کو آسکر بھی تو اسی موضوع پر کام کرنے پر ملا تھا کہ اس نے غریب کے کسی تکلیف پہنچانے کا کام پھر میں دیکھا یہ تعصب پسند گورے کیسے اس کو اپنا ڈھنگ دیتے ہیں۔" وہ خطرناک حد تک تلخ ہوا تھا "اور جہاں تک بہت موضوع کی ہے تو میں بھی اسی موضوع پر کام کر رہا ہوں" اسی کی اذیت کرنا چاہتا ہوں۔ اب میری دفعہ تمہیں خواتین کے جذبات کا خیال آگیا؟ کیا شرمین کی اذیت جڑی میں خواتین نہیں تھیں؟ کیا اس کو ساری دنیا سے نہیں دیکھا ہو گا؟

"ہاں! تم نے سوچا ہو گا کہ جب ساری دنیا اس بہتی گنگا سے اتار دھو رہی ہے تو تم کیوں پیچھے رہو۔" اٹنی سخت پر قابو پانے کے پھر میں بہت حد تک اس کے منہ سے لگا تھا اس کی بات پر خطر کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا وہ کچھ لمحوں کو تو شدید سارہ گیا۔ اس نے بالکل خود کو مشتعل ہونے سے روکا تھا۔

"بہت ملال بات کر رہی ہو تم ارفع عزیز! اس کے چہرے پر ایسا کچھ تھا کہ ارفع جیسی لڑکی کو بھی سنبھل سونگھ گیا۔ وہ بہت غصے سے ٹی وی لاؤنچ سے نکل کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا۔ اس نے پوری قوت سے بیڈ روم کا دروازہ بند کیا تھا۔ اس کے اس انداز پر

ارفع کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ اسے اتنے اشتعال میں دیکھا تھا۔ وہ تو اشتعال و جوش مزاج کا بہت صبر و تحمل والا شخص تھا اسے اپنے دل میں ہوا محسوس ہوا۔ اس نے بہت دیر سے سانسے والے بند دروازے کو دیکھا۔ اسے پہلی دفعہ اپنے لیے شدید غصہ آیا تھا۔

اس دن رات شاکی سالگرہ تھی۔ وہ اس کے لیے پہلے لہلہ کا کمرے اور ایک غریب کر بہت جلدی سے راحت بیکرز کی میز پر اتر رہی تھی جب اس نے اپنے بالکل سانسے معید کو اس میڈے کی بوری میں رکھتے رکھتے کی حامل لڑکی کے ساتھ دیکھا۔ اسے وہ دیکھ کر ہی طرح سنبھل گیا۔ اس نے بے یقین غور سے اسے دیکھا۔ اس سے نظریں چڑا رہا تھا "کیونکہ وہ اس کی ہاتھ کے ساتھ دھول و حار محبت کی سب سے بڑی گواہ تھی۔"

"یہ تم میں کل شہر ہے مہار کی طرح کھل گھوڑے رہتے ہو جو تارے کے ٹائم ہی نہیں؟ کل حضرت کی گھر رہا تھا کہ اس نے انہیں سے گنے کے بھرے تھیں کی ٹیکسٹ کے ٹکڑے تم نے کسی کامی جوبلی نہیں دیا۔" اس نے آج اسے آڑے ہاتھوں لینے کا فیصلہ اچانک ہی کیا تھا۔ سیاہ سوٹ میں اس کی راحت اس وقت دمک رہی تھی۔ اپنے ساتھ اس لڑکی کی موجودگی میں ارفع کی اس سرعام "گھاس" سے اس کی رنگت ایک دم خفیہ ہوئی تھی۔

"اس بار کچھ بڑی تھا۔ اس سے خوشی میری دوست مایم ہے۔ ابھی ابھی اس نے شوہر جو ان کا ہے۔" وہ زندگی کی مسکراہٹ کے ساتھ اس لڑکی کا تعارف کر دیا تھا ارفع کے حسین سراپے سے ہر ایک طرح خائف ہو کر اس پارنگ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سیو! ارفع نے کسی بھی مسکراہٹ سے بے نیاز ہو کر اسے بیلو کیا تھا اور پھر اسے جلی بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔

کمرے ایک دفعہ پھر معید کی طرف متوجہ تھی۔ اس کا اندازہ اس پر اسے وال تھا۔ مہار کے تین بدوں میں ایک ہی تو لگی تھی تب ہی وہ اشتعالی بے زاری سے اپنی رستہ راج پر بار بار ٹانگوں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں! اس کا بہت جلد تم سنا کیسی ہو؟ آج کل تمہارا کمرہ بڑا دھول پر ہے۔ ابھی پچھلے دنوں میں نے تمہاری سلام آباد کی کچی آبادی پر سی ڈاکو منتری دیکھی تھی کہل کر رہا تھا۔" وہ غلط بھرے انداز میں بولا۔

"جیت ہے۔" آج کل "تمہارے پاس کچھ" اور "میں دیکھنے کا نام ہے" اور نہ مجھے تو لگا تھا کہ تم آج کل دشمن پر دستبرد میں نہیں ہو۔" اس کے ٹھیک ٹھاک غریب ایکسٹریورٹ کو دیکھا۔

"جی ہاں! بہت جلد ملاقات ہوگی اپنی تالہ تر میں معصومیت سے وقت ملے تو کل کر لینا پھر کوئی مل جیتے گا پھر تم بتائیں گے۔" اسے دیکھا کہ اس کے ابھی اسی کمرے پر معید نے بے ساختہ سکوں کا سانس لیا تھا۔ تب ہی وہ فوراً "انتہائی کلمات ادا کر کے اس بے زاری لڑکی کے ساتھ راحت بیکرز میں گھر گیا تھا۔

وہ گاڑی اڑاتے ہوئے تاشا کے نئے جنس میں پہنچی۔ اس وقت تاشا کے آفس میں دو تین کے اور ایک سیٹ سے سیٹ "اٹھا۔ وہ کپڑوں پر خاصی معمولات کھلک رہی تھی۔

"میں بڑے ڈسے سوٹ ہارٹ! ارفع نے اس سے ملے جیتے ہوئے اس کے حصار پر بار کیا۔ وہ بری طرح سنبھل گئی۔ وہ کھلک رہی تھی۔

"میں سے تم دونوں کے پیچھے خواہ ہوئی پھر رہی ہوں۔" اس طرح اس کو لب غریب بات کو دس کیا "پھر اسے تاشا کر غصہ کیا۔ وہ آج کل غریب انھواری کے جیسے میں تھا اس کے بعد جناب کو آفس چھوڑا پھر راحت ملی اور اب تمہاری طرف ہوں۔" وہ اسے جلدی جلدی ساری تفصیل بتا رہی تھی۔ خضر اور تاشا کی برتھ ڈے ایک ہی دن ہوتی تھی جس کو کچھ عرصہ

پہلے تک وہ ہارن آکھے خوب انجوائے کر کے ملتے تھے لیکن اب معید کسی اور ہی پکر میں تھا۔

"میں پھول اور ایک کپڑا معید نے سمولے ہیں۔" اس نے کسی خیال کے تحت پوجا۔ تاشا کے چہرے کی راحت بیکری ہوتی۔ اس نے ٹی میں سر ہلایا۔

"ملا تھا آج کچھ راحت بیکرز کی میز پر میری میڈے کی بوری کے ساتھ۔" ٹھیک ٹھاک جیتے فریش کر کے لگی ہوں اس کی۔" وہ غصے سے ہال گلاس میں ڈالتے ہوئے خاصی تپ کر بولی۔

"میڈے کی بوری کون؟" تاشا نے غصے حیرت سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔

"وہی پچھلے کچھ جیسی وہ لڑل کر جو چاٹیں کون سی کریم کے اشتہار میں آئی ہے۔" اس کی بات پر تاشا کھلک رہی تھی۔

"دلو! کیا نام دیا ہے تمہارے اسے۔"

"میں نے نہیں دیا۔ خضر ایک ہی فیصے میں کہ رہا تھا۔" وہ سوجھ کی سے اب اپنی بی رہی تھی۔ پچھاننا بچ کر اواز مجھے۔ سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اس سے دونوں نے مجھے خواہ کر دیا ہے۔" گلاس میز پر رکھے ہوئے وہ معصومی سوجھ کی سے بولی۔

"ہاں! رات کا ڈنر میں پر ہم دونوں کو خضر سے دیا ہے۔" اس نے مزہ ایک اور اظہار کر دیا۔

"لو خواہو!۔" وہ بد کی۔ "میں خواہو! اس اہم دن پر ایک میز پر کدو میان میں بیٹھ جاؤں۔"

"تو تم کس سا پہلی دفعہ منجھو کی؟ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ تمہاری بھی کیا معید کی طرح ڈنر اشت کو لگی ہے؟" وہ نہیں "ہم ہمیشہ سے ویسے ہی آکھے ڈنر کرتے آئے ہیں۔" ارفع غصہ کر کے یاد کر رہی تھی۔

"پہلے کی بات اور تھی ارفع۔ اس وقت ہم چاروں آکھے ہوتے تھے۔" اس کی سمجھ میں نہیں رہا تھا کہ کس طرح اپنی بات کی وضاحت کرے۔

"کیوں اب ہم نہیں کے کیا سینگ لگ آئے ہیں یا معید کوئی نہیں ملے غل غل تھا جو اس کے بغیر جاتے

ہوئے ہیں کوئی اغوا کر لے گا؟ آج کے دن تو کم رقم
نشاہد الی تم کوئی ہو گی نہ مارو۔" وہ ایک کے ڈبے
سے فریش کریم اگلی سے چاٹتے ہوئے مل کر بولی۔
"تم یہ بتاؤ کہ تمہاری خضر کے ساتھ صلح کب ہوئی،
آخری دفعہ تو تمہاری بہن نے خوب شر پھیلایا
تھا۔" نشاہد نے پٹیلی نکالتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔
کیونکہ اس لڑائی کے بعد وہ سیدھی اس کے پاس آئی
تھی۔

"میں خواہواہ ادلی رہی۔ شام میں ایک کچے در
سودی ٹاکس لے کر اس کے قایم میں گئی تو وہ کبیرہ مار
تروڑ کھا رہا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ "مرحہ" جلاؤ سخت
پٹھا ہے۔ مل کر کھاتے ہیں۔ وہ مجھ سے لور میں ہیں
سے کبھی خفا ہی نہیں کھتے۔" اس کے لیے میں
بھرپور اتفاق تھا۔

"اللہ تم دونوں کو بچوٹ اسامی ہنستا رہے۔" وہ
خلوص دل سے کہتے ہوئے ایک کٹے لگی۔ ارفع نے
بہت عورتوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں نشاہد؟" وہ سولہ انداز میں
اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا معہد کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے؟" اس
نے سو فیصد درست انداز لگایا تھا۔ وہ کچھ حیرت ہوئی
پھر تھوڑا سا جھجکتے ہوئے بولی۔

"معہد نے اس دفعہ کچھ زیادہ عجیب نہیں کیا؟
حسن پرست اور ظلمی تو وہ پیدا نہیں تھا لیکن ہر دفعہ ہمارے
کی جان چھان کر تمہارے ہی ذہنوں میں بیٹھ کر
محبت کر رہا ہوتا تھا۔ میں اس کے دامن میں خود
شدنوں کی گواہوں میں جھکتی تھی کہ وہ ہر سہ ایسے
ہی منہ مار رہا ہے۔ محبت تو وہ تم سے ہی کر رہا ہے لیکن
بہ اس دفعہ تو ہم سے بھی نظریں نہیں ملاتا۔"
ارفع کو دکھ ہوا تھا۔

"وہ کچھ دن تک اب تم لوگوں سے نظریں ملانے کا
بھی نہیں۔ اس کے بعد احمیت بن کر آکر تم لوگوں کو
بھی بتا دے گا کہ میں نے نام قریبی کے ساتھ کورٹ
میں جرح کر لی ہے۔" نشاہد نے ایک ہتھوڑی تو ارفع

کے سر پر مار تھلا دیا۔ سخت بے چینی، تعجب اور صدمے
کی کیفیت کے زیر اثر نشاہد کا ساٹ چہرہ کچھ رہی تھی۔
"نشاہد! وہ بمشکل بولی۔ "کب؟ اور تمہیں
کس نے بتایا؟"

"جس ملنا میں دینی گئی تھی اسی سے۔ وہ سب
اس نے کبیرہ دہلی کی مرضی کے خلاف اس سے کورٹ
میں جرح کی تھی۔ اس کے بعد وہیں سمجھائی گئی اسے لور
سے نکال دیا ہے۔ وہ اب ایک قلیٹ میں رہا ہے۔
وہ سب خفیہ کا مظلوم ہو کر رہی تھی۔"

"لور تم نے نہیں بتلایا ہی نہیں۔" اس نے غصے
درجہ کا ہی تو لگا تھا۔ پٹیلی پٹیلی آنکھوں سے اسے دیکھ
رہی تھی جو ایک ہی لمحہ میں اسے اس قدر تکلیف پہنچا
تھی۔ یہی حداشت کرتی تھی۔

"یہ بہت تانی بار اس نے تو مجھے خاندان بھر میں
نشاہد کر رہا تھا۔ مجھے دکھ اس کی شادی کا نہیں۔
ان الفاظ کا ہے جن سے اس نے میری غصت کے
پرچے اڑائے۔ وہ مہیلا سے لگاؤ تھا لیکن مہم
کے لیے اس کے سامنے ڈٹ گیا۔ اس نے مہیلا سے
کہا۔ "آپ اپنی عام سی شکل و صورت کی بجائے کو
زہد سنی میرے سر منڈھنا چاہتے ہیں اس کے لیے
آپ کوئی اور احسن ذمہ نہیں۔ مجھ سے کسی قربانی کی
امید نہ رکھیے گا۔" آئو اس کی آنکھوں سے ایک
تھار کی صورت میں برسرِ بے رحمی اپنے بچے سب
بے رحمی سے کل رہی تھی۔ اسے اب انداز ہوا تھا
کہ معہد اس سے اور خضر سے کبھی بچتا ہوا ہے۔
"میں جانتی تھی۔" ارفع نے دونوں ہاتھوں سے اپنا
گھومنا ہوا سر تھلا۔ "لور وہ جو اہل سے ساتھ مل کر
شادی کی پلاٹ کر رہا تھا۔ بیڑہ دم کی کلرا اسکیم کی گھر
نقشہ۔ وہ اپنی مہیلا کے لیے اسکاٹ لینڈ جانے کے
پہلو کر رہا ہے۔"

"تو اسے کرنا تھا۔ ظرٹ کر رہا تھا مجھ سے۔ اسے
ہر وقت اپنی وجہات کو سراہنے کے لیے کسی بے
وقوف کی ضرورت تھی جو اسے میری شکل میں مل
گئی۔ اس کے لیے اس کا اس کا سارا اہم میں کر لی تھی

یہاں لیں کرنا پھرنا تھا۔" وہ بے توازن رہی تھی۔
"خضر کو بہت پہلے سے اس کی فطرت کا پتا تھا۔
مجھے اکثر باتوں باتوں میں سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔
اس کی شادی کا اسے بہت پہلے پتا چل گیا تھا۔ مجھے
صدے سے چلنا چاہتا تھا لیکن جو زلت آپ کی
فست میں نکلی۔ چلی ہو؟" اسے کوئی نہیں مٹا سکا۔
"میں سوچ نہیں سکتی۔" دینی میں چند دنوں میں نے کیسے
کرا رہے۔ "میں لگتا تھا جیسے وقت رک گیا ہو۔ نہیں
وقت کتنا ہی لذت ناک کیوں نہ ہو ختم ہو جاتا ہے۔"
گراں بھگتا ہے دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ بول رہی
تھی جب کہ ارفع سانس بے باکوں گئی تھی۔
"خضر کو اس کی شادی کا پتا تھا اس نے مجھے ہی
نہیں بتلایا۔" اس نے کو ایک اور شاہک کا تھا۔

"وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے بارہ ہر اس طرح سے
جو تمہیں دکھ دے اس سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ مجھے
بھی یاد رہا کہ وہ تھا اس طرح مستاب بیٹ ہو جائے گی۔
اس لیے میں نے بھی اسے منع کر دیا تھا۔" اس نے
فوراً منگائی دی۔

"محبت تو دینی کرتے ہو تم دونوں مجھ سے۔" اس
کا بوجھ تم ہوں۔" تمہیں اس وقت میری ضرورت تھی
باراد کہ باٹنے سے ختم تو نہیں ہوتا لیکن اس کی
تکلیف کی شدت ضرور کم ہو جاتی ہے۔"

"کچھ کہ ایسے ہوتے ہیں جو باٹنے سے بھی کم نہیں
ہوتے۔ دل کسی طور بھی نہیں سمجھتا کہ اس کے
سے واحد ہر وقت ہوتا ہے۔ وہ ہی اس کی شدت کو کم
کر رہا ہے۔" انہی ذات کی سبب وہ خضر کا احساس بھی
بھی کم نہیں ہو سکتا۔ وہ بار بار مرنا کر کھڑا ہو جاتا
تھا۔ اس کے لیے لگ کر بیٹھ بیٹھ کر رو رہی۔
"اس کے دل کے اندر ایک گہرا سناٹا سا چھا گیا تھا۔
اس کا سبب سوچ رہا تھا کہ آج کے بعد وہ شیوں کی تنگی
میں معہد کی شخص کا کراہ بھی نہیں آئے گا اس
دلت لڑکوں میں پہلی دفعہ ایسا ہی ہوا تھا۔



میں جیڑی چھانوں میں پہلوں چھوٹ

پٹی آنکھوں پر میرے ہاتھ کا سلیہ کر کے
تیرے سر پر
میں سوچتی تھی تازہ دیکھوں
اس سے آگے نہیں سوچاں نے
پھر بھی حوالہ یہ ہے کہ
اکہ محو سائے کہ میں بڑبڑکے رکھتا ہے
اکہ محو سائے کہ میں سوچنے رکھتا ہے

خضر کا اس ایم ایس پڑھ کر وہی دفعہ اس کا دل ایک
عجب سی لے میں دھڑکا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ
اپنے ایک نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں خاصی مصروف
تھی۔ یہ سیرج اور اسکرپٹ لے اسے مہن چکرنا رکھا
تھا۔ لور سے خضر کی مصروفیات بھی کن دنوں خاصی
بڑھ گئی تھیں۔ وہ صوفیہ بیگم کے ساتھ حیراب سے
متاثرہ ہو نہیں کے بد گرام میں مکی طرح الجھا ہوا تھا۔
کچھ صوفیہ بیگم نے بھی اسے اپنے کاموں میں لگا رکھا
تھا۔ آتے جاتے اسے اس کشمیری لڑکی کی داستان سننے
کو لی رہی تھی۔ صوفیہ بیگم اس کے معاملے میں حد
درجہ پر ہوش تھیں۔ وہ اس کے کنز کے خلاف
کورٹ میں جلی گئی تھیں۔ جن ہی دنوں اسے ملتی آتی
کے ہیں جی کی پورا اس کی خبر ملی تو فوراً کراچی چلی
گئی۔ اس سے پہلے مہن کا ایک بیٹا تھا۔ پندرہ دن وہیں
قیام کے دور میں بھی اس کا خضر سے رابطہ خالصتاً کم ہوا
تھا۔ جب بھی خضر بہت ہوتی پتا چلتا کہ کھانا کھا رہا تھا
ہے۔ جس دن اس کی رہائشی کی فلاٹ تھی مہن مہن
میں لاکھل عرصے کے بعد صبح تپا تھا۔

"جہی میں آتا ہے کہ آج کتنی سواری ہمارے شہر
میں قدم رنجو فرما رہی ہے۔ جہی تو سب کچھ ٹھیک ہے
میں اپنے جہاز کو دارگاہ کی پہاڑیوں سے ڈرا پھا کر
رکھتا۔"

"بے فکر رہو! تم اتنے خوش قسمت نہیں ہو کہ
میں اتنی جلدی تمہاری جان بچاؤں۔" اس نے بھی
جواہر جملہ کیا تھا۔

"میں بڑے چہ میں ملے سے تمہیں بھگت رہے ہیں۔
کیا تم اپنی سلور جوتی پر بھی خوش ہونے کا موقع

”تم جب بھی سوچنا متفرقی ہی سوچنا تاکہ تمہارا لفظ
گروپ سکڑے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے تھوڑی سی
کہ تمہارا اردب بھی ختم ہو جائے۔“ خضر شاید یہ اس

رحمت لور کو اسی محسوس نہیں ہو گی۔ ” رہنما۔
 ” تمہیں اٹھا کر اسے دیکھا ایسے جیسے کچھ کہنے کے
 لفظ احمق نہ رہی ہو۔ ہاں یہ سنی بارش کے شور میں تھی۔“

لنہنگی ایک مقام پر اگر فطری معنی میں ہو۔

میں نے کہا اس صبح کو پہاڑ ہو گا۔ سارا نے اس کے ساتھ
میں ملے، وضاحت دے دی۔ وہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔

انداز میں اس طرح کو دیکھ رہی تھی۔
 "تمہاری خطر کے ساتھ آج کل کوئی لڑائی وغیرہ تو
 نہیں چل رہی؟" فوراً مشکوک ہوئی۔
 "ہرگز نہیں۔" اس نے فوراً تردید کی۔
 "اچھا ابھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنا بڑا فیصلہ
 کرنے سے پہلے تمہیں بتائے؟" اس کی الجھن میں
 لب پر شافی کا اضافہ ہوا تھا۔ "خیر! اب جا رہی ہو تو پوچھ
 لیجئے ہو سکتا ہے کہ اسے بتانے کے لیے وقت نہ ملا ہو؟
 مگر اب اس طرح سے لیون خود کو مطمئن کر رہی تھی۔
 "مجھے بتانے کا وقت نہ ملا ہو۔" اس نے اس بات پر
 سوچتا نہیں جا رہی تھی بلکہ ذہن اسی ایک بات کے
 غلام ہو چکا تھا کہ سوچنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ سوچوں میں گم
 خطر کے طبع تک آئی اور اسے پتا نہیں چلا۔ سارا
 نے پہلے ہی اس سے سذدیت کر لی تھی کیونکہ اس کی
 کوئی بینٹک تھی! جہاں اس کا وقت پر پختہ ضروری
 تھا اس وقت شام کے کچھ بج چکے تھے اسے نہیں تھا
 کہ وہ گھر ہی میں ہو گا اور ایسا ہی ہوا تھا اس نے ایک
 ہی نظر میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ کچھ نہیں اچھا تھا
 تھا تھا سا ہے۔ شیو بھی لگتا تھا کہ کئی دن سے نہیں
 جاتی تھی۔
 "یہ تم نے اپنا جیلہ کیا بنا رکھا ہے؟ طبیعت ٹھیک
 ہے تمہاری؟" اس نے نرم انداز میں پوچھا حالانکہ
 اس کا مزاج پچھلے ایک گھنٹے سے خالصاً جارحانہ تھا اس
 نے ہشکل خود پر قابو پایا تھا۔
 "ہاں ایس ٹھیک ہوں۔ بس پچھلے کچھ دن سے کچھ
 طبیعت ڈانٹوں ڈانٹ رہی تھی میں نے کچھ بھی کرنے کو
 دل نہیں کر رہا۔" وہی وہی لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر ہو
 گیا۔
 "کہیں مصروف تھے پچھلے دنوں؟" وہ سامنے والے
 سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ کھوج رہی
 تھی۔
 "کہیں مصروف ہونا ہے پورے ہی دن میں کے کام
 اور دنیا کے بھیرے۔" وہ کستی سے ہنسیاں لے رہا
 تھا اس نے کو اپنا سارا اضافہ غلامی حلیل ہونا محسوس

ہوا تھا۔
 "اب کوئی سی مصروفیت ہے؟" اپنا مود کر مگر
 چھوڑ چکے ہو پھر بھی اس نے مصروف ہو کر غصہ نہیں
 یہ اطلاع دینے کی بھی فرصت نہیں۔ "وہ شروع
 ہوئی۔ خطر کا عملی کے لیے اٹھا ہوا تھا غلامی میں جلد ہو
 گیا۔ لیون بھر کو جو ٹکا اور پیش تیزی سے اس نے
 پر قابو پایا تھا۔
 "مجھے تمہیں بتانا تھا لیکن۔"
 "فادر کڈ سیک خطر! اب یہ مت کہنا کہ تمہارے
 ہرٹ ہونے کے خیال سے نہیں بتایا تھا اور یہ کہ تم
 مجھے یہ نشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔" اس نے تیزی
 سے اس کی بات کٹ کر باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ
 جوڑے تھے۔
 "تم مجھے ایسے فضول قسم کے ذرا سے کر کے پریشان
 سے مت بھلیا کہ میں کوئی بچی نہیں ہوں پورے ہی
 کسی اور سیارے پر کستی ہوں جو مجھے تمہاری
 پریشانوں کی اطلاع نہ پہنچے۔" اس کی کواڑ آنسو دکھ
 میں ڈوبنے لگی۔
 "خطر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ ایک کراہا اور اس
 کے ہاتھل سارے کا ہرٹ پر غصوں کے مل جینہ کر میں
 کے کو لوں ہاتھ اسٹاپا ہوں میں لے لے۔
 "میں تمہیں قتل کر دلاں گا اگر تم نے ایک بھی
 آنسو اور تھکا ہوا اس کے اس ڈانٹانہ انداز اور ہتھوں کی
 گرمی سے اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔
 وہ پہلی دفعہ اس کے سامنے روئی تھی۔ وہ اسے دھوکا
 مضبوط ترین لڑکی سمجھتا تھا اس کی یہ دعا اگر جلد ہو
 تھا۔
 "تم بہت عجیب ہو گئے ہو خطر! مجھے نہیں معلوم
 کیسے؟ لیکن مجھے اس کی وضاحت کرنا نہیں آتا۔
 "اس کے بچکانہ انداز پر خطر کے چہرے پر ایک
 معدوم سی مسکراہٹ بھری۔
 "کہیں میرے سر پر سینک گئے ہیں کیا؟
 دانستہ خیر سمجھو۔"
 "کاش سینک ہی نکل آتے۔ کچھ کھلو لوں

ہوتی۔" اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ
 سے پھیرا۔
 "کیا کھلو ڈن ہے مجھے بتاؤ! میں کیئر کرتا ہوں!"
 "تم مجھ سے باتیں پھیپھڑے کیوں لگے ہو؟" اس کی
 ہمت پر اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔
 "یہ راز اب کچھ نہیں ہے۔" نہیں غلط فہمی ہوئی ہے
 جس میں اسے پورے کچھ نظریاتی اختلاف ہو گیا تھا۔
 بات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی۔ میں اس کا ہیکری منٹ اس
 کے منہ پر مار آیا تو ہے کہ کتنا جلدی غم ہے میرا۔
 "خدا سہل میں ایک دفعہ ہی آتا ہے لیکن جب آتا
 ہے سامنے والے کے کڑا کے ٹال دیتا ہے۔"
 "تو یہ بات تم مجھے بتا نہیں سکتے تھے؟" اس نے کہا
 طے انی غلوں سے اسے دھکا۔ رونے کے بعد اس
 کی آنسوؤں میں ایک دکھائی سی اثر آتی تھی۔ خطر نے
 ہشکل اس سے نظریں ہٹائی تھیں۔
 "کہنے میری ٹھیک ٹھاک کا اس جو لگتی تھی۔ خیر!
 وہ تو لب بھی سے ہی رہی ہو۔ میری ایک اور جگہ بات
 نیت چل رہی ہے امید ہے کہ وہ چاروں میں داخل
 ہو جائے گی! کچھ لگتا میں اس قتل والوں کے کیسے چکے
 چھوڑا ہوں۔" وہ اٹھ کر لیکن سے دو گلاس لے آیا۔
 "فرنگ سے کوڈ ڈرنگ نکل اور اسے اب گلاسوں میں
 لپیٹیں ہو تو اسے اس نے سمت غور سے اسے دھکا۔
 "یہ تمہارے میرے ساتھ مسائل والا سلوک کب
 سے کتنا شروع کر دیا ہے؟ پہلی دفعہ ایسے لگا ہے کہ میں
 "تمہارے" لپھرتی ہوں۔" وہ آج ضرورت سے زیادہ
 حواس پور رہی تھی۔
 "تم۔" بھی تو میرے سامنے بزنل اور جذباتی
 خواتین والے ذرا سے شروع کر دیے ہیں۔ آج پہلی
 دفعہ تم میرے سامنے روئی ہو۔" جواب میں وہ
 اسے چھوڑنے لگا۔
 "کہنے گی تو عجیب و غریب حرکتیں شروع کر دی
 "خدا سہل سہول والے۔" وہ کول سا کسی سے کم
 کہ لگتا اس کی نظر میں پرکھے خواتین کے بلڈز

کے ایک بزنل پر رہی۔ اسے سخت حیرت ہوئی۔
 "یہ تمہارے خواتین کے ڈائجسٹ ہو رہیں کب سے
 پڑھنے شروع کر دیے ہیں؟" اس نے گلاس میز پر
 رکھتے ہوئے پوچھا۔ ہلکا سا چونکا۔
 "یہ میرے ایک دوست نے منگوائے تھے۔ پورے
 دن مجھے ان چیزوں میں کھل دلی ہے۔" وہ لڑائی
 سے بولا۔ "یہ ناشا کے آج کل کچھ زیادہ ہی رش کے
 چکر نہیں لگ رہے۔" اس نے اپنا ایک ہاتھ ہی
 بدل دی۔
 "ہاں! کہہ رہی تھی کہ آفس کا کچھ کام ہے۔ وہ
 لوگ جہاں اپنا کئی آفس مارے ہیں۔" اس نے لور
 بتایا۔
 "اچھا! مجھے بھی کچھ دلوں کے لیے انگینڈ جانا ہے۔
 ہلاکی پر اپنی کا کچھ مسئلہ ہے۔ سوچا ہے کہ اس دفعہ جا
 کر سہل ہی کر لوں۔"
 "اچھا! اب جا رہے ہو۔" اس نے دلچسپی سے
 پوچھا۔
 "شاید اگلے ہفتے۔" وہ بیٹھے بیٹھے اپنی کسی کسی
 سوچ میں گم ہوا تھا۔
 "میں بھی ساتھ چلوں؟"
 "کیا؟" خطر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔
 "کیوں؟" پھر وہ ایک دم سے پریشان ہوا تھا۔
 "یار! لڑتی کر رہی ہوں۔" وہ کسی تو خطر کے
 چہرے پر سکون کا بیلا واضح تاثر ابھرا تھا۔
 "تھیں نکس گا! ورنہ میں کس کس کو دھنا تھیں
 دتا پھرنا کہ یہ لڑکی کیوں میرا دم چھلانی ہوئی ہے۔" وہ
 اسے پھر تنگ کر رہا تھا۔ اس نے آج کل دن کے بعد
 پر سکون ہوئی تھی۔
 * * *
 "خطر! انگینڈ چل گیا اور تاشا اپنی سے والیں تھی۔
 اس دفعہ اس میں بہت مثبت تبدیلی لگی تھی۔ وہ غلاف
 تو بہت خوش تھی۔ اس نے اس سے پوچھا تھا وہی تھی
 لیکن تاشا کچھ مصروف تھی اور بہت جلد ہی اس کی

مصروفیت کاراز کھل گئی۔

وہ اس وقت اس کے استیج پر ہنس مسکراتی نور کھلکھلاتی ہوئی آئی تھی۔ اس نے پتھر لٹا کر بھی تبدیل کر لیا تھا جو اس پر ہنسنے لگا تھا۔ آج اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی ملاحت اور کشش تھی۔ اسی طرح کچھ گھٹنوں کے لیے بے اختیار لے دیے تھے۔

”یہ کھو گیا ہے؟“ نور نے اس سے ایک سنہری کارڈ لہراتے ہوئے آ رہی تھی۔

”کلن سی لٹری کلن تکی ہے جو ایسے جھٹکے کی طرح لڑائی آ رہی ہو۔“ اس نے اس سے اختیار رکھ لگتے ہوئے شراوت سے کہہ۔

”یار! آپ کی بات ہے سارے غائب ہوئی کی کہ رہا ہے کہ کشاکش کی لڑائی کلن تکی ہے۔“ وہ بے تحاشا خوش تھی۔ اس کی گھٹنوں میں چمکی جوت اور بائیں گل پر بڑے ڈالا ڈھیل توج اسے کچھ خاص بتا رہا تھا۔ غائبانہ ہاتھ میں بیکر سنہری کارڈ اس کی طرف پھلایا۔

”تمہاری شادی کارڈ ہے کیا۔“ اس نے سو لیحد درست انداز میں لگایا تھا۔ اسے ایک قطری سی مسرت کا احساس ہوا اس نے فوراً بے تلی سے کارڈ نکھولا۔

”یہ منظور اچھ کہن ہے۔“ اس نے انتہائی دلچسپی سے پوچھا۔ شمشاد توج کسی اور ہی دنیا میں لپکی ہوئی تھی۔

”خضر ہلک ٹھیک کہتا تھا کہ جی سے شلخ ٹوٹی ہے تو میں سے پھر پھوٹی ہے جان من۔“

”تم ان شاخوں اور درختوں کو چھوڑو مجھے بس اتنا بتاؤ کہ یہ منصور صاحب کہاں سے لپکے ہیں اور کیا حدود اربعہ ہے ان کا؟“ اس نے شدید بے چینی سے پوچھ کر بھیجی۔

”جنگ میں کافرست کر رہے۔“ سوشل لینڈ کے کسی بینک میں جا کر ہے۔“ ی نے کیا ہوا ہے۔“ وہ بھیجنے ہوئے بتا رہی تھی۔

”مجھے اصل بات بتاؤ کہ تمہیں کس ملازمت خدا کے واسطے یہ مت کہنا اس میں ج ہے۔“ اس نے

اس سے مشکل دلی۔

”میں کب کہہ رہی ہوں کہ اس میں ج ہے۔“ اس نے نام جب عید کا سوگ ملنے دین کی تھی بھی بھاگتی کی طرف آیا ہوا تھا۔ ان دونوں میں اپنے میں ڈھلی ہوئی تھی اور یہ میرے اندر گرائیاں باغیچہ پھر رہا تھا۔ اس کے بعد یہ بدلنے سے پاکستان بھی تبدیل قات ہوئی اور اس نے مجھے صحت پر پوز کر دیا۔ میں نے بھی سوچا۔ پہلی دفعہ کوئی ونڈ سم بند میری بھی قہقہے بھر رہا ہے۔ مان ہی جاتی ہوں اس سے پہلے کہ بھاگ جائے۔“ وہ اپنے پرانے انداز سے مزے لے کر بتا رہی تھی۔

”شرم تو نہ کئی مجھے بغیر مٹکئی کو اتے ہوئے تھا۔“ اس نے مصنوعی ٹکلی دکھائی۔

”سوئی! تم سب کو انوائٹ کرنے کے چکریں میں ڈال دو اتنی دیر میں یہ بھی کر جاتا تھا۔ یہاں اس واقعہ کے علم کو لے ہیں۔“ مٹکئی کے بھائے نکاح کو لایا ہے۔“ رخصتی سب چند دن بعد ہے۔“ اس کے انکشاف پر اس کا منہ کھلا کھلا رہ گیا۔

”کوئی نور کا کہن ہے۔“ مبارکی رہتی ہے تو وہ بھی کر دے۔“ اس نے فحاشا ہوئی۔

”مبارکی یہ ہے جناب! کہ معہ صاحب کی عیم نے صبح کے لیے مقدمہ کر رکھا ہے۔“ دونوں کی تپیں بھی نہیں جل سکیں سو معہ بدحوالوں کے کھڑے ہوئے۔

”کیا؟“ اس نے بے یقینی سے اسے دیکھ کر دیکھا۔

”تمہارے نکاح پر آیا تھا کیا؟“ اس کے منہ سے پھل پڑی۔

”جی جناب! یہ دیکھنے آیا تھا کہ اس کے والد صاحب کی عام سی شکل و صورت کی حامل بھانجی کا نکاح کس احسن سے ہو رہا ہے۔“ لیکن اسے اس احسن کو دیکھ کر اس کی گواہی کہ من کا من کر خلاشا شک کا تھا۔ اس لیے بمشکل میں منٹ ہی بیٹھا تھا۔“ وہ عجیب سے انداز میں ہنسنے ہوئے بتا رہی تھی۔

”جب مجھے یقین آیا ہے کہ اگر آپ کی فہم

ابھی ہو تو زندگی خود بخود خوب صورت ہو جائی ہے۔“ وہ منہ میں لے کر دیکھنے لگا۔ کچھ خوب صورت وگھوں کو بھی قسمت کے نگے رہتے تھے۔

”تمہیں کس کا؟“ انہیں یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی۔ میں نے غصہ تو نہیں سمجھا کچھ کر تھک گئے تھے۔“ اس نے بھی اس کے خیالات میں مثبت تبدیلی پر فکر لوا لیا تھا۔

”یہ خضر کب انگلینڈ سے واپس آئے گا؟“ اب تم لوگ بھی خود“ شادی کر لو گھر تو اس کا تقریباً من چکا ہے۔“

”ہاں لگتا ہے یہ ہی کہہ رہی ہیں۔“ سارا کارپورل بھی قائل ہو گیا۔ پچھلے اس کے سرسری دلتے بھی بہت اصرار کر رہے ہیں میں نے ان شاء اللہ بہت جلد۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہہ۔

”میں بھی تم لوگوں کی شادی انیڈ کر کے ہی جتوں کی سپارڈر آنا کون سا آئندہ کہہ سکتا۔“

”تمہیں کس جج کا مسئلہ ہے؟“ ٹوٹ کر اس نے توجہ سے بھی اس پر توجہ دی۔ اس نے انور کے ملک کا توجہ سے دیکھا۔

”جسے بھاپائے بیٹھے ہیں۔“ تمہارے یہاں کو بھی خوب کھانا دیتے ہوں گے آرام سے آلی جاتی رہے۔“ اس نے اسے پھینکا تو ایک دھڑک پھر اس نے اس کی آنکھوں میں ستارے دیکھ دیے تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد ہی بھی کہہ دو اتنی خوش تھی کہ غصہ اٹھانے کی اور کائی کر رہی تھی۔“ یہ تو کائی تھی تو جواب کی۔“



وہ مبارکی ایک قریبی شام تھی۔ جب وہ شمشاد کو اس کی شادی کی شاپنگ کروا کر کھانے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ شمشاد چائیں کیوں اپنی شاپنگ کے سلسلے میں اتنی حساس ہو رہی تھی یہ پھر ساری ہی لڑکیوں اپنی شادی کے سلسلے میں اتنی ہی حساس ہو جاتی ہیں۔ بہت مشکل سے آج اس کے شادی کے جوڑے کا کام چل گیا تھا۔ اس کا بازو اس میں محکم محکم کر پورا بدن ٹوٹ رہا تھا۔

تمہارا ہوا اپنی کراچی سے آئی ہوئی تھیں۔ وہ ان کو بھی وقت نہیں دے پارہی تھی۔ ذہنی اور جسمانی صحت کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس وقت خلاف معمول صوفیہ بیگم سارا اور اپنی کواؤنٹ میں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ ایک لمبے میں اس نے ناخوشگوار فضا کو محسوس کیا تھا۔ وہ سب کو سلام کر کے سامنے صوفیہ پر بیٹھی تو صوفیہ بیگم نے خالصے سنجیدہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

”اسی! تمہاری آخری دفعہ خضر سے کب بات ہوئی تھی؟“ وہ انداز میں نہیں کراہی کہ صوفیہ بیگم کے انداز میں اجنبیت زیادہ ہے یا وہ لگتا ہیں۔

”میں اس سے فلن پر بات تو ایک ہفتہ پہلے ہوئی تھی جبکہ اس کاٹ پر رسول۔“ وہ ان کے اس انداز پر الجھ گئی۔ ”کیوں نہیں بتاتے؟“

”اس وقت کمال تھا۔“ وہ عجیب کسوتی کھیل رہی تھیں۔

”کلن من۔“ وہ مزید حیراں ہوئی۔

”اس نے تمہیں کیا بتایا کہ وہ پاکستان کب آئے گا؟“ صوفیہ بیگم کا چہرہ پاشا اور انداز بھی حیران کن حد تک روکھا پن سے ہوئے تھے۔ وہ کچھ تشویش کا شکار ہوئی۔

”میں نے یہ ہی کہا تھا کہ وہ جی نہیں کو وہ انداز پ کر رہا ہے۔ کچھ ٹائم لگے گا۔ یہ ہی کئی ایک یا ایڑہ ملے۔“ اس نے حیرت سے جواب دیا پھر جھنجھلا کر پوچھا۔ ”تاما، کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں ہوا! کیا اس نے تم سے کوئی ذکر کیا تھا کہ وہ اٹلی جائے گا؟“ صوفیہ بیگم کا لہجہ گہری کھونج لے ہوئے تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے تلی میں سر دیا تھا۔

”کیا اس نے تمہیں پر سنی انٹرویو پر بات کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت آگلی میں ہے؟“

”کیا مطلب؟“ خضر اٹلی میں ہے؟“ اس نے وقت حیرت عجیب اور بے یقینی سے صوفیہ بیگم کا چہرہ دیکھا۔ کمرے میں ایک بوجھل سا خانا بہت حیرتی سے پھیلا

تھا۔ صوفیہ بیگم کو اس کے سوال میں اپنا جواب مل گیا تھا۔

"اٹلی کیا کرتے گی ہے؟ مجھے تو اس نے یہ کچھ نہیں بتایا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اچانک پروگرام بن گیا ہو۔ گپ کو کیا غصہ آئی ہے بتایا ہے؟" اس کا سنا دھیان فوراً اپنی دہلیز پر گیم بن کی طرف گیا تھا۔ اگر غصہ وہاں کیا تھا تو اس نے بیگم کو قیام بھی دیا ہو گا۔

"مجھے غصہ نے نہیں بتایا۔" صوفیہ بیگم نے سیات انداز میں کہا۔ "وہ غصہ کے گھر نہیں گھرا۔ اس کو تو غصہ نے اچانک مارکیٹ میں لے جاتا تھا اسے وہاں بیچنے پر پورے پانچ دن ہو چکے تھے۔ وہ ایک ہوشیار شخص تھا۔" صوفیہ بیگم نے ایک اور نم اس کے سر پر چھوڑا تھا۔ ایک دم ساکت ہو گئی۔

"اما! آپ اس سے دو ٹوک انداز میں بات کریں۔ آخر چاہتا کیا ہے۔ چہ ہو سکے تو اس نے مجھے فون کر کر کے سر کھلایا ہوا تھا کہ ملا سارے پہلے ان کی شادی کیوں نہیں کرتیں۔ اب جب کہ گھر بھی مکمل ہو چکا ہے تو وہ کیوں شادی کی ڈیٹ مزید آگے چلا کر تک بڑھاتا چاہتا ہے۔" مانی آئی کی بات پر ارفع کو شاک لگ گیا تھا۔ اس نے بے یقینی سے ان کا ہوا چہرہ دیکھا۔

"مجھے خود کچھ میں نہیں آتا۔ مجھ سے تو دستہ ہی نہیں کر رہا۔ اس نے غصہ کو یہ پیغام دیا ہے کہ یہ گھر میں نے غصہ سے کہ تھا کہ اسے تیار کرنا کہ سارے کے سسرال واسلے اس کی شادی کا کہہ رہے ہیں۔ اس نے آگے سے مجھ ہی بات کر دی۔ میں تو بھی سوچ رہی تھی کہ میں ملتی تھی کہ وہ میرا کہہ گا۔ میں نے غصہ سے کہا ہے کہ اس سے دو واہ بات کرے۔" صوفیہ بیگم کی بات پر ایک مرد سی لہر ارفع کے دھڑکنے لگی۔

"لیکن آخر اٹلی کیا کیا ہے؟" اور وہ بھی کسی کو بتائے بغیر پھر وہاں پہنچ کر اس نے غصہ سے رابطہ کیا۔ نہیں کیا؟ یہ بات کم از کم مجھے ہضم نہیں ہو رہی۔" ماہو آئی کی صاف کوئی عوج پر تھی۔ "اسی صورت میں جب وہ غصہ کے سامنے بھی آئیں بائیں شاخیں کر رہا تھا۔ مانی نے مجھے خود بتایا ہے کہ

بڑی ہی عجیب حرکتیں کر رہا تھا اور اس کے بارے میں اس کے دھن کے گھر گھومنے پر رضی نہیں ہوں۔"

"کم کن آئی! کہیں ایک بات کے پیچھے پڑ جا میں گھر سے ملتی آئی تھی کہ ایک طرح ہو رہی ہیں۔" ارفع کا مٹی کا گھر آگے آگے کا تو یہ جو بیچے گا۔ "سارے ارفع کے ہار پیک ہوتے چہرے کو دیکھ کر بے زاری سے کہا۔ ارفع نہ سہی سے اٹھ کر اپنے عرصے میں بیٹھی تھی۔ اس کے سر میں طرح طرح کے اندیشے ناگ کی طرح سرخوار ہوئے تھے۔ خضر اسے کچھ عرصے سے قہر قہر پر دیکھتا تھا۔

"میں پاکستان آئی ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں گیا تم میرے قیث پر آ سکتی ہو؟" وہ دن بعد ہی خضر کی کل پر آئے ہوئے اس کے قیث۔ پچھلی گلی میں خضر کا تھا تھا سا گھر تھا۔ اس کا بڑا سا سیاہ دروازہ۔ کس بھی فی دیں ڈھونڈیں پڑا تھا۔ وہ شاید ابھی بھی پہنچا تھا اس کے قیث کی چھت پر گر جاتی ہوئی تھی۔ وہ ایک میبہ نور چہرہ پر تھا۔ یہ تھا اسے دیکھ کر آج پہلی بار ارفع کو اپنی سائیں بے ترتیب ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ بہت غصے میں تھی لیکن اسے دیکھ کر اس کا سنا غصہ اس کے اندر ہی نہیں جھپکا کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے قیث پر بہت تھکتا تھا۔ اٹلی بالکل اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ سیاہ سوٹ میں اس کی دلکشی بیٹھ چھ جاتی تھی لیکن قیث میں دلکشی میں اداسی سے بیٹھا تھا۔ اضراب بھی جھٹکا تھا۔

"بہر ارفع سے یہ بہت پہنچا کہ میں اٹلی کیوں گیا تھا؟" مجھے ملو معلوم نہیں میں وہاں کیا کرے گا تھا۔ میں وہاں سے گیا ہوں لیکن مجھے لگا ہے کہ میں اپنے بعد کا ایک حصہ وہاں چھوڑ گیا ہوں۔" خضر کے لیے میں کچھ تھا جو ارفع کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے خضر حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ غیر ارادی طور پر اس کے سامنے پڑے صوفے پر اضطراری انداز میں بیٹھ گئی۔

"مجھے تم سے بہت ساری باتیں کہنی ہیں، لیکن سوجھ میں نہیں آ رہا کہ کیسے کہوں؟" ارفع کو وہ مٹی کی طرح لپکتا ہوا لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟" کیسے کہوں۔؟ وہ یہی ہی کہتا ہے تم کہتے آئے ہو۔" ارفع نے اس کا نظر اور برٹانی میں ڈوبا چہرہ سے دیکھا۔ اسے اپنے اندر سب کچھ کی شدت پر اس کی مٹی کی محسوس ہوئی۔

"میں تمہیں بہت کچھ نہیں چاہتا ارفع! اس نے اس کے قیث میں لپکتے ہوئے کو بے شکل لپکتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"میں اب تک بہت زیادہ ہرٹ ہو چکی ہوں خضر! تم وہ بات کہو جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔" ارفع نے وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ چھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ارفع! ہم انسان بہت سادہ اور سیدوقوف ہوتے ہیں۔ ہم بہت آگے کی بات کہتے ہوئے یہ محسوس جاتے ہیں کہ اوپر ایک ذلت ہے جو سب سے بڑی بلان میکر ہے۔ وہ ذلت "کن" کہتی ہے اور بہت کچھ ہم سے دور میں آ جاتا ہے۔ آج سے تین ماہ پہلے میری زندگی بھی بہت ہموار تھی لیکن پھر اس میں ارتعاش ہو گیا۔" ارفع نے سوطیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

"تکس! کچھ دل چاہتا ہے۔ میں بہت سادہ ہوں۔ میں نہ چاہتا ہوں۔ نہیں ہوا ارفع! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ ہو سکتا ہے میرے قصور ہو گئی تو پھر وہ ذلت بہتر جاتی ہے۔" وہ کچھ چپ ہو گیا۔ خوف اور اضطراب ارفع کے وجود میں خون کے ساتھ پھیل گیا تھا۔ ارفع اس نے بے سبب باتیں کرتے خضر کو خوفزدہ انداز میں دیکھا۔

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو خضر؟" ارفع نے خود کو کسی عمل میں گرفتار محسوس کیا تھا۔

"دیکھو ارفع! تم بہت خوب صورت شخصین نور دیکھو۔ تمہارا لڑکی ہو۔ تمہارا ساتھ کسی بھی شخص کی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہو سکتا ہے۔"

تین ماہ پہلے تک میں بھی خود کو بہت خوش قسمت سمجھتا تھا۔" خضر کی بات پر ارفع نے لفظ "تھا" کہ بہت غور سے سنا۔ اسے یہ لگا جیسے کمرے کی دیوار میں اس کے اوپر اچانک سی سے گن گری ہو۔

"مجھے تم سے بہت محبت تھی۔" خضر کی بات پر اس نے سنا محسوس۔

"مجھے آج بھی تم سے محبت ہے۔" ارفع کو ایسے لگا کہ کسی نے چھ سائیں اسے مستعار سے دی ہو۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری زندگی میں تمہاری موجودگی میں بھی کوئی آسکتا ہے اور یہ کہ زندگی مجھے ایک عجیب و غریب دروازے پر لے آئے گی۔" ارفع کو انداز نہیں ہو سکا کہ اس کا لہجہ زیادہ عجیب سے بہت۔

"تکس! یہ وہ؟" ارفع نے بے شکل سائیں کی کمرے میں گھٹن کا حساب لیکھ ہی چھوڑا تھا۔

"وہ مجھے جب پہلی دفعہ تو میرے اندر اتنی بہت نہیں تھی کہ اس کے جیسے ہوئے چہرے پر وہ مٹی لگا ڈال سکوں۔" خضر نے اپنے تجزیے کو ایک دہائی الٹ دیا تھا۔

"اس کا کچھ چہرہ ہی طرح طرہ ہوا تھا اور پہلی کمرے چہرے سے ساری دنیا انداز کا سکتی ہے کہ وہ زندگی کی رشتہ جوں اور دلکشی سے بھر پور ایک لڑکی تھی۔ اسے ایک بار کہہ کی سرکشی۔ وہ اس کی مسکراتی مسکراتی اس کی سوجھ میں بھی کسی مو کا زور نہیں ہوا تھا اس کو ایک ناگہان حرم کی سزا بھگتا رہی۔ اس کے کزن نے اس کا پھون جیسا چہرہ تیرا سب سے جھسا دیا تھا۔ ملا نے مجھے اس سے طویا تھا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر کلب گیا۔ وہ اور میں نے صرف اس کا علاج کروانا چاہتے تھے بلکہ اسے نصف بھی دلانا چاہتے تھے۔" اپنے ہاتھوں کو اضطراری انداز میں مسلتے ہوئے گھر رہا تھا۔ ارفع کو اپنے وجود میں شتر سے چبھنے ہوئے محسوس ہوئے۔

"میں جو اس کو بہت دانا تھا اسے زندگی کی طرف واپس دنا چاہتا تھا میں لڑکی کی اس سے بڑی بد نصیبی

کیا ہو گی نہ خواجہ چرے کو مسخ حالت میں دیکھ کر
چہنیں مارتی تھی۔ اس لڑکے کے ساتھ زندگی نے ایک
لور تھا شاید اس کو اپنے واحد سہارا سے محبت ہوئی۔
اس نے خوفزدہ نظروں سے آنکھیں چراتے مگر
کوئی نہ تھا۔

”تم مجھے اصل بات بتاؤ مگر۔“ اس کے ملنے
سے بمشکل نکلا تھا۔

”پتا نہیں مجھے کیا ہوا اگر اس نے انہی قسم مجھے نہیں
پتا لیکن مجھے اس لڑکے کا جلا ہوا چہرہ پر ایسی ہنس
اس کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے اس نے۔“

وہ جب ہنسی ہے تو اس کے ہاتھیں گل پر کیا
ڈھیل پڑتا ہے۔ وہ جب خاموش ہوتی ہے تو اس کی
آنکھیں ایک اور جھلک کا مظہر پیش کرتے لگتی ہیں۔

وہ جب خوش ہوتی ہے تو اس کے منہ کی گھنٹا آواز
میں کشی گھنٹیں بگتی ہیں جیسے تار چرکے زبرد ہیں۔
میں نے اس سے بھاننے کی بہت کوشش کی لیکن میں

جہاں جاتا ہوں وہ ایک چہن کی مانند مہوے سامنے
آجاتی ہے۔ کئی رات بھر بھلی نہیں دیکھی اس کے
چہرے کا صرف ایک حصہ جا ہے۔ سناٹا کرتے ہیں کہ

وہ کوشش کرے تو زندگی کی طرف دھکیں آسکتی ہے۔
میں نے انگلی پکڑ کر اس کو دھکیلا دیا تھا۔ میرا
دل لور میرا ضمیر نہیں مانتا کہ میں اس کا ہاتھ جھٹک کر

اپنی زندگی میں گمن ہو جاؤں۔
وہ آنکھیں بند کر کے بڑے پرسکون انداز میں اسے وہ
واستان ایسے بنا رہا تھا جیسے وہ کسی لور کی ہو۔ اس نے

شدید صدمے اور بے چینی سے بغیر پٹلیں جھٹکائے
اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی مدد تک بھوپال کی زندگی
میں تھی۔

”ملا کتے ہیں لوگ کہ محبت زندگی میں صرف ایک
بار ہوتی ہے۔ ملا کتے ہیں یہ بھی کہ انسان کسی کے
چہرے یا جسمانی حسن کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہونا

بے لور بھر اس سے محبت کرتا ہے۔ اصل میں جس
سے ہمیں محبت ہوتی ہے جس کی ہر چیز ہمیں خود بخود
پیاری لگنے لگتی ہے۔ ہم اسے دنیا کی ٹھوس سہارا

چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جو ہمارے دل میں دکھاتا
چھتا ہے۔ اس طرح کو گائی کوئی اور تو ناخواب دیکھ رہی
ہے۔ کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے مار رہا ہے۔
ہر اس کی ٹھوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں بہت لذت میں ہوں یا۔“ مگر نہ بات
کرتے کرتے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔
میں اسے چھوڑ نہیں سکتا لیکن تمہارے بغیر نہیں رہ

سکتا۔ میں نے اس موضوع پر اتنا سوچا ہے کہ مجھے لگتا
ہے کہ میں مزید ایک گھنٹہ بھی اس پر لور سرخوں گا تو
میرا دل پھٹ جائے گا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ

چھائے بے کوازدہ رہا تھا۔ اس کی قوت گویا کی نہیں
تھوڑی تھی۔ اس نے پوری کوشش کی کہ وہ اس سے
فرتے دیکھنے چلائے لیکن وہ ذہنی لور جسمانی طور پر

بالکل مفلوج ہوئی تھی۔
”کہتی ہے کہ اس نے اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ
جا ہے اس کا چہرہ ٹھیک نہ کرے۔ لیکن مگر حیات کو

اس کا نصیب مانا ہے۔“ مگر کے ہونٹ پر کی طرح
کیک رہے تھے۔
”ملا نے اسے علاج کی غرض سے اٹلی بھیجا تھا“

لیکن اس نے منع کر دیا۔ اس نے اسے اس کے
لے اپنے ایک دوست کے کلینک میں شفٹ کروا دیا۔
مگر کچھ رہی ہیں کہ اس کے والدین اسے آکر لے گئے

ہیں۔“ وہ اسے ایک عجیب سی داستان سنا رہا تھا۔
”میں نے اسے بہت مشکل سے اٹلی جانے پر
راضی کیا۔ کتنے مہاتواں پر جنگیں لڑیں۔ کتنے ڈرائے

کیے اس کے خاندان والوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ
اسے دارالانجام بھیج دیا جائے۔ وہ اسے قبول نہیں کر
سکتے۔ میں نے بہت مشاغل سے ایک دوست کے

ذریعے سے باہر بھجوایا۔ ملا کو اس بات کا علم نہیں۔
کچھ رہی ہیں کہ میں نے بھی اس کیس کو چھوڑ دیا
ہے۔“ اس نے ایک لورم اس کے اصرار پر پھوٹی

تھی۔
”اس کے اٹلی جانے کے بعد مجھے لگا کہ میری زندگی
تارل ہو جائے گی۔ میں لاگینڈ میں تھا جب مجھے پتا

چلا کہ اس کے اٹلی جانے کے بعد مجھے لگا کہ میری زندگی
تارل ہو جائے گی۔ میں لاگینڈ میں تھا جب مجھے پتا

کہ اس کا نوس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ مجھے نہیں معلوم میں کیسے انجینئر سے وہاں چلا گیا۔ کوئی طاقت تھی جو مجھے دھکیل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کافی حد تک ہنسنے لگی۔ مجھے لب لباب میں نہیں آتا میں کیا کہوں؟ میں اللہ کے سامنے بہت دوبا ہوں گڑگڑایا ہوں کہ مجھے دوست فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ میں نے سلسلہ حق استقامت کیا ہے۔ میری سمجھ نہیں آتا کہ اللہ اسے میرے لیے بہتر کیاں کہہ رہا ہے۔ "تم کو ویسے کا تھا کہ کسی نے اسے اہل بلور سے دھکا دے دیا تو وہی زمین اس کے اوپر سے اس کے پرچے اڑانی گزرتی ہو۔ رعساروں سے پھلتے آنسو اس کی ٹھوڑی سے زمین پر گر رہے تھے۔

"مٹھ کر لیا لکل اس کے سامنے محضوں کے بل چنہ گیا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح دوبا تھا۔ اس جگہ پر اس نے ارفع کو ہل دیا ہوتے ہوئے دیکھا تھا اسی جگہ وہ اسے ہی طرح ٹوٹنے کی کھرتی دیکھ رہی تھی۔ اسے کندہ چھری کے ساتھ لٹا گیا جا رہا تھا۔ درد اور قہر کی شدت نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد آنسوؤں کی چادر اتنی گہری ہو گئی تھی کہ اسے کچھ بھی دیکھنے کی طاقت نہ رہی تھی۔

"ارفع! اگر اللہ نے اسے میرے لیے بہتر خیال کیا ہے تو اللہ تمہارے لیے محبت میرے دل سے نکل گیاں نہیں دیتا؟ میں وہ کشتیوں کا مسافر بن کر زندگی کیسے گزار سکتا ہوں؟ مجھے سکون کہاں نہیں آتا؟ میرا دل ٹھہر گیا نہیں جاتا؟ میرا ضمیر مجھے طاقت کہاں کر رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا؟ اسے بوسے میں دھت ہو رہی تھی۔

"خضر اگر میں تمہیں کہوں کہ تم اس بڑی کو چھوڑ دو تو کیا تم اسے چھوڑ دے گے؟ اس میں ساری تنگیوں میں اس اتنی ہی ہوتی تھی۔ خضر کی آنکھوں میں استغیاب تھا۔ دھماکی تو فتنے کے بولا۔

"ہاں چھوڑ دوں گا لیکن اس کے بعد ساری زندگی میں مور میمر کی حدت میں بھی سرفراہ کر نہیں سکوں گا۔"

"پھر تم مجھے چھوڑ دو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ کوئی شکایت نہیں۔ پوری ایمانداری کے ساتھ میں تم کو اپنی زندگی میں شامل کرواؤں۔ جب اللہ سے مشورہ کر لیا جائے تو پھر شکوک و شبہات میں نہیں پڑے گا۔ انسانوں کے لیے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر مجھ اس کی سانس طلق میں ایک رہی تھی لیکن اب اسے ہمارے گھر میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" خضر کو ہوا دل کسی گہری کھلی میں لڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر میں تمہیں چھوڑتی ہوں۔ اگر میں تم سے تعلق رکھوں گی تو میں اپنے ضمیر اور اللہ کی حدت میں بھی سرفراہ کر نہیں سکتی ہو سکوں گی۔" اس کی بات پر شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی دھندلہ سی جھلک دیکھ کر۔

"ارفع! میں تم دونوں کو آرام کے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ اگر تم اپنا دل بڑا کر لو۔" وہ التجا سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میری خضر! تمہارے معاملے میں میری محبت کا ظرف بہت چھوٹا ہے۔ میں یہاں نہیں کر سکتی۔" اس کی بات کھل کر کہنے لگی۔

"فارگذا سیک! ارع! تمہارے بغیر زندگی گزارنا میرے لیے رونا آواز تھا۔ ہو گا۔ طیرا بھی بہت بدل جائے گا۔ اس کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔

"خضر! اس کی جانب مڑی۔" اگر تمہارے دل میں میرے لیے واقعی نہیں محبت ہے تو یہاں مجھے بہت دھارہ مت کہنا۔ میں تمہیں کھینچنے والی ہوں اس بڑی کو اپنے لیے کی اجازت دیتی ہوں۔ لیکن مجھے ہے ساتھ کسی آزمائش میں مستعد ہوں۔ اس کی تو رائی اور الفاظ میں کچھ تو سنا اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

"تم استقامت کر چکے ہو اور جب اللہ سے مشورہ کرنا چاہتے تو پھر بندوں سے مشورہ کر کے خود کو گمراہ نہ کرو۔ ضروری نہیں ہوتا کہ زندگی میں جو چیزیں تمہیں اچھی لگتی ہوں وہ سب ہی مل جائیں۔ میرا خیال ہے دل سے نکل کر اور پوری ایمان داری سے نہ ہو۔"

جس کا مشورہ تم اللہ سے کر چکے ہو۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ ایک دم سے کمرے سے نکل گئی۔ قسمت نے ان دونوں کے ساتھ بہت عجیب کھیل کھیلا تھا۔ وہ اپنی گزری کی چٹی دیں بھول گئی تھی۔ بے توازن رہی تھی۔ وہ بے شکل اپنے پاس بھیٹے ہوئے چل رہی تھی۔ اس کا دل اس کا سارا وجود حواس مارا کر دوبا تھا۔

"بیوی! پورا ایک سیکڑ کر اس کر لگی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی جب مرکز کے قریب تاشا نے اسے دیکھا اس کا آنسوؤں میں قہر ہی تھا۔ اس نے دیکھا کہ تاشا ہاتھ پر نہیں دھکیلا ہاتھ منہ پر رکھے ہوئے چھوٹ کر رہی تھی۔

"وخت حیرت" عجیب طور پر تاشا کے ساتھ اپنے سامنے بیٹھ کر کھلی سی ارفع کو کھلی بات سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم چپکے دھن سے غار میں جھلس رہا تھا۔

"تم نے خضر جان سے شادی سے انکار کیا کیا ہے ارفع؟" تاشا کی آواز گہرا تھا۔ اس سے اس کا بے تار چھوڑ دیا۔ دیکھ رہی تھی اس دن اسے کمرے کھنڈی تھی۔ سارے راستے ارفع کی پیچوں سے روکتے ہوئے تھی۔ لیکن منہ سے ایک فقہ بھی نہیں نکلا۔ خضر گھبراتے ہی وہ بے سوجھ بوجھ کی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ وہ شدید تلی دہا میں ہے۔ اس لیے اسے مزید دیکھنا چاہیے۔ وہ لڑکیوں کی دلچسپی میں تھی۔ جب اس نے ایک دن ہسپتال میں بالکل اپنے پاس کھڑے خضر کو دیکھا۔ کھل ہوش و حواس میں تھی۔ لیکن وہ اس کی آنکھوں میں بھلائی کی کوئی دیکھ سکتی تھی۔ وہ جتنی خاموشی سے تیا تھا اس سے بھی زیادہ خاموشی سے وہاں چلا گیا۔ اسے سارے نے دیکھا کہ خضر گھٹنے دھکیں چلا گیا ہے تب اس نے جب کرکٹ دیکھا کہ اس نے خضر سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ ابھی بھی اس سے محبت کر لگی تھی۔ وہ کھل چکی تھی کہ محبتوں نامتن کا ایک مسئلہ خضر سے خلاف شروع ہو جائے۔ سارا نامہ آپل اور جی کہ

علیہ آئی نے بھی ایڑی چوٹی کا درد لگایا تھا لیکن اس کی نہ "ہاں میں نہیں بدلی تھی اس کا کہنا تھا کہ خضر انگلیز میں شفٹ ہونا چاہتا تھا۔ اسی وقت پر دونوں کا اختلاف ہوا اور بات بہت آگے تک پہنچ گئی۔

سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے۔ سب بھی یہی سمجھتے تھے کہ خضر نے اسے پاکستان چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ایک رات اس نے ان سب کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ خضر کے علاوہ ہر بندے سے شادی کو تیار ہے لیکن اس سے کسی قیمت پر نہیں۔ اس کا لہجہ اس قدر روک اور چلک سے جاری تھا کہ سب خاموش ہو گئے۔ جس دن ملا نے خضر کو ہسپتال شرمندگی سے فون کر کے کہا تھا کہ وہ سخت شرمندہ ہیں کیونکہ ارفع اس سے شادی کے لیے کسی صورت راضی نہیں اسی رات اس کا آخری مسیح آیا تھا۔

"ارفع! پیڑ میوے پورے لٹے احسان مت کرو کہ میں ان کے لیے پیڑی بک کر کسی دن مراؤں۔"

اس نے سارا الزام اپنے سر لے لیا تھا۔ کسی نے بھی خضر کو ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ لیکن اس دن جس حالت میں تاشا اسے گھر لے کر گئی تھی اور اس نے جس طرح اسے دہاتے ہوئے دیکھا تھا اسے یقین نہیں آتا تھا کہ صرف اس ایک بات پر ارفع اتنا برا فیصلہ کر سکتی ہے اور خضر جیسا بندہ بھی اس کے فیصلے پر کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ یہ بات اس کی عقل سمجھنے سے جاری تھی۔

"فارگذا سیک! ارفع! مجھے بلاؤ مت۔ میں نے تمہارے اور خضر کے ریلیشن شپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میں اس بات کو مان نہیں سکتی کہ تم اتنی سی بات پر لڑنا پڑا فیصلہ کر لو۔" اس نے بنا کسی تمہید کے ایک دھماکہ پھر اس سے پوچھا تھا۔

"یہ اتنی ہی بات نہیں تھی تاشا! ارفع کے طلق سے بہت دیر ہو چکی تھی تو ازلگی تھی۔ وہ جبراً سکراتے ہوئے بے شکل اچھی تھی۔ تاشا نے فوراً پک کر اس کے پیچھے نکلے دیکھا تھا۔

"یہ اتنی ہی بات نہیں تھی کہ جس کے لیے

اسنے سبیل کا اتنا طوط صورت و طیش غم کرنا جائے۔
 ”بھئی بھئی جو چیزیں کسی اور کے لیے بہت معنی ہوتی ہیں کسی دوسرے کی ساری زندگی ہوتی ہیں وہی چیزیں۔“ اس کی گلاب رنگت میں لڑکیوں سے حسرتی تھیں۔
 ”پھر بھی ارجح! تم اپنے لیے یہ وہاں سوچو۔ غصہ کو بھی سوچنے کا نام نہ دے مجھے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے بھی اس بات کو اپنی فکاہ مسئلہ کیوں بنایا ہے اور تم بھی کیوں اڑی ہوئی ہو۔“ آخر انھیں شفت ہونے میں ہنچ ہی گیا ہے؟ وہ ٹانگیں جھٹکتے ہوئے شہ پر ڈھاری سے کہہ رہی تھی۔ ”تم تو ایسے بھی زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہی ہو۔“
 ”لیکن مجھے اب نہیں رہنا۔“ ارجح نے بے ڈھاری سے کہا۔
 ”تو نہ رہنا لیکن دانشمندی سے بات کو بند کر۔“ غصہ سے کچ نکھٹتے تھیں کوئی ہت تھی ہے جو لب لب لب کا آہن جاسے گا۔ لیکن پھر سے سمجھو۔“
 ”ناشائے اسے سمجھنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔“ مجھے اس پیسے پر نہ کچ سوچنا ہے لو نہ کل۔“ اس کے انداز میں پنہاؤں کی مضبوطی محسوس کر کے وہ بری طرح جھٹکی تھی۔
 ”تم کو تو میں غصہ سے بات کروں۔“
 ”ہرگز نہیں۔! ارجح کے وہ لوگ انداز میں تھیں۔“
 ”یہ کیا بات ہوئی۔“ ناشائے سخت برا بھلا کہہ رہی تھیں ایسا کہیں کر رہے ہو یا راجہ غصہ کو توں کرتی ہوں تو وہ اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ تمہاری جگہ نے سارے نے اور بھی آئی ہم سب نے اس سے انگوڑے کی کوشش کی ہے لیکن اس نے بھی اپنے منہ کو تھکا کر لگا ہے نہ پالی تمہیں بڑا ہی ہے۔“
 ”تم دونوں کو بیٹھے بیٹھائے کیا سوچیں۔“ سارے گھر کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔
 ”ہیسا کیا کر دیا ہے ہم لوگوں نے جو تم سب کو

موت سر پہ کر بیٹھ جاتے ہو۔“ اور یہ کیا انوکھا ہو رہا ہے؟ کیا تمہارا اور معیہ کا ہر ایک لب نہیں ہوا تھا؟ اس کے منہ انداز میں کہنے پر ناشائے چہرے پر بھی سرحت سے ایک تدریک جاریہ ڈالتا تھا۔
 ”ویز ارجح! تم خود کو میرے ساتھ مت ملاؤ۔“ ہمارے نہیں میں تو میں ایک طرفہ طور پر اس کے پیچھے ہٹ رہی تھی۔ تو میرے ساتھ صرف نام نہاد تھے۔ ایسے معاملات کا انجام ہیسا ہی ہوتا ہے لیکن تمہارا کیس تو بہت مضبوط تھا۔ ساری دنیا جانتی تھی کہ تم لوگ شادی کر کے لو لے ہو۔“
 ”خدا کے واسطے ناشائے ساری چیزیں کا مل شادی نہیں ہوتی۔ کہاں کہا ہے کہ جس سے محبت ہو اس سے شادی ضرور کرو؟“ اس کی آواز بہت سی گئی تھی۔ ناشائے اس کے رد عمل پر حیران ہوئی۔
 ”سہ ماہی ہمارے نام توگ پورپ میں نہیں رہتے جنہاں لوگ محبت کی وجہ سے شادی کے بغیر بھی ایک ساتھ ایک روم شیئر کرتے ہیں۔“ ناشائے سبیل نے جھٹکی کی اجازت نہیں دیتا۔ ”میں اپنے رشتوں کو پاس نہ ڈالتا ہوں۔“ ناشائے کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر جو زہم ہوئی۔
 ”تو میں کہن سا اس کے ساتھ رہنے کا اعلان کر رہی ہوں تو مجھے کسی نام کی ضرورت پڑے؟“ وہ دیکھ چلا کہ ہے وہاں جا کر کسی نہ کسی سے شادی کر لی لے گا بہت فکری۔“
 ”تو تم کیا کہو گی؟“ ناشائے حیران پر اس نے بے ساختہ آنکھیں چرائیں اور پلوں کو تیزی سے جھپک کر ان میں کسے لپٹی کو پھیلایا۔
 ”میں نے فی الحال کچھ نہیں سوچا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کر لوں گی۔“ اس کے جواب پر وہ کچھ مطمئن ہوئی۔
 * * *

ملے ہو گئی تھی۔ اس دن صوفیہ بیگم کے چہرے کی رنجیدگی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ انہوں نے بیٹھ یہ ہی سوچا تھا کہ ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر میں کیسی لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سارے کی شادی صوفیہ بیگم نے طوط جو سوچا تھا اس کی تھی۔ غصہ اس کی شادی پر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس نے سارے کو شادی پر گاڑی کا خنجر دیا تھا۔
 ارجح نے خود کو بہت زیادہ مصروف کر لیا تھا۔ اس دن وہ ایک چوہا کاڑا کو مڑی لکڑی سے متعلق ایک لور کو دس کر کے امریکہ چلی گئی تھی۔ امریکہ قیام کے دوران ہی اسے پتا چلا کہ ناشائے رینڈ اپنے میاں کے ساتھ شفت ہو گئی ہے۔ دیکھیں اگر اس نے ملی برائے کس اسنے شروع کر لیے تھے سارے سر سمجھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ سارے کے پاس بیٹھنے کی سہولت اور غصہ کی شادی کی اطلاع اسے آئی تھی کہ نہیں۔
 ”تو تمہارا غصہ کب تم سے اگر ناراضی تھی تو تمہارا کم نہیں تو شادی پر بلا لیتا۔“ پتا نہیں اس کے ساتھ شادی کی ہے اس نے۔ کچھ خیر خیر نہیں۔“ سارے اپنے بیٹھنے کے ساتھ ان دونوں سیکے میں ہی تھی اور غصہ کی شادی کی خبر نے ما کے ساتھ اسے بھی کافی رنجیدہ کیا تھا۔ جو کسی جھگڑا کسے لپٹی کو حریف سے دیکھ رہی تھی اس کی بات پر جو تک لپٹی نہیں وہ لور کو بے ہوا ثابت کرنے کے لیے مسلسل لپٹی دی اسکرین پر غصہ سے جلتے بیٹھ تھی۔
 ”ظاہر ہے اسے شادی تو کرنی ہی تھی۔ آخر کوئی عیسیٰ کے لیے کب تکہ جو کسے لے سکتا ہے۔“ صوفیہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے انہار کو میر پر رکھتے ہوئے چہنچہنے ہوئے لیجے میں کہا۔ انہیں کچھ عرصے سے ارجح سے بہت گالے شکوے تھے وہ اپنے لیے کسے والے ہر رشتے میں سے کوئی نہ کوئی نقص نکال کر مستو کر دیتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی صوفیہ بیگم کی شکلوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سارے ان کے قریب ہی رہتی تھی اس لیے صوفیہ بیگم اکثر اس کے سامنے ہی

بیٹھ دیکھنے والی تھیں اور وہ بھی صوفیہ بیگم کی جہم شکلوں کو بہت غور سے دیکھتی تھی۔
 ”ویسے ما اس نے شادی کی کس سے ہے؟“ اس نے بتایا؟ مجھ سے تو وہ مفت کی بات ہوتی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ تصدیق میل کرنا لیکن اس کے انداز سے لگ نہیں رہا تھا کہ وہ ایسا کہے گا۔“ سارے نے بیٹھنے سے پوچھا لیکن بات کے اختتام تک اس کے لیے میں باہر ہی رہ گئی۔
 ”ہاں کبھی بھی تصدیق میل میں کہے گا۔“ ارجح نے غصہ سے منہ میں کہا تھا۔
 ”وہاں بیٹھے کیوں بتائے گا اور کچھ پوچھو تو میں نے خود بھی اس سے پوچھا مناسب نہیں سمجھا۔“ وہ کوئی بھی ہو نہیں سکتا۔“ صوفیہ بیگم حد درجہ آزار دہن ہوئی تھیں۔
 ”ہاں! کہہ تو آپ ٹھیک ہی ہیں۔“ اس نے بھی اعتراض نہ کیا۔ ”ما سز ہوئی نے جو ارجح کے لیے اپنے بھائی کے بہنوئی کا ذکر کیا تھا اس کا کیا مانا؟ سارے کی بات پر ارجح نے جھٹکے کر ہنر کر اسے دیکھ کر۔
 ”مجھے سز ملے گی کسی بھائی سے شادی نہیں کر لی۔“ جب میں ایک دلد کہہ چکی ہوں کہ اگلے دو سال تک میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تو آپ کو کون کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔“ وہ جھڑک کر کہتی ہوئی۔ صوفیہ بیگم اور سارے دونوں ہی کی آنکھوں میں بے زار کن سا احتجاج سمٹ گیا تھا۔
 ”آخر کب تک میں کروں گی تم شادی؟“ جب غصہ سے شادی سے تم نے خود انکار کیا تھا تو کب کس چیز کا سوگ من رہی ہو۔؟“ سارے کو بھی غصہ آ گیا۔
 ”غصہ کرنا دیا؟“ غری موز میں تھا اور تمہیں کس نے آہ ہے کہ میں اس کا سوگ منا رہی ہوں؟“ وہ سوچی فکری کی طرح چنچتی تھی۔
 ”تو پھر ہر آگے والے بہنوئی سے انکار کیوں کر رہی ہو؟“ سارے کی آواز جھنجھلائی ہوئی تھی۔
 ”میں نے لپے کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔“ جب میرا یہ کھل لڑوہ بنے گا تو میں تم لوگوں کو یہ بھانت

ہوا کے لوگوں کو دیکھنے کے فضل سے پہلوں کی اس لیے برائے صوفی میرے حال پر رحم کریں اور یہ شادی دلدی واسے ڈرا سے اور جہاں ملک بینک میرے ساتھ نہ کریں۔" ارفع کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ "مطلق لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

"دیکھ لیں! اتنا دلخیز خراب ہو گیا ہے اس کا۔ ہمیں اس کی ضرورتی پلٹ مانی ہی نہیں چاہیے تھی۔" سارا نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا جو پہلی خاصی حد سے کاٹکار دکھائی دے رہی تھیں۔ "سارا! کہیں کوئی اور تو نہیں ہے۔ جس کے لیے۔" صوفیہ بیگم کی آنکھوں میں کسی سوچ کی پرجھانپاں تھیں۔

"کم کن لہا! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور فرض کریں۔ ایسا کچھ ہو بھی تو آپ شروع سے ہمارے ساتھ اتنی فرشتہ رہی ہیں۔ اسے اچھی طرح بتا ہے کہ آپ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی یہی آپ کی اور عظیمہ آپ کی دونوں کی شکوایاں ان کے کلاس فیلو کے ساتھ ان کی پسند سے ہوئی ہیں۔ صرف میرے معاملے میں آپ کو ہلکا سا ڈر کر لی پڑی ہے اس لیے میرا نہیں خیال کہ ارفع کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ ہے۔" سارا نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ہو جس کے بارے میں اسے لگا ہو کہ مجھے پسند نہیں کئے گا۔ میرا مطلب ہے کہ اسٹینس یا کو الیہ کی بن کے حساب سے۔" صوفیہ بیگم کے اندیشے ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ سارا ان کی بات پر ہنسی۔

"لہا! اس کے مزاج کا کیا تو ہے آپ کو۔ اپنے سے کسی بھی لحاظ سے کم کوئی شخص اسے پسند آ سکتا ہے بھلا۔" اور ایسی صورت میں جبکہ خضر جیسے بندے کو چھوڑ چکی ہو۔ "اس کی بات میں اتنی کمی تھی کہ صوفیہ بیگم کو اپنے تمام اندیشے ختم میں تبدیل ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ انہوں نے یک دم ہی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ اس بات کی طرف توجہ دانی من کا

وہاں نہیں یہ تھا۔

○ ○ ○

"شہ جلود کے درخت کے مضبوط تنے سے ٹپک لگائے دیکھنے والے کھٹے سے وہاں ایک ہی پوزیشن میں کھڑی تھی۔" جب کھڑے کھڑے وہاں تک گئی تو اس درخت کے ساتھ لپک لگا کر بندھ گئی۔ "نیشن پر اکی گھاس کی پتلیں ڈیر کر اسے ملتی ہیں بالکل بے درمیاں سے مس رہی تھی۔ اس وقت وہ اعلیٰ کے ایک ہسپتال کے بالکل سامنے بنے ایک خوب صورت پارک میں تھی۔ اس وقت وہ پہلی دنیا سے کسٹرا تعلق تھی۔ اس کے اندر تو یہ بھڑکا ایک جہاں آباد تھا۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے تک اس کا اعلیٰ آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پاکستان میں خواتین پر ہونے والے جینی نشہ پر ایک ڈاکو سڑی ہو رہی تھی۔

پس ہی دوران ارفع نے اعلیٰ آنے کا ارادہ کر لیا۔ اسے پیشہ جہان کی تلاش میں زیادہ وقت نہیں ہوگی تھی۔ حشر قسمی سے جب وہ ہسپتال پہنچی اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ وہیں ایک ڈاکٹر نے بڑے خوشگوار انداز میں اس کی ہسٹری لیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا شوہر بہت چنڈا ہے اور اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ کچھ دن پہلے ہی ان کی شادی ہوئی ہے اور وہ امید سے بھری ہے۔

ارفع نے جب اسے دیکھا تو وہ دائیں کمرے پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی وہ جلد انتہائی شفاف اور سرخ و چہرہ تھی۔ اس نے سوتے ہوئے کمرے کی تھی۔ اس کا دل اچھل کر صحن میں آ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائی تھیں۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ابھی اس کے فانی سارے آپریشن ہو چکے ہیں اور بہت سے ہائی ہیں۔ اتنے تجربہ کار کے حد بھی اس کی طرف دیکھا ایک شہناز اس مرحلہ تھا تو پہلے اس کی حالت کیا ہوگی وہ سوچنا ہی نہیں آ سکتی تھی۔

اس نے ایک لمحہ میں اس کے چہرے پر پہلی

سکون مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ "ا سوتے ہوئے بھی شکر ادا رہی تھی۔ ارفع کے لیے کمرے میں ٹھہرنا شہناز ہو گیا۔ سارا ہر آئی۔ موسم نے بھی اہلکسی گزالی تھی۔ کمرے سے باہر نہ جانے کہاں سے آئے تھے۔ انہوں نے آسمان پر اپنی چادر بچھادی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل جل ہو گیا تھا۔

بارش اور آنسو دونوں ہی اپنی پوری شدت کے ساتھ برس رہے تھے۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ اسے بے غلہ تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ انتہائی اعصاب شکن حالت تھی۔ وہ اندر گرو کے لوگوں کی حیرت سے بے نیاز پس انجانے راستوں پر چلتی جا رہی تھی۔ اس کا سیاہ لباس بری طرح بھجک چکا تھا۔ وہ سنگار فٹ پاتھ پر نئے سنگ مرمر کے پیچ رہی تھی۔ چھٹی کلاں تھیں اس لیے بہت کم ہوگیا باہر نظر آ رہے تھے۔ دونوں ٹانگیں پیچ پر لوہے کے نہ جانے کتنی دیر تک رہی رہی۔ بارش اور آنسو دونوں اکٹھے ہی گئے تھے۔ اب بالکل خاموش تھی۔ عجب ارغوانی پھولوں کی بو ش سے چٹا ہوا ایک اطالوی جوڑا اس کے سامنے آ کر رہا تھا۔ وہ دونوں کسی کلاں کے اسٹوڈنٹس لگ رہے تھے۔ سنہری ریشم جیسے ہاتھ والی لڑکی کے ہونٹ بالکل اسٹریٹ کی طرح مسکراتے تھے۔ اپنی گہری نیلی آنکھوں کو حیرت سے پھیر کر انہیں میں کچھ پوچھ رہی تھی۔ ارفع نے بے ڈاری سے سر کے اشارے کو فنی کے انداز میں ہلکا۔ "اب انٹرش میں اس سے اس کی خیریت پوچھ رہی تھی۔

ارفع نے دوستی مسکرائی۔ ان کے غور دیکھنے پر ارفع کو تھوڑی سی الجھن ہوئی۔ سزا خاں سالہ لڑکا جس نے گہرے ہزرنگ کی پتلون پر سرخ شوش سے رنگ کی شورت پہن رکھی تھی۔ اس نے تھوڑا سا جھک کر شہناز ہاتھ والی لڑکی سے کچھ کلام کھلکھلا کر فرمایا۔ اس نے اپنے بیک سے ایک چاکلیٹ نکال کر چڑے لاٹھنہ انداز میں ارفع کی طرف بھجائی۔ اس لڑکی کے ہاتھ پر ایک کدو لکشی مسکراہٹ تھی۔ ارفع نے نہ کچھ ہوئے بھی چاکلیٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ لی۔

لڑکا ایک دلہہ پھر شرع کے انداز میں اسے کچھ کہہ رہا تھا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ تم اتنی خوب صورت ہو کہ تمہارے چہرے سے نظر ہٹانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔" لڑکے نے ہنس کر کہا۔

ارفع کو نہ جانے کیوں لگا تھا کہ منہ میں رکھا چاکلیٹ کا گڑا صحن میں پھنسی گیا۔ ایک دلہہ پھر اسی انداز میں کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے خالی نظروں سے دو لوگوں کو دیکھا جو لیل لیل انداز میں فٹ پاتھ پر بڑے چکر کو ٹھوکر لگاتے ہوئے گئے لے جا رہے تھے۔ بارش کب کی رنگ بگنی تھی مگر آسمان پر ہاتھ پھیرنے کو تیار تھے۔ تیز ہوا اور خوشی کے چوں سے شامیں شامیں گئی تھیں۔ رسی تھی۔ بہت دیر تک اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی گردن سے لہجے اٹھنے لگیں اور ایک ہی جانب پھٹتے دیکھتے اس کی آنکھیں جھٹلا گئیں۔

"میرے چہرے سے نظر ہٹانا اگر مشکل کام ہے تو فخر ہے کہ تم اتنی آسانی سے کیے کر لیا؟"

اس نے ہاتھ میں پکڑ پکڑ چاکلیٹ کا ٹکڑا سامنے درخت کے ساتھ گئے ڈسٹ بن میں اچھل دیا۔ اسے یاد گز رہے کے بعد بھی اس کا دل اس سرخ حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا کہ خضر اس کی زندگی سے نکل چکا ہے۔ وہ ہے کواڑ ہو رہی تھی۔ پُر حدت قطرے مسلسل اس کے گہروں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اس کے اندر غلہ پھیلنا جا رہا تھا۔ گئے دن پاکستان چلی گئی۔

○ ○ ○

ان میں گئے شہ جلود کے درختوں کے نیچے سفید ہوئے کی کر سبوں پر تے تے سامنے بیٹھے ارفع کو رشتا کے ایس ایک محسوس کر جو جھل سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ شہناز صوفیہ بیگم کے اچانک انتقال پر بطور حاصر اس سے بچنے والی تھیں۔ اس نے اعلیٰ گئی۔ اس کے اعلیٰ سے دلکش کتے کے تقریباً ڈیڑھ سال کے

بعد صوفی بیگم کا وارث ملل ہو جانے کی وجہ سے بالکل
 اچھا تھا۔ اچھا تھا اس قدر تقدیر کے اس دربار پر بالکل
 ششدر رہ گئی۔ وہ بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ
 بظاہر اتنی مضبوط نظر کرنے والی صوفیہ بیگم کا دل اتنا
 شکنور ہو سکتا ہے۔ سارا جو اپنے میاں کے ساتھ
 ازلیہ شغف ہو گئی تھی، عظیمہ آبی درانی میں جس
 وہ دلوں جب تک پہنچیں، صوفیہ بیگم کو متواضعی
 کے پھوپھوں کیا جا چکا تھا۔ اس کی تینوں کمینوں کے
 چالیسویں تک وہیں رکی رہی تھیں۔ عظیمہ آبی نے
 نور سار نے اسے اپنے ساتھ ملنے کے لیے کہا لیکن
 اس نے صاف انکار کر دیا۔ ماہو آبی اہلہ اراجی سے
 اسٹیم آؤ شغف ہونے کے اڑوے سے گئی تھیں۔
 ریشا کے بڑا ہوا تھا اس لیے وہ غوری طور پر تو نہیں آ
 سکی تھی، لیکن پاکستان پہنچنے پر سب سے پہلے اسی کے
 پاس نکل گئی۔ ریشا نے پانچیں کرتے کرتے اہماک
 گھٹ "ایف ایف ایف" لکھنے لگی تھی۔ وہاں مجھے غصہ ملا
 تھا۔ اس نے بے ساختہ چوک کر اسے دیکھا۔ ریشا
 کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔

"ہاں! تم نے مجھ سے جھوٹ کہیں بول تھا؟" وہ
 بہت غور سے اس کے چہرے پر پگھلی تاریکی کو دیکھ
 رہی تھی۔

اس نے کچھ نہیں بولی۔ وہ شلہ بلوط اور لکڑی کی
 شاخوں سے لکھی ہوئی شام کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے
 اصل تر گئے تھے۔

"میں بھی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم
 دونوں سکھ میں اتنا کچھ ہو جائے گا اور تم لوگ کسی کو
 کالوں کا خبر نہیں ہوئے ہو گے۔" ریشا کے چہرے پر
 ابھی ہوئی راکھ جیسی مسکراہٹ تھی۔

"میرا ذہن کبھی بھی اس حقیقت کو ماننے سے
 انکاری ہے کہ تم جیسی خوب صورت عین اور مکمل
 لڑکی پر کوئی کسی اور کو ترجیح دے سکتا ہے۔ مجھے غصہ
 نے بتایا کہ تم نے اسے خود پلوشتہ سے شادی کر لے کی
 اجازت دی تھی۔ تم کتنی بے وقوف ہو ارف۔"

ریشا کی بات پر ارف کے گلے میں بے شمار آنسو آ گئے

تھیں۔ اس کی پانچسویں چھ مگی تھی۔
 "تم اس کا سہ تو نہ دیتیں اس کا کہہ بیان پکڑیں تم
 کہیں اٹنی کھلتی ہے اس سے دستبردار ہو گئیں۔"

اس کی توازی میں خنک تھی۔
 "تم کسی کو کچھ تو جانتیں۔ تم نے یہ اچھا نہیں
 کیا۔" ریشا کی توازی میں دکھ، صدمہ اور ناراضی کے
 سارے ہی رنگ تھے۔

"کیا بتائی؟" وہ بولتی تو اس کی توازی میں ایسی گلی تھی
 کہ ریشا سے دیکھتی رہ گئی۔
 "تم نے اس کی پوری کو دیکھا ہے ریشا؟" وہ بہت

جھپ سے انداز میں مسکرائی۔
 "ہاں! دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ دے اتنے آپریشن
 ہونے کے باوجود بھی اس کی طرف دیکھنا کسی بڑی

آواز نہیں ہے کم نہیں تھا۔" ریشا کالوں کو ہاتھ لگا رہی
 تھی۔ اس نے اس کی بات پر گہری سانس بھری۔
 اسے دیکھا ہوا چومرے چہرے سے زیادہ خوب

صورت گئے لگا تھا۔ پھر پتہ میں کیا کرتی؟ "وہ استر لائیے
 اور" میں نہیں۔ ریشا کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہا
 کیا۔

"وہ اس کے نور میرے پیچ میں خدا کو لے گیا تھا۔
 اس کا منہ تھا کہ اس نے استکان کیا اور پلوشتہ درانی کی
 طرف اشارہ ہوا۔ اب بتاؤ! میں کہاں ہوئی ہوں؟" لکھ

کے کالوں میں دخل دینے والی۔ "وہ بمشکل پھرتے
 ہوئے اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔
 "ہاں! میں ایک ہی اللہ کا دلہنہ کیا ہے میں جس

کو اٹھ رہے ہوئے تھے۔" ریشا کو بے تحاشا غصہ آ رہا
 تھا۔
 "ایسے نہیں کہتے ریشا! ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے

ہم سے ہونے والے کالوں میں شک کرنے والے۔
 وہ تمک ہی کہتا تھا پلوشتہ کے لیے محبت اللہ ہی نے
 اس کے دل میں بٹلی تھی ورنہ اسے اس کا چہرہ دیا

حسین ترس چھوٹے لنگ تم خود سوچو! کوئی کسی پر ترس
 کہ کوئی بھرتی کے نام پر بھی اتنا پانی لے کیسے کر سکتا
 ہے؟" اس کی دہلیز پر ریشا چپ رہ گئی۔

”تم غلط سوچ رہا تھا کہ اس کی طرف سے کوئی
کسی بڑی آواز سے کہ میں تو بھر کوئی موٹر کسی
بڑے کے اپنے آپ کو یہیں ہتھکان میں ڈالنے کا
نہیں ہوا، مجھے بھی بہت تکلیف ہوئی تھی اس کے اس
لفظ سے، لیکن پھر اللہ نے میرے دل کو صبر سے
دیا۔“ ارفع کا انداز بہت سنی تھا۔ ریشا نے رنگ
بھری نظروں سے اس کے مطمئن چہرے کو دیکھا۔
”ریشا! صبر کرنا، تو نے تو مشکل ترین کام ہے لیکن
اللہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت سے زیادہ رحم نہیں
ڈالتا۔ آج میں سوچتی ہوں کہ میں نے بہترین فیصلہ
کیا۔ اس نے ایک جان بچا لی۔ لیکن اگر یہاں ہوتی تو
اب تک اپنے خاندان کے انتقام کی آگ میں جل چکی
ہوتی۔“ وہ دست پر سکون تھی۔
”لیکن ارفع! تمہارا دل اس کا تعلق ہے۔“ اس
جملہات کو حوصلہ بخوڑی۔

”میرا اس کا حق قسمت میں آیا ہی تھا۔ معرت
علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، میں کہ میں نے اللہ کو اپنے
ارادوں کے نونے سے بچا۔“ میرے ساتھ جی گیا
یہ بول۔ ”اس کی بات پر ریشا نے بے چینی سے
دیکھا۔
”ایسے فیصلے انسان توڑی ہوتے ہیں اور اللہ اپنے
خاص بندوں کو ہی ایسی آواز میں دیتا ہے۔“
”تم ٹھیک کہتی ہو ارفع۔“ ریشا نے اس کے
ساتھ ہتھار ڈاں دیے تھے۔ ”خیر شہناز ہی سے
خاص بندہ تھا اور اس کی مشکل پسند طبیعت کو کسان
چھوڑ کر کھل پھند آتی تھیں۔ کیا کھوڑی کر سکتا ہے؟
میرے جیسوں کے پس کی بات نہیں۔“ ریشا کی
صاف گوئی عزت پر تھی۔ وہ کچھ لمحے کے وقفہ کے بعد
بولی۔

”اچھا بیوی کا ذکر بہت محبت سے کر رہا تھا لیکن
مجھے اس وقت ایسا دکھایا جیسے وہ میرے سامنے ڈرنا کر رہا
ہے۔ اس کی جی بہت خوب صورت ہے۔ میں نے اس
کا نام غلط رکھا ہے کہ وہ تھا کہ ارفع کو یہ ہم بہت
پندہ تھا۔“ اس کی بات پر ارفع کو یک دم چپ لگ

تھی۔
”تم اس کی زندگی میں نہیں ہو لیکن پھر بھی ہر جگہ
ہو۔“ جی دیر تک میرے ساتھ رہا، تمہارا ذکر کرتا
رہا۔ اس کی بیوی بھی کہیں جاتی ہے، پھر تمہاری
بہت احسن منہ ہے۔ اس نے اسلام آباد لے کر کو
لو حور ای چھوڑ دیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اس نے اس
گھر میں تمہارے ساتھ رہنے کے خواہش کی تھی۔
”اس گھر میں کسی کو بھی نہیں لے جا سکتا۔“ ریشا
بہت کھانسی کے ساتھ اسے دیکھ کر تار تار تھی جو
اسے منظر پر کر رہی تھی۔

”ریشا! کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟“ ارفع
نے ایک گہری سانس لے کر بے چینی سے پلو بولا۔
”میں اس موضوع کو اپنی زندگی سے ختم کر چکی ہوں،
پھر ایسی باتوں، یا دل یا چیزوں کا کیا فائدہ جو آپ کو
سوائے تکلیف اور اذیت کے کچھ نہ دیں۔ میں اپنی
خواہشوں اور خواہشوں کے سارے پرے سے فٹا کر چلی
ہوں۔“

”صرف ایک آخری سوال۔ تم لوگوں نے اس
کا کے انتقال کی اطلاع کبھی نہیں دی؟“ ریشا نے
کھوجی نظروں سے اپنے سامنے جیسی انتہائی کمزور اور
درخشاں دوست کو دیکھا۔ اس نے حلاوت کے بعد بھی
اس کی تپ تپ دھڑکی سے قائم تھی۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے اس
دانش نہیں کیا۔ اس کا سارہ کے ساتھ رابطہ تھا جو
سارہ کے تھریڈز چلنے کے بعد شاید ختم ہو گیا۔ اس
کے بعد ہمارا کوئی رابطہ پر غصہ، آپ نے کہا تھا کہ اس کو
اطلاع کر دیں لیکن سارہ نے ہی بتایا کہ اس کا وہ بہر
مستقل بند ہے۔ شاید اس نے نمبر تبدیل کر لیا ہو۔
اس سے پتا نہ چلے گا کہ اس نے کسی نے بھی کوئی شے نہیں
کی۔“ وہ صاف گئی سے بولی۔

”چلو ٹھیک، لیکن تم بتاؤ تم نے زندگی کے لیے
لب کیا سوچا ہے؟“ ریشا نے بظاہر سرسری سے انداز
میں خاصا اہم سوال کیا تھا۔
”مجھے کیا سوچنا ہے؟“ پیسے، عطا سامی، سرجوں کے

مطابق ہی ہوا ہے۔“ ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے
چہرے پر اتر گئی۔
”اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ توڑی ہے کہ
انسان سوچنا ہی چھوڑ دے۔“ ریشا نے براہ راست بتایا۔
”میرا دل نہیں کرتا، کچھ بھی سوچنے کو، پس ایسا
چل رہا ہے پچھلے۔“ اس کے چہرے پر ممکن لہلیاں
ہو گئی۔

”جب سارے فیصلے تم نے خود کیے پھر اپنے دل کو
بھی سمجھاؤ، ایسے زندگی نہیں گزرتی۔“ اس کے اعتماد
بھرے انداز پر ارفع نے چونک کر اسے دیکھا جو شادی
کے بعد ٹھہر گئی تھی۔

”ریشا! ہمیں معافی دے دو، میں ۲۰۱۲ء اس کے ایک
دم پوچھنے پر ریشا کے چہرے پر پچھلے والا تاریک سایہ
ارفع سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

”نہیں۔“ اس کا انداز وہ توک تھا۔ ”جب بھی
اس کے حوالے سے کچھ ذہن میں آیا تو بس اپنی ذات
کی بے وقعتی کے حوالے سے کی چلنے والی تدابیر
کے لحاظ سے یاد آئے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی
بے وقوفی تھا وہ۔ مجھے اس سے محبت تھی لیکن اس
محبت کے بعد مجھے پتا چلا کہ محبت سے زیادہ عزت اہم
ہوتی ہے اس نے مجھ سے محبت نہیں کی۔ نہ کرتا،
لیکن میری عزت تو کرتا۔ سارے خاندان میں تمنا بنانا
کر رہا تھا۔“ وہ ایک دم ہی پھٹی تھی۔ ”آج مجھے دیکھو
ارفع! میں کہاں ہوں اور وہ کہاں؟ میرے رب نے
مجھے کیا کچھ نہیں دیا۔ ایک محبت کرنے والا شریک
حیات، دولت، اسیٹس، گولڈن ہاؤس، اس چیز کی کمی ہے
میرے پاس۔؟ اور وہ کہاں ہے، نہ ذہن کی جانب
دیکھو، نہ سکون، نہ کوئی اسٹینس۔ دوسری شادی کی تو
بچاؤ، کہ لوہا نہیں ہو سکتی۔ لب وہ سری بیوی بھی
چھوڑ کر چلی گئی۔“ وہ استغناء سے انداز میں اس ری
گی سارے گہری نظروں سے اسے جانچا۔
”پیارے ریشا! ایسے مت فہم، اللہ کو یہ سب پسند
ہے۔ یہ تمام چیزیں کافی جلدی ہیں۔ اس کا بھروسہ نہیں۔“

”ارفع! میں معذور نہیں، میں بہت پر فہم ری
ہوں، جس کا رنگ لاپ کر میں نے اپنی زندگی کے
اتنے قیمتی سال اس شخص کے لیے عارت کر دیے
تھے، خیر تحیک کتنا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب تم
اپنی اس بے وقوفی پر ہنسا کر گے۔ دیکھو! کتنی جلدی
وقت آگیا۔ میں نے اللہ پر چھوڑا تھا میں اس نے
میرے لیے بہترین کیا۔“ ریشا بڑی سی باتیں کر رہی
تھی۔ ارفع نے رنگ بھرے انداز سے اس کا
پر سکون چہرہ دیکھا اور پلے ہی دل میں اس کی دائمی
خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔

”تم اب مجھے انسان کی طرح جانو کہ تم نے یہ سوچا
ہے؟ اپنے اتنے قیمتی سال ایسے ضائع نہ کرو ارفع۔“
ارفع کو اس کے غلوں پر ذرا براہ بھی شک نہیں تھا۔
وہ دست ٹھہر کر بولی۔

میں نے بھی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ
میرے لیے بھی ویسا ہی بہترین کرے گا جیسا اس نے
تمہارے لیے کیا، اس لیے کہ وہ سب جہاں کا رب
ہے۔“

ریشا لا جواب ہو گئی۔ اس نے شدید حیرت سے
اپنے سامنے جیسی ارفع کو اتنا ہی پر سکون انداز سے تھا
میں پکڑے کپ کی سٹ کھینچے ہوئے دیکھا تھا۔

ماہو اپنی اور ان کے بچوں کے کہنے کی وجہ سے گھر
کی رونق میں ایک دم ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ ارفع نے اپنا
اسٹوڈیو اب خاصا جدید کر لیا تھا۔ اس نے کافی سارے
پر اچھٹکٹس پر کام شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو
ایک لمحے کے لیے بھی فارغ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔
فراغت کے لمحات اس کے لیے بعض دفعہ بہت لذت
ڈاک بن جاتے تھے۔ اس کا بہترین حل اس نے
مصنویت میں ڈھونڈ لیا تھا۔

اس کی خواہشیں پر گھریلو تشدد کے حوالے سے بڑے
والی ڈاکو حسی پر پیکل بول پر اصرار ملا تھا اور اس کے
کام کو خاصی پزیرائی مل رہی تھی۔ وہ دن بہ دن چینی

موصول ہوئی جارہی تھی اس کی سنوں کی پریشانی میں بھی ویسے ہی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس دن بھی وہ بیگ کھٹے پر ڈالے تیزی سے سیز حیاں اتر رہی تھیں جب کہن سے آئی ماہو آلی نے اسے دکھا۔

”ارفع! آج پلے جلدی گھر آجائے۔ میں نے شام کی چائے پر کچھ لوگوں کو انوائٹ کیا ہے۔“ ماہو آلی نے سجدہ کی سے اس کے موصولہ انداز کو بھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ رستہ واریج کو باجھت میں ابھی ہوئی تھی اس کی بات نہ ہو گی۔

”خیریت۔؟ کئی لوگوں کو انوائٹ کیا ہے جو میری موجودگی ضروری ہے؟“ اس نے اپنے بچے کو سرسری پکار کر بول دیا۔

”آئی حنیفہ کے جاننے والے ہیں اس کی دوست کا بیٹا ہے۔ لڑکے نے ہی اسے کر رکھا ہے اور ملٹی پیش کش گھنٹی میں اورنگی پوسٹ پر ہے۔ بہت جلد وینڈم لور سلجھا ہوا لڑکا ہے اور اگلا نام بھی ہے۔“

ارفع نے سر اٹھا کر ابھن بھرے انداز میں انہیں دیکھا وہ خاصی سنجیدہ تھیں۔

”تو آپ سب مجھے کیل بتا رہی ہیں۔“ اس نے بے زاری سے بیگ کی زپ بند کی تھی۔

”تمہیں اس لیے جارہی ہوں کیونکہ وہ تمہیں دیکھنے آ رہا ہے۔“

”کیوں میں کوئی مجھ کو یا کوئی غناشا ہوں جیسے دیکھنے آ رہا ہے؟“ ارفع کے حلق تک کڑواہٹ کھل گئی۔ ماہو آلی نے سخت ناراض نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں کو ارفع! انرجی میں ہو جو تمہیں اس چیز کی سمجھ نہیں ہے سلا تمہارے لیے کتنی آپ جیت میں اب تم ہم سب کو پریشانی مت کرو تمہارے سنوں کا پہلا کشن پوس بہت متاثر ہو رہا ہے۔ وہ اسلام آباد مزید نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں کراچی واپس جانا ہے تم اس جی ایل کو کہیں نہیں سمجھتیں۔“

”میں سب سمجھتی ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو پر اہم ہے تو آپ لوگ جاسکتے ہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟“

”مسئلہ تم ہو ہم تمہیں آگیا کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ بھڑک اٹھیں۔“

”میں اکیل کب ہوں تمہارے طائرین ہیں۔ سب سے بڑی بات رحمت ہو، میں لور میں تو ویسے بھی اپنے کام میں بڑی ہوئی ہوں۔ مجھے کسی کے ہونے نہ ہونے سے کچل فقل نہیں پڑتا۔“ اس کے بے نیاز لہجہ رہا ماہو آلی تپ سکی۔

”تمہارا دلغ عجب سے ارفع! تمہیں کوئی راز نہیں پڑا ہو یا۔ پڑا تو ہو نہیں سکتا پڑا ہے۔ ہمہ گیر کی سے ہونا باقی نہیں رہ سکتے۔ آئی یہ ساری سرور تمہارے کے سہ سے کرنا۔ تمہاری طبیعت بیٹ کرے لی۔“ اس کا لہجہ بدشت لور جھنپا رہا ہو تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ عظیمہ کا وہ کئی لانا کر رہی ہے۔ یہ کہ اس کے لور سارے کے ساتھ اس کی بے نظمی تھی اس لیے بہت میں بحث پر اتر آئی تھی۔

”میں خود عظیمہ آئی سے جیت کر رہی گی۔ آپ لوگوں کو میرے حوالے سے لوگوں کی بے ہودہ باتیں کان دھرنے کی ضرورت نہیں جس کو کوئی تلافی ہے وہ مجھے آکر کہے۔“ ارفع کھنکھناتے ہوئے بولا۔

”لوگ ایسے اقبال آ رہیں آپ کے ملتے میں پینے پیچھے ہٹ کر اشرافہ فرتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ تمہیں شادی شدہ نہیں ہیں لور ایک حوالہ جملہ جملہ ہیں اس کو اپنے پھوڑ رکھا ہے۔“ ماہو آلی بھر ساتھ ہی میں گویا ہوئی۔

”جس لوگوں میں اتنی حسد ہو کہ آپ کے سر پر آ کر بات کر سکیں میں ایسے لوگوں کی بد نہیں کرتی۔“

جس لوگوں کو شام میں چائے پر بلایا ہے اس سے یہی طرف سے معذرت کر گئی۔ ”میرا بھی ایسی لڑائی پڑا کا اکیلا رہا نہیں۔“

اپنی بات کر کے وہ رکی نہیں تھی۔ نامہ ہونے ہے اندر اٹھتی اشتعال کی لہر کو ہشکل دیا تھا۔ اس کا یہ وہ ٹوک انداز انہیں سخت ناگوار گزارا تھا۔ ارفع نے اس سے پیڑ و دم کی طرف پڑھیں اس کا ارادہ تھا کہ وہ آج عظیمہ سے بات کر کے اس ارفع کی ہمت رھری کے

پہلے میں بتائیں گی۔ وہ انداز اس موضوع پر لب خود ارفع سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں اس رشتہ خدہ تھا اور ابھی تو شام کو آئے لوگ مسافروں کو اس طرح سے بلاتا تھا اس سوچ نے اس کی جنرل منٹور کوفت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

○ ○ ○

ارفع کا آج کا سارا دن ہی بے کار گزارا تھا۔ انوکھ ڈور کا رنگ پر کیمے میں ہونے والی ملی غرائی نے اس کا موڈ خاصا غریب کر دیا تھا اس کا اسٹینٹ بھی آج ناشی طور پر غیر حاضر تھا۔ ٹیم کے دیگر لوگ بھی گری غور و حجب کی وجہ سے غلط سے زار تھے اور بار بار اسٹینٹ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید کہیں سے ہل جھوٹے حملے آئی جائیں۔ اس گریڈ کی ایک خاموش سی سپر تھی غلطی میں عجیب سی بے دلی لور گواہی چھٹی ہوئی تھی۔ اس الماس کے پیلے پلوں سے لیسہ حوتوں کے نیچے کھڑی اپنے اسٹینٹ کو کیمے سے نیو آنا ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے صحت کی مکمل روشنی میں لٹاس کے درختوں کے کچھ میں بیٹے خاص میں لیے پھل خواستہ آہو کی تھی بلکہ ان وقت پچھتا رہی تھی۔ بڑی ناشی لوگوں تھا لور ہونے کے لئے کی بار یہ ٹوکے کے بعد وہ ٹوکے میں پہنچے تھے۔

اس نے سامنے پلانڈ پر پہنچی و حجب لور لور ہی بکے و غور کو لے چل میں اترتے ہوئے محسوس کیا۔ اس سوچ میں نہیں سکتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے لئے جیسے والے میں گویا اس کی سنوں کو بھی فیکس کرتے ہیں۔ اس کا تعلق جس کلاس سے تھا وہاں کی کے اس بھی ایک ہ مرے کی ذاتیات کو انگس کرنے کا مکمل وقت ہوتا ہے بلکہ یہ اس پر ناظر آگ ہوا تھا کہ طبقہ کوئی بھی ہو ٹوکے د سولہ کلاٹ پر بات کرنے کا وقت کہیں نہ کہیں سے نکال لیتے ہیں۔ وہ سولوں کے رفلوں کو کہہ نا لور اس سے حصار انداز ہوتا تو ویسے بھی کچھ لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ

ہوتا ہے۔ چھوٹی ذاتیت کی کوئی کلاس نہیں ہوتی۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں چلنا چاہیے۔ کیمے کا فائنل میں کوشش کے بعد خود نہیں تلاش کر دیا ہے کسی ایکسپریٹ کو دکھانا پڑے گا۔“ اس کا اسٹینٹ ساجد بانڈ کی پشت سے ماتھے پر تپا ہوا صاف کرنے ہوئے آگے ہونے انداز میں کمر دیا تھا۔ ارفع نے چنگ کر اس کی سپر زار شکل دیکھی۔

”کیا ہوا ہے ساجد! طبیعت ٹھیک ہے؟“ ارفع نے اس سے غور سے پوچھا۔

”جی نہیں میڈم! عجیب سی طبیعت ہے۔ کچھ بھی کرنے کو مل نہیں کر رہا۔“ وہ متذبذب انداز میں اپنی انگلیاں پٹکا رہا تھا۔

”گھر میں سب خیریت ہے۔“ اس نے قدرے جتنا انداز میں پوچھا۔ وہ سب کو ایک غلطے پر ہی رکھتی تھی۔

”جی! خیریت ہے۔“ اس نے دل ہی ایک عجیب سی ضد پر اتر ا ہوا ہے۔ اس کی اپنی ہی مطلق ہیں۔ جو چیز اسے بھائی ہے اس کے لیے خود سے ہزار دلیلیں گھر لیتا ہے اور جو نہ بھائی ہو نہ پیرے کی ہی کیل نہ ہو اس ہزار برائیاں اس میں ڈھونڈ لیتا ہے۔“ ساجد بہت عجیب سے انداز میں ہنس رہا تھا۔ وہ چاہے میں سمجھوں اس کا لور ہوں تھا اور پچھلے چند سال سے ارفع کے ساتھ تھا۔ ارفع بھی خود تری میں جتا ہوا تھا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو ساجد! یہی ہی ہوتا ہے لیکن ہم جیسے لوگ نہ اپنی بائیں دل کے ہاتھوں میں پڑا رہتے ہیں نہ بہت غور ہوتے ہیں۔ دل پر پاؤں رکھنا سیکھو۔“ اس نے اپنے کپڑے جوڑے ہوئے سمجھت کی۔ وہ لب جانے کے لیے تیار تھی۔

”جیسے کہنے سے لیکھ لیا ہے۔“ ساجد کے منہ سے بے اختیار پھسا تھا۔ ارفع نے اسے گھور کر دیکھا اس نے فوراً نظریں چرا لیں۔

”سب سلائ گاڑی میں رکھاؤ۔“ میرا خیال ہے کہ ہمیں لھنا چاہیے۔“ ارفع کا انداز قدرے سخت لور وہ ٹوک تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ساجد اس کے لور غصے کے

بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ شروع شروع میں اس نے پوچھنے کی بھی کو خوشی کی بلکہ اس سے بھلاؤ کرنے کے بعد دنیا و اس کی بہت نہیں ہوئی۔

اس کی گاڑی جب اپنے سیکڑ میں داخل ہوئی اس وقت شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں نے مائل کو ایک اور اس سادہ گدے پر تھا۔ اس کا گرجا نے کوئی نہیں چاہا تھا بلکہ وہ آگئی تھی۔ اس کی گاڑی روش سے پورے گیو کی طرف رواں دواں تھی۔ اپنے گلاسز اتار کر اس نے ڈیش بورڈ میں رکھے اور گاڑی کا ردوانہ کھول کر باہر نکلی۔ اسی وقت ایک ہل اڑی ہوئی اس کے پیچ میں تھی۔ گری۔ لٹ کر بن لان سے ایک ڈھل سارا انتہائی کیون سی پکی بھاتے ہوئے اس طرف آئی تھی۔ اس کے پیچھے وہ آئی کا چار سالہ بیٹا سنی تھا۔ کچی خاصی صحت مند اور پیاری تھی۔ اس نے گلاب رنگ کے اسکرٹ پر سفید ٹاپ پہن رکھا تھا۔ اس کی رنگت سرخ و سفید اور آنکھوں کا رنگ ہریل گریں تھا۔ اس کے سیاہ سلی اور سینے بال ایک پوٹی میں تھیں جسے اس کے بالوں میں گلابی اور سفید ہی رنگ کی خوب صورت پینیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں کو پھیلائے نہ دیکھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہائے سوٹ مارٹ“ اس نے سنی کے ساتھ اس گڑیا کو بھی پیار کیا اور اشارے سے سنی سے پوچھا۔ ”کیا گھر میں کیٹ آئے ہوئے ہیں؟“

”میں اتنی۔“ سنی نے پل اٹھاتے ہوئی انتہائی مصروفیت بھرے انداز میں جواب دیا۔ اس کا موڈ ایک دم ہی خراب ہوا۔ لگتا تھا کہ مٹی اتنی نے اس کی تابعداری کے باوجود مسماں کو بلالیا تھا۔ ارفع کا چہرہ واضح انداز میں بھاتا تھا۔ وہ تھکے تھکے انداز سے اندر بڑھی۔ ردوانہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔ ٹھیک کر اپنی جگہ پر جم گئی۔ اس کا دل پوری رفتار سے دھڑکا تھا۔ سامنے صوفے پر تھکے تھکے انداز میں نیم دراز خضر کو دیکھ کر اس کے قدم ساکت ہو گئے تھے۔ اس کے بالکل پاس

منزل صوفے پر استیلا خاموش سی مٹی اتنی تھی تھیں۔ ارفع بندے کے نہیں اور بے نیکی کی کیفیت میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے بہت سرعت سے صوفے کو سنبھالا تھا۔

”اسلام علیکم! کیسی ہو ارفع۔“ خضر کی کبیر کو آواز آج پورے سانسے تین سال بعد اس کی آہستہ سے گرائی تھی۔

”و علیکم السلام۔“ کیسے ہو؟“ اس نے حلق میں اٹھتے گولے کو بمشکل گھڑا تھا۔ ہماری قدموں کے ساتھ صوفے تک پہنچا ایک دشوار کن مرحلہ تھا۔ وہ بالکل اس کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک نظر میں ہی دیکھ لیا تھا کہ خضر کھنڈ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی لپکلیاں تھیں۔

”تم کب آئے پاکستان؟“ وہ خود پر ہچکچاہٹا کر اس سے بولی۔

”میں صبح دس بجے آیا تھا۔ اب تو آئے ہوئے بھی آٹھ نو گھنٹے ہو گئے ہیں۔“ وہ لب سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اور بطور اسے دیکھ رہا تھا۔ ارفع کو اس کی ٹانگوں کا ارتکاز کر رہی تھی۔ چٹا کر رہا تھا۔ وہ اپنی خاموشی سے اٹھ کر بھی گئی تھیں۔ حوڑوں کی کچھ میں تھیں کہا تھا کہ گنگو کا آکار کمال سے کریں۔ ایک پورے سی خاموشی کا وقت وہ میان میں آیا تھا۔ اس وقت کو خضر نے ہی ختم کیا تھا۔

”میری مٹی قلم سے ملی ہو تم؟“

”ہوں! ماشاء اللہ بہت کیون ہے۔“ ارفع نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بہت زیادہ شرارتی ہے۔ پلش کی لٹہ کے بعد اسے سنبھالنا میرے لیے بہت مشکل مرحلہ تھا۔“

اتنے سالہ انداز میں بتایا تھا کہ ارفع شدید رو رہی۔

”پلش کی لٹہ۔“ کب ہوئی اس کی لٹہ؟“

تم نے بتا دی تھیں۔“ وہ دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”تم لوگوں نے ملا کے انتقال کا مجھے بتایا تھا۔“

انتہائی آزدگی اور تاسف سے کہہ رہا تھا۔ ”مجھے رشتہ

نے بتایا۔ جب ان کی وفات کو پچھلے گزر چکے تھے۔ تم وہ صبح بھی نہیں سکتے تھے کہ مجھے کتنا شاکہ لگا تھا۔ میں کتنے ہی بار اس صوفے سے نکل ہی نہیں گیا کہ تم وہیں نہ تھے۔ پتا نہیں کچھ۔ میں اسی دنیا میں تھا۔ میرا بیل غیر تبدیل ہوا تھا۔ لیکن اسی بیل ایڈریس پر مشل ایڈریس سب کچھ تو وہی تھا۔“ وہ آواز بلند انداز میں کہہ رہا تھا۔

ارفع انداز کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت کتنی لذت سے گزرا ہو گا۔ اپنے ذہن میں پتہ کی انگلیوں سے بے جب صوفے کی پٹیلی پر کبیریں کھینچ رہی تھی۔

”میں بلا کی اپنا کچھ لٹھ لے آتا تھا۔ کچھ کہ کئی بار تک میں خود بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔ کچھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے؟“ اس کے بعد سوچا کہ جیسے تھا وہاں مگر خیال آیا کہ تم پل یا پوری کوئی اور فیئر میں چھوڑ کر کیسے کو گئے؟“ اس نے بمشکل منہ بند کر لیا۔

”بلیر ارفع! ہم از کم میرے ساتھ مجھوت مت رہو۔“ مجھے اچھی طرح سے انداز ہے کہ تم اپنی زندگی کی کتب سے میرے صبر کے صحت سی پھاڑ رہی ہو۔ تم لوگوں نے دانت غور پر مجھے نہیں دیکھا۔“ وہ محوڑا سا بول رہا۔

”ہاں! پھر تم نے بھی دانت غور میں نہیں دیکھا۔“

”جی ہاں۔“ ارفع نے فوراً اس ن بہت اٹھ کی۔

”الیکس بڑے لیے کہنے کب سے شروع کر دے خضر! اس کی بات میں مجھ سے تیرے میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں بے کی صاف جھلک رہی تھی۔“

”میری تو بچپن ہی تھی۔ ایک ڈر اور خوف تھا کہ چہرہ دیکھا جاتی تھی۔ خضر! آپ نے بھی دیکھ رکھا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ میری جھلک ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی موت کے بعد مٹی کون سے کس کے بارے میں مدد کمٹس دے۔“

اس نے خضر سے چلنے کو کہے۔

”خضر! کیا تمہیں ہم لوگ اتنے چل گئے تھے کہ کمرے ہوئے بندے کے بارے میں کچھ

کمٹس دے؟“ یہ سب قسم کے خود ساختہ خوف تھے جب کہ تمہیں اس بات کا بھی طرح انداز تھا کہ سب جانتے ہیں کہ تم سے شادی سے انکار میں نہ کیا تھا۔ اس کے بعد تم کسی سے بھی شادی کرتے تھے کہ اس سے کیا فرق پڑا تھا۔“ جیش کی ایک لہر اس کے اندر راہی اور سارے وجود پر چھا گئی۔

”تم ٹھیک کہتی ہو ارفع! سب میرے خود ساختہ خوف تھے۔ میں نے پلوش سے شادی تو کر لی تھی بلکہ ساری زندگی اس خوف سے نہیں نکل پایا کہ بلا اور خلیوہ آپنی کو پتا نہ چل جائے۔“ وہ زبردستی مسکرایا تھا۔

”کیا ہوا تھا پلوش کو۔“ خضر اس کے حلق سے بمشکل یہ کہہ پڑے تھے۔

”تموں پر ایک ڈاکو۔“ ایک تاریک ریلوے اس کے چہرے پر لپٹا۔ ”بہت حساس دل لڑکی تھی۔ جتنا عرصہ زندہ رہی اس کو یہی لگتا رہا کہ میں نے اس سے شادی کر کے شاید دنیا کا سب سے عظیم اور اعلیٰ کام کیا ہے۔“ وہ مجھے بار بار کہتی تھی کہ میں وہ ساری شادی کر لیں! کیونکہ اسے لگتا تھا کہ شاید میرے ساتھ عظیم ہوا ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں اور سولات سے بہت عاجز تھی جب قلم پید ہوئی تو ہم نے قلم ہی کیا رکھ لی۔ یہی وہ قلم ہے جیسے ہی ہوش سنبھالا وہ اس کے پاس آئے۔“

”جھکی تھی۔ یہ بات اسے بہت تکلف دیتی تھی۔ ایک رات جب صوفے تو اس سے اٹھ کر پید ہوئی تھیں ہوئی۔ اس کی کو آواز تھی مدد تھی کہ وہ بمشکل ہی سنبھالی تھی۔“

”کتنا عرصہ ہو گیا اس کی لٹہ کو؟“ ارفع نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”چھ ماہ ہوئے کو ہیں۔ قلم کی وہ سری سالگرہ کے تین ماہ بعد۔“

”تو تم نے اتنی چھوٹی پٹی کو ایسے کیسے سنبھالا؟“

جیراں ہوئی۔

”وقت سب کچھ سکھاتا ہے۔ اس کی کیا ساتھ تھی بلکہ پھر وہ بھی واپس اپنے ملک چلی گئی۔ اب

بچلے وہاں سے میں خود سنبھال ہوں۔ اس کی آنکھوں کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔

"سب دوستوں نے سمجھ لیا کہ پاکستان واپس چلے جاؤ۔ وہاں کوئی نہ کوئی بددست ہو جائے گا کیونکہ وہ اب بڑی ہو رہی ہے اور اسے بعض دفعہ سلطانا بہت مشکل لگتا ہے۔ اس لیے یہاں کیا ہوں اور یہاں آئی سے کہا ہے کہ رحمت پورا کو بھیج دیں لیکن وہ کچھ تذبذب کا شکار ہیں۔" تو تھوڑا سا پریشان تھا۔ اس وقت دردناک کھانا۔ قابل اور سنی ایک ہا سوے کے پیچھے داخل ہوئے۔ قابل کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ خالصتاً برطانوی لہجے میں انگریزوں میں لپٹا ہوا کوہن چڑا کے بارے میں تارہی تھی جو اس نے لان میں دیکھی تھی۔ وہ خاصی پر اعتماد تھی۔ اس کا اندازہ اس کو اس کی گفتگو سے ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سنی بھڑکی وجہ سے کچھ جھجکا ہوا تھا۔

"خضر! میں نے رحمت و اس بات کی ہے۔ وہ چلی جائیں گی لیکن ابھی فی الحال تم سکون سے نہیں رہو۔ ماہو آئی اپنی بیٹی کا ہڈر ہلاتے ہوئے اندر آئی تھیں۔"

"تھیں کس کی؟ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آپ نے میری کتنی بڑی مشکل آسان کر دی۔" وہ کچھ پر سکون ہوا۔

"ویسے خضر! لگا ہے کہ تمہاری بڑی خاصی خوب صورت تھی۔ تمہاری بیوی نے سوائے تمہاری کھڑی پاک کے علاوہ کوئی بھی شے نہیں لیا۔" ماہو آئی ہے نکلی سے کہہ رہی تھیں۔

ان کی بات پر خضر نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ انھیں اس کو ایک شہر سب سے پہلی نے کھیر لیا تھا۔ اس نے بہت غور سے اس معصوم سی لڑکی کی شکل کو غور سے دیکھا تھا۔ اس کے بال سائے کھڑی مسکرا کر اُس کے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس کے پھولے پھولے گالوں کو آہستہ سے چھوا تھا۔ وہ تھوڑا سا شرمیلی تھی۔

"یہ بہت شرارتی لڑکی ہے! میرے سونے کے

بعد خاموشی سے وہ ان کو کھول کر باہر نکل جاتی ہے اور لان میں گھروں کے پیچھے بھاگتی ہے۔ مٹی میں سرسبز کپڑے گھسے کرتی ہے۔ "تم بہت محبت سے تامل تھا۔"

"میرے پیچھے بہت شرارتی ہوتے ہیں۔ تم کو سا کم تھے۔ بھری دھیر میں اس کو لے کر باہر نکلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ یاد نہیں کہ وہ کونسا جگہ پر ہو گئے تھے اور پھر مختلف علاقوں میں لڑائی ختم ہوا۔ ان کو اپنا تھا۔ ماہو آئی نے جیتے ہوئے ہوا۔ وہ جیتے جیتے ایک دم خاموش ہو اٹھا۔ اس کے لیے بھی وہیں بیٹھنا شروع ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اس سے اٹھ کر چلی گئی۔ بل کو ایک بے چینی سی لاق گئی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کبھی ایسے دلہن بن گئی۔ اس کے دل میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ شور مچا کر جو پہلی تو اسے فوراً ہی بند کر دی۔ ماہو آئی جو کھانے کے لیے اسے بلانے آئی تھیں اسے کھڑی بند میں دیکھ کر ہلکا سا ہنسی نکلی۔

اگلے تین دنوں کے لیے اسے شہر چھوڑ دیا۔ وہاں خاصی مصروف رہی۔ واپس آئی تو ماہو آئی ہی سے اسے پتا چلا کہ خضر تاج کل کوئی لکھنوی لگا ہے۔ اسے بھاگ بھاگ یاد کر رہا ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی نہ مصروف تھا۔ قافلہ کی دیکھ بھل ابھی ماہو آئی اور رحمت بولتی کر رہی تھیں۔

"خضر کی بیٹی ماشاء اللہ بہت مہذب ہیں۔ بہت باتیں کرتی ہے۔" کھانے کی میز پر ماہو آئی اسے بٹے فروکشوار انداز میں بتا رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"میں نے خضر سے کہا کہ وہ ہاں میں آگئی ہے۔ وہ لگا ہے کہ تمہاری طرح ایک بہتر لکھنوی ہے۔ اس کا انداز ان کی باتوں اور سب سے نفرتی ہو رہا تھا۔

"وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس نے اسے ابھی تک شہر کیوں نہیں کیا۔ اور یہ کہ اسے کسی ایسے انسان سے شادی کرنی چاہیے۔" لیکن جی فریڈی کے دوست

طرف بچتا ہوا اس کا ہاتھ غلام میں مل گیا ہوا۔ ایک بار ان کی بات کا پتا گمراہ ڈیڑے واضح انداز میں اس کے چہرے سے جھٹکا تھا۔

"میں اس کو میری شادی ہونے پر نہ ہونے سے کہہ رہا تھا۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے نہ کون ہونا ہے وہاں گئے تو اس نے ہاتھ میں پکڑا لیٹ میں تھا۔

تھا۔ ماہو آئی نے سخت حیرت سے اس کا رد عمل دیکھا۔

"کیا ہو گیا اس طرح! وہ ہمارا فرسٹ کنن ہے اور پھر تمہارا بہت فرزند رہا ہے اس میں اتنا زیادہ مشغول ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میرا فرسٹ کنن ہے۔ لیکن شادی میرا بالکل ذاتی مسئلہ ہے۔ اس میں مجھے کسی کی بھی مداخلت پسند نہیں۔ خواہ وہ خضر کی بیٹی کیوں نہ ہو۔" وہ کرسی کھینٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈائنگ روم میں آتے خضر نے بڑے قہر سے اس کا یہ آخری جملہ سنا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ واپس پلٹے ہوئے ایک لمحے کو کھلی اور اگلے لمحے وہ تیرکی طرح سے وہاں سے نکل گئی۔

"تم کیا ہو! وہ باتہ کے اشارے سے پوچھ رہا تھا۔

"دل میں غم ہو گیا ہے اس کا۔ اور کیا ہوتا ہے۔" ماہو آئی ٹھٹھا کر رہی تھیں۔ اس کا یہ انداز انھیں غما مشغول کر رہا تھا۔

"لکھنوی لڑکی۔" وہ اس کے سامنے آکر بٹا ہوا تھا۔ "کپ آرام اور سکون سے بات کر رہا۔ کپ کو پتا ہے کہ وہ کتنی جذباتی ہے۔ پھولی پھولی باتوں پر بڑک جاتی ہے۔"

"یہ پھولی بات نہیں ہے۔ تم سے شادی سے انکار اس نے خود کیا۔ ہم سب نے سمجھ لیا۔ لیکن اس نے اپنی ہمدردی نہیں چھوڑی۔ ملا اس کی وجہ سے ان کا کپ بیٹھ رہی ہیں۔ اب اس نے مجھے تک کر رکھا ہے۔" ماہو آئی اس سے صدر درجہ پر ڈار تھیں اس کا انداز ان کے کپ سے خضر کو بھلی ہو رہا تھا۔ اسے حد

درجہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس کا دل جھلک رہا ہوا۔ آپ کو اصل حقیقت بتا دے لیکن پھر معافی چاہی رہا۔

شام کو کھانا کھا لیا۔ ان میں آیا تو وہ سامنے میز میزوں پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک لمحے کو چمک کر اسے دیکھا۔ پھر سامنے لان میں گئے غور سے پر نظر چلائی۔

"اس طرح! میں نے سوچا ہے کہ میں بھی آپ کی جگہ پر آئی اور سامنے کو اصل بات بتا دوں۔ وہ خود ہر وقت خیریں الزام دیتی رہتی ہیں یہ سلسلہ تو ختم ہو تو بہت طویل طویل کر رہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔" اس کا انداز خضر کو بہت سہل سا لگا۔

"اس سے کم از کم ان کو حقیقت تو بتا چلے گی۔ ان کے دل پر اسے میرے خیر کا پورا پورا کم ہو جائے گا۔" اس کی تواضع میں ہوئی۔

"پھر کیا ہو گا؟ وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی۔ "وہ اس کا رٹا ہے پر تمہیں کوئی پروا نہیں کی۔ مجھے اتنی بڑی بات آسانی سے سہ جاتے پر کوئی میڈل دیں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ سب سے بڑا جھاڑ کر تمہارے پیچھے بڑھا نہیں گئے۔ کسی کو یہ یاد نہیں رہے گا کہ تم نے کوئی شے کی تھی۔ سب کو میرا دکھ یاد ہے۔ اب اس کے بعد ایک اور تباہی شروع ہو جائے گا۔ مجھ پر نہ سنی ہوئی معصوم بیٹی پر رحم کرو۔ یہاں کسی کا غم بھارتی نہیں ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ زمین پر رکھ کر اس کا دھواں دھواں چھو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

"یہ جو ماہی آئی تمہاری بیٹی پر متاثراتی پھر رہی ہیں ان اس حقیقت کو جاننے کے بعد سب سے زیادہ اس کے لیے اس کی مری ہوئی بات کے خلاف ڈھرا لگیں گی۔ خضر حیات! اب جذباتیت چھوڑو۔ زندگی اتنی آسان نہیں ہے اور نہ ہی۔ تین گھنٹے کی کوئی فلم ہے جس کے بعد سب اچھا ہو جاتا ہے۔" اس کے انداز میں

محسوس کی جانے والی ناراضگی کی محکمہ تھی۔
 "تھیک ہے ابھر تم شادی کر لو۔" کہیں اپنا وقت ضائع کر رہی ہو؟
 "تھیں کس نے کہا کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں؟ اس نے کبھی اندازہ سے اسے گھورا۔
 "تو پھر یہ کیا ہے؟ ابھی کتنی سیڑھیں بچ گئی ہیں تو خود کو اتنا بڑی کر رہا ہے جب شادی کرنی ہی ہے تو وقت پر کر لو۔ کم از کم ہم سب کی ٹینشن تو ختم ہو۔" وہ بھی تھوڑا سا ناراض ہوا۔
 "تو تم سب لوگوں کو کس نے کہا ہے کہ میری ٹینشن ہو؟ تم سب کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ مجھے جو کام کرنا ہے میں کر رہی کی۔ مجھے تم سب لوگوں کے ڈکیشن کی ضرورت نہیں۔ اس نے اکتالی گھسے سے اپنا سر خنجر سے موڑ کر چائے کا گلاس اٹھایا۔
 "ہم تمہیں ڈکیشن نہیں کر رہے ابھی ابھی تم سب کو تم سے محبت ہے اور تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔" اس نے خوراک کا پیاز کر لیا۔
 "تم خود کہیں نہیں وہ مری شادی کر لیتے، سب کو تمہاری بیٹی کو تو ضرورت تھی ہے؟" کتنی اس کے ہر انداز سے محکمہ رہی تھی۔ وہ اس کی بات پر زبردستی مسکرایا۔
 "میں ایک تجربے کے بعد جان چکا ہوں کہ میں ایک اچھا شوہر نہیں بن سکتا۔ میں اپنی تمام تر کوشش اور محبت کے باوجود جب پلوٹ کو خوش نہیں رکھ پاتا تو کسی اور کو کیا رکھاؤں گا؟" اس کا چوتھا کاشکار ہوا تھا۔
 "تمہیں کس نے کہا کہ وہ تم سے خوش نہیں تھی؟ اس نے گھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔
 "ہر بات کہنے والی تھوڑی ہوتی ہے۔ اسے میری محبت مجبوری اور ترس کے درمیان لپی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے لہو اکثر خود کو کتنی محسوس کرتی تھی۔ لیکن سوچیں، تمہیں بہنوں نے اس کی زندگی کی غور کو کٹ دیا۔ میرے ساتھ خوش ہوتی تو کیا اسے ندوس پر یک والوں ہوتا؟" اس نے اپنے انداز میں جیتے ہوئے

اپنا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس نے سب سے سناہتی نظریں اس سے جڑا لی تھیں۔
 "یہاں یہ میری جوتھائی مر گئی۔" کاظمہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے بھٹکتے ہوئے تکیہ پر پڑ پڑ کر مری ہوئی تھی۔ باپ گود کھاری تھی۔ اس کے پیچھے سنی بھی بھاتا ہوا تھا۔ اس کا سانس بے رعب تھا۔
 "انگل! میں نے اسے منع کیا تھا کہ اسے زور سے مت بکھڑے لیکن یہ کتنی تھی کہ میں اسے پیار کر رہی ہوں۔ اس نے زور سے پکڑا اور ڈھونڈ لی مر گئی۔ سنی نے جلدی جلدی وضاحت کی۔
 "یہاں پیار کرنے سے بھی کوئی مر رہا ہے کیا؟" ہار کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس نے رخ کے ساتھ لگنے پر ہچکچاہٹ لے کر کہنے لگی۔
 "ہاں بیٹا، کچھ لوگ پار کرنے سے بھی مر جاتے ہیں جیسے آپ کی ماما۔" خنجر کے لیے سے بے ساختہ اس نے دیکھا تھا۔
 "خنجر! کئی بات ہے بھلا مجھ سے کہہ دو؟" اس نے تلبیسی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
 "خنجر نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کی لہجہ اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا۔ وہ دانت غاصبوں کا تھا۔ اس نے صحت جلدی کاظمہ کو ہلانیا۔ وہ بچہ ہی دیر بعد ہوا، ایک اور شادی کی تلاش میں سنی کے ساتھ نکل گئی۔
 "خنجر! تم شادی کر لو۔ اپنے لیے نہ سنی بیٹی کے لیے۔" اس نے طووس ہل کے ساتھ صحت نرمی سے کہہ رہی تھی۔
 "تم کو کی بھڑ سے شادی؟" وہ صحت بے رحم انداز کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اس کی نظریں جڑا لی تھیں۔
 "وہ ان دونوں کی زندگی میں آنے والی ایک خوب صورت سی گلابی شام تھی۔ ان کی شام جس کے

میں جبر کی کوئی رات نہ تھی۔ اس نے ہل لیک "میرے کے پیچھے آنکھیں کرتے پھر رہے تھے۔ لندی ہوا کے تم جھوٹے تارے تھے کہ نزدیک ہی کسی بارش ہو رہی ہے۔ میرے بھی سفین کی بے وقت کی بارشوں کا پتا بھی نہیں چلتا ہے۔ صحت مرے کے بعد سفین میں پونوں کو چھانکا تھا۔ ہل کی کن کن سی شہر ہو گئی تھی۔ ان کی گاڑی ایر پورٹ کی حد میں داخل ہو گئی تھی۔
 "لیو جیتر پر سفید کرنا پتے سیاہ گلاسز میں وہ آج پہلے سے کس نواں پر نقش اور جڑا نظر لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عتا کاغذ اس کی رنگش میں مزید اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ اس نے دائیں کندھے پر سفید رنگ کا ایک اسٹیشن سائیک لٹا رکھا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے اپنی چار سالہ کیوتی جی کا ہاتھ غام رکھا تھا جس نے گلابی رنگ کا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ اپنی بڑی بیٹی آنکھیں گھبراہٹ پر سڑکوں کی چل چل رہی تھی۔ اس کے ساتھ سیاہ چنٹ اور مر گئی رنگ کی شرت میں اس کا ہل تھا جس نے اپنی گد میں اپنے چوہہ کے سینے کو اٹھا رکھا تھا۔ وہ دائیں ہاتھ سے اپنا زلی بیک کھینچتا ہوا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی بر سکون مسکراہٹ تھی۔ وہ صحت مرے بعد کھل کر مسکرا رہا تھا۔ اس نے دیکھا اس کی جانے والی سے ہاتھ چھڑا لیا تو غور سے سامنے ایک ٹوٹے کے ساتھ جلتے دلی نین سالہ بچی کی طرف بھاگتی تھی جس کے ہاتھ میں ایک خوش رنگ کی گیند تھی۔
 "کاظمہ! کاظمہ! لو لیں آؤ بیٹا۔" اس کی منہ سے فوہ تھی۔ جب کہ وہ اس بچی کے ساتھ بڑے بڑے انداز میں ہاتھ مار رہی تھی۔
 "صحت شرمیل ہو گئی ہے یہ۔" وہ اکتالی محبت مرے ہوا سے اپنے شوہر سے بولی۔ ان دونوں کی آواز ان کے لیے فلات تھی۔ وہ لوگ چھٹیاں گھسے گھسے تھے۔ ان کے لیے ہر جا رہے تھے۔
 "مکمل بات کاظمہ! ہل دلیں۔" اس نے اپنی

بیٹی کو اٹھا جو کہ وہ مری بیٹی سے زبردستی گیند لے چکی تھی۔ وہ دونوں اس جوتھ کے پاس پہنچ گئے جو کہ اکتالی خوشوار انداز سے کاظمہ کی شرارتوں سے طرف اندوز ہو رہا تھا۔ جبکہ ان کی بیٹی منہ سو رہی تھی۔
 "آئی ایم سوری۔" اس کی منہ نے چلتی ہوئی کاظمہ کے ہاتھ سے گیند زبردستی لے کر اس بچی کو کھینچی۔
 "اٹھ لو کے! اس بچی کی ماما نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "آپ کی بیٹی ماشاء اللہ صحت کیوت ہے بالکل آپ کی طرح۔"
 "تھیک ہے! وہ خوش دلی سے تھی۔
 "آپ کی بیٹی کی شکل آپ سے صحت ملتی ہے۔" خاتون مزید کہہ رہی تھیں۔ ان کی بات پر اس نے چونک کر اپنے شوہر کو کھانچا۔
 "آپ کو رس۔" وہ دونوں میاں بیوی اکٹھے ہوئے۔ ان کی بات پر وہ بھی کھکھلا کر ہنس پڑی۔ اس جوتھ نے خوشوار حیرت سے اس کے شوہر کو دیکھا جو اکتالی محبت مرے انداز سے کہہ رہا تھا۔
 "اس نے کتنی یقین گھلایا تھا۔ اس نے کہا۔
 "جیسے یقین ہے خنجر کہ میری بیٹی کی شکل مجھ سے صحت ملتی ہے۔" اس نے کاظمہ کے ماتھے کا پوسہ لیتے ہوئے صحت طینت سے کہا۔
 "اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر اس قدر روشنی تھی کہ خنجر کے لیے اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا انتہائی دشوار لگ رہا تھا۔ وہ اس کی بچی محبت تھی۔ اس کی قسمت میں کبھی جبر کے سالوں کے بعد ملنے والا ایسا ستارہ جو اس کی زندگی میں بالآخر روشنی لے آیا تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو بارش کی پوچھاڑ سے بھلیا تھا۔ بارش کے قطروں کو محسوس کر کے قطاریاں بار رہا تھا۔ خنجر حیات نے جہاز میں اپنے ساتھ بیٹھی اس نے عزم کو دیکھ کر اطمینان اور سکون سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔ اسے ناگوار نہ لایا۔ اس کو مہم ہے جسے اپنی گندہ دست دلیں مل گئی تھی۔

جس کا دل بھی تیرا ہے

وہ کیا تم خوش رہو گی؟
جب ساری احساس کی آنکھوں میں کچیاں چھیں
نیکس و نیکس باج بھی مسکرائیں۔

”جب کتب زلفت سے محبت کا باب ہی مٹا دیا
ہے تو خوشی غم کا سوال کیا علی! اپنا تو بڑا ہے نا
چاہے خوشی سے جہاں ادا ہی ہے۔ زندگی کے دوا تو
پورے کرنے دیتے ہیں نا۔“

”لیکن سوچا ہم جہاں سے لے کر تو نہیں ملے
جسے ہمیں کی صلابت نہیں دل کی ہر انداز ہونے
رہا تو میں نہیں مگر اس کے سارے غریب لڑکی کا حاصل
مل لیتا۔“

”مگر اصل قسمت سے ملتا ہے علی! اس کے زہم
جیوے میں تو کنگر چھپا تھا۔ کسی نگر کے نہ تھی اور
پھر صفا کر اپنے گلاب چری کی بڑی دیکھنے لگی۔ معمولی
سے نگرے اپنی بزمیت کا بدلہ یہ تھا شاید! اس کی
بڑی پھر چھپا تھا۔ یہ تھا اسے عیش حاصل کے
کھڑے پر نکلتا اس چلنے کی غلوت تھی۔ وہ جوتے وہیں
چھوڑ دیتی تھی۔ اس سے وہ سنگ چلنے کا آغاز کرتے
تھیں اس سے شروع سے ہی دانی کے لیے ایک وہ
تھا رہا تھا۔“

علی اور سل کے پورے وجود میں اس قدر مشترک
ہو سکتے تھے کہ اسے یہ احساس ہی نہ رہا کہ وہ میرن
پر تیار کی مہم کی تکلیف پر بھی تڑپ مٹا کر
تھیں نہ۔ انکھوں کی لگی اس کے دل کو بے چین
سا کر دیتی تھی اور پھر وہ کتنے سالوں سے کتنے جن
کر کے اس کے گلاب ہو گیا۔ وہی کی شخص پھوٹے

دیکھا کرتا تھا۔ دوستی جاتی تھی اور وہ اپنی محبت پر مسرور
ہو تا رہتا مگر آج اس کے اپنے دکھ اٹھتے تھے کہ وہ میرن
اپر ایہم کی یہ تکلیف فراموش کر گیا۔ وہ لب قدرے
فرغ کرتے ہوئے چل رہی تھی۔ علی اور سل نے
اسے سارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا اور نہ اس نے
سارا لیا تھا۔

”محبت کے سر میں تھے صبر کو تہہ پا ملے کرنا ہوتا
ہے علی! اگر کا سوچا سر پر غار مٹا ہے اور ہمارے ساتھ
ساتھ سطر کرتا ہے۔ ہم کسی محلہ گاؤں کی امید پر چلتے
رہتے ہیں برگ تو اوردہ کی تلاش میں۔ لیکن ایک
وقت ایسا آتا ہے جب ہم دور اسے پر اگر روک جاتے
ہیں۔ یہی خبر ہوتی ہے کہ سراب کیا ہے حقیقت پیا
ہے۔ جدا ہونے کے لیے صحت سا حوصلہ چاہیے ہونا
ہے علی! چھڑ کر ہر کوئی نہیں جی لیتا۔ زندگی جیسے اور
اسے گزارنے میں بھی بہت فرق ہے مگر فیصلہ تو کرنا
پڑتا ہے۔ وصل یا فراق۔ محبت انسان کے اختیار میں
نہیں تو قدر کیسے ہو سکتی ہے؟“

وہ اب رنگ لگی تھی۔ علی اور سل بھی اس کے ساتھ
ی تھم گیا۔

”مرمتی سمندر کی لہروں میں جب سی بے یقینی تھی
وہ کسی ساکت ہو جاتی تھی اور کبھی دھیرے دھیرے
آگے بچھے ہونے لگتیں۔“

”تم اتنے خاموش کیوں ہو علی!“
”تمہارے اس فیسے نے میرے لب ہی سیڑھے ہیں
میرا میرے ہو غدا۔ کل بڑا گیا ہے۔ گوکہ میرے دل
دل میں ہی گت ہوا۔ اب تو رہے ہیں۔ میں تم سے



یہ تھا چاہتا ہوں کہ اگر تم کو جدا ہونا تھا تو ملی کیوں
تھی مجھے۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہارے پاس ہر
سوئی جواب موجود ہو گا۔ تم مجھے لاجواب کر دو گی مگر
میرا کسی ایک بات بتاؤں میں تم سے چھڑ کر لیا ہوں
ماتم میں وہ سکوں گا۔ میں وہی نہیں سکتا
تمہارے دل۔ اس کی توار بھرا لے گی۔

”میں نے کب کب تمہیں نہیں سوچا۔ زندگی کے
چاروں طرف میں تم کی یاد رکھتا ہوں کہ میرے ساتھ رہی

ہو۔ کوئی خیال تمہارے بغیر نہیں۔ گہری سوچ
تمہارے بن اوھوری ہے۔ یہ رت دوان چھاری محبت
سے بچھ کر جس کیا میں نے سونیاں سے الگ ہو کر
تم سے محبت کی تھی اور تم مجھے اس لیے چھوڑ رہی
ہو کہ تمہاری برادری میں باہر رشتہ نہیں کرتے۔ کیا
پیسے نہیں یہ مطلوب نہ تھا۔“

”علی! میں نے تمہیں آغاز میں ہی یہ سب بتا دیا
تھا۔ وہ اس کی بہت پر حیران سی ہو کر رہ گئی۔“

ہم کرتے کہ تھا کہ ہم کو خوش دکرہتے ہیں۔
 محبت کو خوش سے نہیں ہوتی لیکن اس کا حصول
 کو خوش سے مشروط ہے۔

”جب میں بہت خوش مکان میں مل رہا ہوں
 ہمیں ایک کدوے گا لیکن پچھلے ذریعہ سل سے میں
 نے ہر بھن کر کے دیکھ لیا نہیں پالنے کے لیے مگر
 سوائے لڑائی اور پندوں کے کچھ ہاتھ نہیں لڑا۔
 میں اس الزام سے بچتا تھا کہ بچا ہوں۔ تم مودہ ہو۔
 خود مختار ہو۔ اپنی منوائے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو
 لیکن میں نے خود مختار ہونے سے اپنے کدوے سے انگ
 ہو کر بچ کر رہتی ہوں۔ مجھے عزت کے ساتھ محبت
 چاہیے۔ میں محبت کو دافع نہیں مانتا چاہتی۔“

”میں نے تم کو ایک نہیں مانتا چاہتی۔“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“
 ”میں نے تم کو ایک نہیں کیا میرے ساتھ مودہ“

کے سر ہاتھ رکھنا۔

”گو کے چاہو اپنی سہ از نے ہی کل کیجے گا۔ میں منتظر رہوں گی۔“

”ہاں! سننا اچھا۔“ وہ اسے رخصت کرتے گیت تک آکر پلٹ گئی تھی۔ رات کے اس وقت سب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے اور وہ اس کے لیے جاگ رہی تھی۔ اسے گھر میں سب سے زیادہ محبت علی ارسل سے ہی تھی۔

دسمبر کا اواخر تھا۔ موسم میں خشکی زیادہ اور سردی کم تھی۔ یہ راتیں اسے بہت بے چین اور مضطرب کر دیتی تھیں کیونکہ انہی دنوں تو وہ دونوں جدا ہوئے تھے لیکن پائیس برس بعد بھی اسے مہرین ابراہیم اور دسمبر کی آخری زبرد شام بہت شدت سے یاد آتی تھی۔ سڑک پر زیادہ ترنگ نہ تھا اس لیے شور و غل بھی کم تھا۔ وہ اپنے اندر کی وحشت سے گھبرا کر لپ پٹاپ توں کہنے لگا تھا لیکن وقت کہیں نہ گیا تھا۔ اس لیے شیشے سے باہر دیکھے لگا۔ چار رات کی تاریکی اپنے جھنڈ پر تھی مگر سڑک کے کنارے لگے بجلی کے پول کی زرد روشنیوں اطراف میں پھیل کر ماحول کو بہت دلکش بنا رہی تھیں۔

”مجھے وہ راتیں بہت اچھی لگتی ہیں جب آخری راتوں کا چاند اپنی نیموا آنکھوں سے زمین والوں کو دکھاتا ہے اور ایسے میں میرا دل بتا ہے کیا چاہتا ہے علی!؟“ اشتیاق سے کہتی اور علی ارسل اس کے چاند چہرے کو نکھار جاتا۔

”کیا چاہتا ہے؟“

”کہ میں اور تم سسلی سڑک پر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اور تک چلتے رہیں اور تب تک چلتے رہیں جب تک ہماری ٹانگیں جواب نہ دے جائیں۔“

وہ آخر میں ہستی تھی۔ اس کی جھریوں سی ہنسی بھی اس کی سماعت میں گونجی تھی۔ لیکن ڈرائیور نے جیسی روکی وہ چمک کر کراچی شہر کے خوب صورت

ایر پورٹ کی عمارت دیکھنے لگا۔ پھر خلیفہ ساہو کر رہی آیا۔ ڈرائیور نے اس کا سلسل اس کے پاس رکھ دیا اور وہ اسٹائل کر کر رہی رہنے لگا۔

ڈپارچہ ڈونچ میں کئی دھن تھی۔ فلائٹ میں بک لی وقت باقی رہ گیا تھا۔

”ہا! آپ کبھی میری بہت بھی مان لیا کریں یہ سے پوچھ لیا تھا میں نے سوچا تھا میں ہوں گے۔ جس کے سامنے سے سولہ ستر سالہ خوب صورت لڑکیوں گزر رہی تھیں۔ اس کے لیے جی بجھلا ہٹ لے رہی تھی۔“

”کپ نے سیاسی جماعتوں کی طرح ہر اسم موقع پر کوئی نہ کوئی بیان فوراً جاری کرنا ہوتا ہے۔“

اسے اسی لگی اور پھر یکدم ہی وہ چونک کر اس لڑکے کو پورا اس کے آگے چلتی جانوں کو دیکھنے لگا۔

”فرانز! زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ محض تمہاری خدمت میں کراچی لگی ہوں۔“

اس نے ٹکٹ کر اپنے بیٹے کو گھورا تھا۔ علی ارسل کے مسکراتے سب یکدم سکڑ گئے۔ گہرے براؤن بالوں کے پرنگ شلوار قمیض پر اپنے مخصوص انداز میں پہنا اور تھوڑے مہرین ابراہیم تھی۔ علی ارسل کے لیے وقت حکم سا گیا تھا۔ اس کی نظریں اپنے بیٹے پر جمیں اور علی ارسل کی اس پر سسلی سسلی سسلی میں اس کی زندگی میں کچھ کچھ سیس بولا تھا لیکن مہرین ابراہیم بہت ہی چمکی تھی۔ اس کی گلابی رنگت میں زردیاں کھل چکی تھیں۔ آنکھوں کے گرد خفے نمایاں تھے۔ علی ارسل نے اسے ایتنا سوچا نہ ہو تاؤ شاہ پیمان ہی نہ پاتا۔

”مہرین! آپ آئی گئی ہیں۔ تو زنی کی طرف جانے نہ کیا حرج ہے؟“

”حسٹ اسٹاپ! سنو خاموشی سے اپنی پھپھو کی طرف چلو زنی سے خود جا کر مل آنا۔ میں نہیں جاؤں گا۔“

وہ سخت لہجے میں کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔

”دعنا! اس کی نگاہ پائیس طرف اٹھی اور اٹھی۔“

مہرین اس کی نگاہوں میں حیرت نہیں پائیں اور حقیقی تھی۔ وہ دنوں پائیس سال بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پائیس سالوں میں مہرین صرف دو بار کراچی آئی تھی اپنے مہرین پاپ کے انتقال پر فوراً تو اس کا نام مکمل طور پر اس شہر سے ٹوٹ چکا تھا۔ جس کی باتوں اور اس خضایوں میں علی ارسل بھی بہت تعلق اس سے بے خبر نہ تھی۔ سدا جاتی تھی کہ پائیس برس بعد بھی علی ارسل محبت کی شہر پور پر تھکا کڑا ہے۔ اس نے کسی سے چھپنے اپنی دیرا جانی تھی۔

”مہرین! اگر زندگی میں بھی کسی موڑ پر تم مجھے ملو تو بیشک میں چاہتا ہوں۔“

اس نے بہت دیر یہ کہا تھا اور آج مہرین کو لگا تھا کہ وہ اپنی دماغیں سچا تھا۔ بے وقافتہ مہرین ابراہیم بھی نہ تھی لیکن اس کے خیمے میں جرم لکھا جا چکا تھا۔ آج بھی محرم تھا کاکہ لے لیے اس کی راتوں میں آکر بٹھایا تھا اور وہ آج بھی مجبور ہے۔

”ہا! آپ پائیس لوگوں سے ملنے کیوں نہیں جاتیں۔ میں اور زنی تو زنیور سنی فیلو ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں جان کر معلوم ہوا تھا کہ ہمارا کتنی قریبی رشتہ ہے اور آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں۔ اب میں اس کے گھر نہیں گیا تو مجھ سے سخت خفا ہو جائے گا۔ ہا! کپ کیوں؟“

”سوالات کھل کی پروا نہیں کرتیں۔“

وہ اب بہت آگے سے شکوہ کنل تھا۔ مہرین ابراہیم کی ٹانگیں بھینکنے لگیں۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“

پائیس ابراہیم نے چونک کر اسے دیکھا اور علی ارسل کے قریب سے کسی اچھی کی طرح گزر گئی۔ اس فلائٹ کی انٹرنسٹ ہو رہی تھی۔ ڈپارچہ لاؤنچ میں بھگدڑ سی رہی تھی۔

”مہرین! آپ رک کیوں نہیں بیٹھتے؟“

”کہ اس نے ٹرلی آگے بڑھائی میں کوئی کار۔“



بے لاجبی سے دن

موبا ئل فون ہاتھ میں پکڑے وہ کل بے چینی سے اوپر اوپر نکل رہا تھا اور ہرگز رتے دل کے ساتھ اس کے سر پر چمکتے تھے سورج کا اثر دماغ پر ہوتا تھا اس کی بے چینی غصے اور جھنجھلاہٹ میں بدلنے لگی تھی۔ سسہ ہڑھٹنے کو تھی مگر سورج اڑھٹے ڈھلتے بھی دل کی بھر اس نکل کر جانا چاہتا تھا اور اس کی بد قسمتی کہ بھست پر کوئی کرا، کسی ایک طرف کوئی چھپر بھی نہیں تھا جس کے نیچے کھڑے ہو کر وہ انتظار کی یہ کولت

بھری گھڑیاں گزار سکتا۔
”اللہ تمہیں کبھی دی! تم نے تو آج میرا دل نکال دیا۔“ وہیں ہی دل میں اسے کوسے ہوئے تپا چاہا تھا۔
”ہوئے ہادی۔ کیا کر رہے ہو اتنی دیر سے یہاں کھڑے ہوئے؟“ پاس والی بھست سے تازیہ نے پکارا تھا۔ وہ عین بار مسکرا کر دیکھنے کے بعد جب اسے ہادی کی طرف سے کوئی برپاس نہ ملا تو وہ اسے مخاطب

مکمل ٹیڈل



”انہی کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ سے اچھا لگتی خیال کیا۔ پر سہارن پور کی طبیعت اچھا لگتی تھی مگر اب وہاں کی طبیعت اچھا لگتی تھی۔
”اللہ کا شکر ہے اب تو بہت بہتر ہے۔“ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل آیا۔

ہادی اپنا میڈیکل اسٹور سنبھال رہا تھا۔ میڈیکل میں جانے کی اپنی شدید خواہش کو اسے تھپاتا رہا تھا۔ جب حامد بھائی اپنی مشہور زمانہ ”نن مریدی“ کے باعث پورے ملک کو بے سارا چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے۔ علائکہ نمرین بھائی اہل کی سگی بھانجی تھیں اور اہل کیس پاس انہیں بیاہ کر لانے کی سب سے بڑی وجہ بھی بنی تھی کہ یہ عورت ہیں کل کلاں کو کئی تریا چلتر آکر ان کے سب سے بڑے اور کمات پوت کو لے اڑی۔ تب وہ کیا کریں گی۔ اس وقت انہیں قطعی نہیں پتا تھا کہ بظاہر بہت بھولی اور سیدھی سادی نمرین کس طرح ان کے سینے پر مونگ دینے والی ہے اور ان کی نظموں کے سامنے ان کے جینے کو اپنا بے دام غلام بنانے والی ہے۔ نمرین نے ایک سال سے بھی کم عرصہ ان کے ساتھ گزارا تھا اور اس قلیل سی مدت میں ان سانس سو کے درمیان کتنے معرکے ہوئے تھے یہ خود انہیں بھی پتا نہیں تھا۔ اس کے بعد تو اہل کا صرف یہی کلام رہا گیا تھا کہ لوہر کوئی نمرین کا نام لیتا اور اوہ وہ بھولی بھر بھر کے بددعا میں مبتلا ہوجاتیں۔

حلد کے الگ ہو جانے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ اخراجات کا فن پڑا تھا۔ تب ہی اہل نے بینک سے جو جمع جتھائی تھی اس سے لوہر کو کمرے بنوا لیے اور خود اوپر شفٹ ہونے کے بعد نیچے کا حصہ کرائے پر چڑھا دیا تھا۔ پھر ہادی نے بھی مستقل آمدنی کے لیے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیے تھے۔ اس کے ڈاکٹر بننے کا خواب تو چھٹا چور ہو ہی چکا تھا سو اس میڈیکل اسٹور کو قیمت جان کر ہی جان سے اسے سنبھالنے میں لگ گیا۔

وہ اس وقت ایک گاؤں کو فارغ کر رہا تھا جب اس فون بجنے لگا تھا۔ دیکھا تو رمدی کا نام جھگڑا تھا۔ اس نے ریسیور کلن سے لگایا۔
”ہاں بھئی سارا انی صاحبہ یار اپنی میری سوقت مل گیا مجھے فون کرنے کا۔“ اس کے منہ میں خود بخود ناراضی اور تلخی تھی اور وہ سری طرف اس کی ہنسی کے جلتے بکھڑکھڑا رہا۔

”سوری ہادی اچھن وقت پر آئی آگئی تھیں۔ اب میں ان کے سامنے تو کہیں فون نہیں کر سکتی تھی میں“

”کیوں؟ تم تو کہتی ہو انہیں سب بتا سے اور تمہاری آئی کو لوہر کوئی کام نہیں ہے۔ جب کھوٹیکے آئی رہتی ہیں۔ اس سے تو اچھا ہے مستقل وجہ شفٹ ہو گئی۔“ میرے بھائی کا خرچہ بھی بچ جائے گا اور انہیں دیگر اقامات کے ساتھ ساتھ گھر و ملا کا لقب بھی مل جائے گا۔“

”شٹ اپ ہادی! وہ ہادی طرح چپ چلی۔“ تمہیں اپنے بھائی کی یہ ساری کھولن مجھ پر مت اتار کر۔ ان کے سامنے تو بڑے معصوم بنے رہتے ہو۔ میرے سامنے ہی جھپٹا رہا آتی ہیں ان کی یہ کوالیٹی۔“
”ہاں تو ان کے سامنے کیسے کہہ سکتا ہوں ان کی سالی سے شادی ہو کر رہی ہے۔“ وہ ہنسا تھا۔

رمدی چپ سی رہ گئی پھر کچھ دیر بعد کہا۔ ”اس کے لیے بھلی کو نہیں اپنی لال کو متاؤ جب سے آئی الگ ہوئی ہیں تب سے وہ ایک بار بھی سالی نہیں آئیں اور خانہ لوں بھر میں کیسی کیسی باتیں کرتی ہیں اسی کے خلاف کچھ اندازہ ہے تمہیں۔ جلد مکمل قسطنطنیہ پتا نہیں کیا کیا نام دے رکھے ہیں انہیں۔ خالہ کو یہ خیال بھی نہیں ہے کہ وہ ان کی بہن ہیں۔ چاہیں ہی نہیں ہیں وہاں کی بہن ہیں کہ فرحت نے ہی نمرین کو سکھا دیا کہ بھیا ہے اور اسی نے پورے بہن کو اس عمر میں خوار کیا ہے۔ اب جتاؤ اپنی اور اپنی بسوی ملائی میں۔“ اسی کو کیوں تھکیت رہی ہیں۔ ویسے بھی جتنے بیٹے تھپا ان کے ساتھ رہیں خالہ جی نے انہیں کوئی سکھ نہیں

پا ایسے میں خالہ جی ہو تھی تو گور کیا کرتیں۔“
وہ اسے ساری تھی اور وہ چپ چاپ سن رہا تھا۔ ہادی کے لیے یہ وہ حقیقت تھی جیسے ناپتے ناپتے کسی مور کی نظر اپنے بند صورت پر پڑ جائے۔

”تم نے یہ سب سنائے کے لیے فون کیا ہے مجھے؟“ کچھ دیر بعد وہ قدرے چڑ کر بولا۔ زبان درازی میں رمدی نے نمرین کا ریکارڈ توڑ ڈالا تھا۔ ”یہ جتاؤ مل کب رہی ہو؟“

”ابھی نہیں۔ جتا رہا تھا میں میرے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔“ وہ کچھ بے نیازی سے بولی۔
”انہی تھیں کا ہمارے منے سے کیا تعلق۔“ وہ حیران ہوا۔

”انہی بھی! تیاری کرتی ہے مجھے۔“ رمدی جھانکی اور ہادی ہنس پڑا۔

”جھوٹا یار! تم نے کبھی ویزا مزی تیاری تو کی نہیں ہے۔ ٹیسٹ کی تیاری کیا کرو گی۔“
وہ مذاق اڑانے لگا اور رمدی نے دل ہی دل میں سوچا کہ کو سا جس نے ہادی کے سامنے اس کی بال لقی کا پردہ چاک کیا تھا۔ ایک سال پہلے جب بہن ان کے رزٹ ٹوٹ ہوئے کے دن وہ ان کے گھر گیا تھا۔

”ہاں لیکن اہی نے مجھے وارن کیا ہے کہ اگر اس سال بھی میری کوئی سہلی آئی تو وہ مجھے کالج سے ہی اٹھوائیں گی۔“ اس نے نمرین کی سے بتایا۔ مہریت بدنے ہوئے بولی۔

”سنو! میں آج آئی کے ساتھ فون کے گھر چلے والی ہوں۔ یہاں اس چیز گھر میں تو مجھے کچھ یاد نہیں ہوئے والد۔ تم ایسا کروناں ڈہیں آجاؤ۔“

”ہاں! ہادی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ عرصہ پہلے جب خالہ ماسکی بخار کے باعث بستر پر پڑی تھیں تب وہ عرصہ رمدی کی خاطر ان کی طبیعت پوچھنے چلا گیا تھا۔ تب یہ اس کی بد قسمتی ہی تھی کہ اسی وقت مملائی بھی وہاں موجود تھیں اور ظاہر ہے کہ پھر اہل تک یہ خبر پہنچنے نہ پڑی تھی۔ گلی اور اس کے بعد جہان کی طبیعت خراب ہوئی تو ہادی ہاتھ پیر جوڑ کر انہیں یہیں

والے لگا تھا کہ اس وقت کبھی بھول کے بھی خالہ کے گھر کا رخ نہیں کرے گا مگر اب تو بہت حد بھول کے گھر کی تھی بھول اس سے پہلے بھی اہل کی لائسنس میں وہ نین پار جا چکا تھا اس لیے کچھ دیر کے بعد بولا۔
”اچھا! ٹھیک ہے مگر ابھی۔“ امیرا مطلب ہے وہ کچھ کیس کی تو نہیں۔“
تمہ خورن بھائی کی تیاریوں پر بڑے دل ہی اسے ڈرانے کے لیے کلفتی ہوتے تھے۔ وہ اکثر حیران ہو کے سوچتا بھی کہ حلد بھائی ان پر کیسے فدا ہو گئے۔
”جی نہیں! وہ کچھ نہیں کہیں گی اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں وہ تمہیں بہت پسند کرنی ہیں۔“
رمدی نے نیا اعتراف کیا تھا۔ اسے جھٹکا لگا۔
”اچھا! لگتا تو نہیں۔“
”خیر! تم وہ سب پھوٹو مل تمہیں آجانا اور سنو! میری برتھ ڈے بھی آئے والی ہے اس مہینے کی سولہ کو تو ایسا کرو گفت مجھے ایڈوائس میں دے دو۔ گفت کچھ ایسا ہونا چاہیے جسے میں اپنے کالج کے فنڈو مل لکھوں میں بہن سکوں مجھے گئے؟ اچھا اب میں فون رکھتی ہوں ای کب سے تو ازیں دے رہی ہیں۔
لو کے ہائے۔“

اس نے جلدی جلدی جینے لگا کر کے فون بند کر دیا تھا۔ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی اپنے مطلب کی بات کہنے کے بعد وہ ہادی کی کوئی بات سننے کی زحمت نہیں کرتی تھی۔ ایک لمبی آدھ بھرتے ہوئے وہ پلاٹا اور زمین پر نظر پڑتی ہی چونک گیا۔
”تو کب آیا؟“

”جب تو اپنی بہن سے بات کر رہا تھا۔“ زمین مسکراتے ہوئے اسٹور کی انگوٹی کرسی پر پر اچھل ہوا۔
”تیرا اظہار دوست جگہ یار لوہر سچا بہن ہونے کے لئے مجھے تیرے مستقبل کی بڑی فکر ہونے لگی ہے پور۔ میری دوستی میری وفاداری مجھ سے تقاضا کر رہی ہے کہ میں مجھے اس رمدی ہم کے کیکٹس سے بچاؤں۔“
وہ چہرے پر خالص دودھ اور غور فکر کے تاثرات

سہائے کہہ رہا تھا ہادی کے پاس اس وقت صرف
مہیا کل ہی تھا جو زمین کی اس کو اس پر اس کے سر
پر سکتا تھا اس نے بہت مشکل سے خود پر ضبط کیا۔
"لور میرا جوش مارا خون مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں
خیر اگلا دیاں پاؤں شرم کر لے۔ کس سے تھوڑی سی
غیرت لوہار لے لے اپنی ہونے والی بھابی کے
بارے میں ایسی کئی مثالیں کرنے سے پہلے تو نے اپنی
زبان کیوں نہ کھلی۔" ہادی کے ہنسنے پھڑکنے لگے
تھے زمین نے بے ساختہ ایک فہمہ لگایا۔

"گورنر قیامت مجھ سے نہ لڑی رہے گی۔"

"تو۔ تو میرا کیسا دست ہے پارا بھائے میری بد
کرنے کے بھائے مجھے یہ جانے کے کہ میں مدی کے
لے لال کو کیسے منوں۔ تو مجھے بد دعا میں رہ رہا
ہے؟" کھف سے کہتے ہوئے وہ دھنسا ہونے لگا مگر
زمین پر مطلق اثر نہ ہوا۔

"یہ بد دعا نہیں ہے میرے بھرا! یہ تو دعا ہے جو
میرے مخصوص دل کی گہرائیوں سے اٹکتی ہے مگر بچے
وے! انوکھیں سمجھے کہ اس کے عشق میں تو جس طرح
اپنا تن من اور ترق کل تو دھن جیٹی ہے لور دی سے لٹا
رہا ہے اس سے محبت ہو چکا ہے کہ تیرا ذہن لب کسی
جو گا کھیں رہا نہ تو تجھے اپنی بھابی کی امیدیں نظر
آتی ہیں انہوں تجھ سے خوف نہیں ہے اور نہ ہی اپنے
چہرے کے حال کا مستقبل۔"

"مگر کتنا کیا چاہ رہا ہے؟" وہ سن چلائے لگا۔ "تجھے
لگتا ہے میں بھی ملنے ملنے کی طرح انہیں بھول رہا ہوں؟"

"یقیناً" میرا نہیں ہو گا اگر تو دی کا خیال دل سے
نکل دے تو۔" زمیں کی عجیب ہو گیا۔

"یعنی سارے سسکے کی جڑ دی ہے؟" ہادی نے
ایک گہری سانس لی۔

"نہیں تو اس کی سن کو جھیننے کے بعد تجھے اس سے
بھلائی کی توقع رہتی ہی نہیں چاہیے گی۔ مگر بھی
اگر میرا لال مل اس پر تیری کیا اور تیرے بھس بھرے
خاندان کے یہ بدلہ دے یا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں

ہو تیں تو اب۔ کم از کم لب اس کے رنگ پر مگر
دیکھ کے کچھ سمجھ کے سہوار ہو جا ہوا وہ تجھ سے کہو
نہ کچھ اٹھنے کے لیے کئی نئی تلاش کر لی ہے لور تو
اسے پورا کرنے کی فکر میں ہیں ہوتا ہے ہی
اچھی طرح جانتی ہے یہ بات کہ تو اپنے گھر کا واحد کڑا
پوت ہے تو بھی یہ بات جانتا ہے کہ تیری بھولی بھول
سیدھی سیدی امی کبھی آکر اسٹور کا حساب کسب
چیک کس کر سکتی۔ تجھ سے جو لب دیتی نہیں کر

خرچہ جیسے اٹھ میں ہے لور تو اپنی گدنی کے واسطے
اور پیسے سے حاصل ہونے والے حلال کمالی کو سب
دری سے اس پر مٹا رہا ہے میں تو شکر کرتا ہوں کہ یہ
میں بل اسٹور سے جڑل اسٹور نہیں۔ ورنہ ان کے
گھر کا سینے بھر کا راشن بھی نہیں سے جاتا نہ بھی کبھی
نہ کھنے والے لوہار رہے۔" اسے کچھ عجیب سا میں
محسوس کہ کے زمین نے بھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

"مجھے لگتا ہے۔" مجھے ہنسا رہی ہے؟" ہادی نے
اسے دیکھا۔

"بالکل نہیں۔" زمین نے محبت لگی میں سر ہلایا۔
"وہ تو تو پہلے سے ہی ہے۔ لب تو تجھ میں گدھے والی
خصوصیات پیدا ہونے لگی ہیں انہوں جو دھوتا ہے۔ جو
وقت کھاس جاتا ہے۔ مٹا میں ہو تو غریب میں کرنا
ہے لور سوچنے لگنے کا کھانا اپنے مالک پر چھوڑ دیتا ہے"

"جتنی کو اس کرنی ہے کر لے۔ کسی دن میں نے
بھی تجھے زہر کا انجشن لگا کے اس دنیا سے غائب نہ کر
دیا تو میرا نام بھی ہادی عبد اللہ نہیں۔" ہادی نے
خاموشی پر حرم انداز میں چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ زمین
چونک گیا۔

"اچھا تو تیرے پاس زہریلے انجکشنز کا انٹاک
بھی ہے۔ مجھے پہلے ہی کچھ لگنا چاہیے تھا یہ جو آئے
دلایا عجیب و غریب کہنیں کے عجیب و غریب بندے
بیٹھے رہتے ہیں میرے پاس میں کا کچھ تو خیر نکلے کھو
سدا حرم! اس سے پہلے کہ میں کی ہو اگلی پڑے۔"
ہادی جو لب بچے اسے کہہ رہا تھا کوئی کیل جواب

وینے ہی کا تھا کہ کوئی نثر ایک گاہک کی تہ ہوگی۔
 "ہاں بھائی! پیاس کا لڑکھو اس اس نمبر۔"
 دیکھنے کا ہی لڑکا تھا اسے دیکھتے ہی ہادی کو سونا کی
 لالچ دیا تو آئی۔
 "ہاں کرنا ہوں۔ تم پہلے میرا ایک کام کرو۔" اس
 نے ہادی کو لالچ دیا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہہ
 "یہ سونا انٹیاں جا کر ہمارے گراں گوار کے ہاں دے آؤ۔"
 "سونا ہادی کے گھر؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔
 "ہاں وہی سیدھے وہیں جانا۔ کوئی حرج محبت کی
 ضرورت نہیں اور واپس ہاں آنے کی بھی ضرورت
 نہیں ہے۔ تمہارا پیاس بڑا ہو جائے گا۔"
 "یہ سونا کون ہے؟" اس کے پلٹتے ہی زمین نے
 پوچھا۔
 "تو نہیں جانتا؟" ہادی نے تعجب کا اظہار کیا۔
 "چاندی کا شوہر؟" زمین نے کچھ سوچ کر اپنے تئیں
 صحیح جواب دیا۔
 "یہ چاندی کون ہے؟" اس نے کمر ہاتھ رکھتے
 ہوئے اسے گھورا تو زمین بری طرح چڑ گیا۔
 "جانتا ہوں یہ سونا؟"
 "ہمارے لئے کرائے دار، بلکہ نئے تو نہیں
 رہے۔ اب تو انہیں چار پانچ مہینے ہو رہے ہیں۔"
 ہادی نے فریور سے بول نکال کر اس کی طرف اچھلی
 جسے اس نے فوراً اسی صدارت سے بچ کر بھاگا۔
 "تھینک گاڈ! تم جیسے ذہین لے انہوں سے تو میں
 واقعی کسی ذہین شخص کی توقع کر رہا تھا۔" اس نے
 ٹھنڈی بول سے پیاس کو ٹھنڈ کیا۔
 "وہی کمال ہے یاد! اسیں یہاں شہت ہوئے
 پانچ مہینے ہو رہے ہیں اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔ جب
 ہی میں لوگوں آج کل تمہاری دھمکیاں سن رہا ہوں
 دینا جیسی ڈرنگ دای کرانے وار دروازے میں کھڑی
 نظر کر رہی تھی۔"
 "مجھے تو پتا اسوں ہو رہا ہو گا۔" ہادی نے اس کو
 اس پر چوٹ کی۔
 "ہاں میں تو جیسے اسی کے لئے تیری گلی کے چکر کا

کرنا تھا۔" زمین کو غصہ آیا۔
 "تپ کیوں چڑھ رہی ہے۔ اس کی وجہ سے تو بہت
 سے لوگوں نے اپنا موٹ پیچ کر کے اس گلی سے گزرتا
 شروع کر دیا تھا۔ میں نے سچا گناہ پتا تیری دل بھینک
 فطرت نے بھی مجھے مجبور کر دیا ہو۔" ہادی اب اس
 جانے والی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے بدلہ چکانے کا
 تھا۔
 "وہی پہلے پہل اس نے کالی شرافت کا مظاہرہ کیا
 تھا مگر جیسے جیسے اس نے پرزے ٹکڑے لہلہ کر دیے
 دیکھ کر انسان دلچ قلب ہو کر اس سے پہلے کہ اس
 کی وجہ سے میری اگلی پیاہری لہلہ کو کوئی پتا نہ ہو گا کہ
 میں نے اسے گھر خالی کرنے کا نوٹس دے دیا۔ مگر
 کرایہ دینے میں اس نے بھی اڑی نہیں کی تھی۔
 بلکہ مقررہ تاریخ سے پہلے ہی وہ لوہے آکر کرائے کے
 ساتھ ساتھ اکثر برائی اور قورے کی ڈونگے بھی دے
 جاتی تھی۔" اب کہ ہادی نے سنجیدگی سے بتایا۔
 "تو تم لوگوں نے مکان دیتے ہوئے کسی قسم کی کوئی
 چھان بین نہیں کی تھی؟"
 "کیسی چھان بین کرتے تیار اب ہم تو سمجھ رہے تھے کہ
 چلو صرف سیال پڑی ہیں۔ زیادہ جھجھٹ نہیں ہے۔
 یہ تو اس کے شوہر کے دینی سدھارنے کے بعد ہی
 ہمیں اس کے بچوں کا اندازہ ہوا۔ اللہ معاف کرے۔"
 ہادی نے کالی کو ہاتھ لگایا۔
 "لہلہ کو تو میری وجہ سے بھی ڈر گئے گا تھا کہ کہیں
 میں اس کے چکر میں نہ پڑ جاؤں گی۔ مگر وہ نہیں مارا
 مجھے اسے کمر بھی دلا ہی نہیں۔ کسی پانی کا مسئلہ ہو گا
 کبھی کل کی دکان میں گز رہا ہوں۔"
 ہادی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔
 "اور یہ لوگ۔" زمین نے سوالیہ نظروں سے
 اسے دیکھا۔
 "میں یاد رہے لوگ تو بہت شریف اور خاندانی
 ہیں۔ یہاں خاتون ہیں اور ان کی دینی بیاں۔ خود بھی رہنا
 پھر چوں اور بڑی بی بی بھی نہیں ٹھیک کرتی ہے۔
 سب سے بڑی بات تو یہ کہ لہلہ ان سے بہت خوش

ہیں۔"
 "وہیے اگر تو اپنی پرانی کراٹے دار کو ہمارے ہیں بھیج
 دینا تو زیادہ اچھا نہیں ہو گا۔ ہماری بلنگ کے فرسٹ
 طور کا فلیٹ گب سے خالی پڑا ہے۔" زمین نے اٹھتے
 ہوئے کہا۔ ہادی اسے گھورنے لگا۔
 "لکھا ہے اس نے مجھے اچھا خلا سا اثر کر دیا ہے۔"
 "اس صورت میں تو بالکل نہیں بیٹے تو سوچ رہا
 ہے۔ میں تو اس کی برائی اور قورے سے مستفید
 ہونے کی سوچ رہا تھا۔" زمین نے اصل وجہ بتائی۔
 "بھائی میرے بچے پکانے پر مڑا کھانے کا کچھ کر میرا تو
 اس دنیا سے ہی جی اچھا ہو گیا ہے قسم۔"
 "تو تو شادی کیوں نہیں کر لیتا؟" ہادی نے غصہ سے
 مشورہ دیا۔
 "پہلے تو کرسی تو کرسیوں اور نہ برائیوں کی کھائی سے
 ہادی پانے کا الزام بھی لگ جائے گا مجھ پر۔" وہ اس کو
 بول۔
 "تو کرسی سے یاد آیا۔ تیرے انٹرویو کا کیا پایا؟"
 "کس انٹرویو کا؟" وہ چونکا۔
 "وہی جس کے لئے تو نے میری جوتیاں مہصل
 تھیں۔" ہادی کو یاد کر کے نئے سرے سے غصہ چڑھنے
 لگا۔ سو دانت نہیں کر دیتا اور زمین نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔
 "وہی ہوں میں سے پیسے کے تمام انٹرویو رکھا ہوا تھا
 ہے۔"
 "تمہارا کچھ نہیں بن سکا۔" وہ تفسیر سے سر ہل کر
 دیا۔
 "اور تیرا بہت کچھ بن سکا ہے میں اس روٹی ہام کی
 پلا سے پیچہ چھڑا لے۔" وہ جاتے جاتے ہی اسے
 پھانسنے سے باز نہیں آیا۔ ہادی غصہ سے گھبرا گیا تھا۔
 * * *
 "سونا! ائی کو ہادی بوسے دی تھی؟"
 تعبیر اس وقت منہ ہاتھ دھوئے کے بعد لکھیں کا
 اور کیا پتا ایسا ہو بھی۔" سونا نے مسکراہٹ دہا کر

ڈھیر لے کر بیڈ پر چلی تھی۔ شدید محکم کی وجہ سے
 اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اور آٹھیں بھی جلتے لگی
 تھیں مگر کاپیاں چیک کرنا بھی ضروری تھا۔ اسکول سے
 آنے کے بعد تو اسے ایک ٹائم نہیں مل سکا تھا۔ اسی لئے
 آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینے وار کر رہا تھا۔ کام
 کرنے بیٹھ گئی تھی۔
 "تم سے پوچھ رہی ہوں ہادی! وہ گلی ہو گیا؟" اپنی
 کمر کے پیچھے ٹھنڈے ہوئے اسے سونا کی خاموشی پر
 "آپنا جو بڑی سہہ نیازی سے ڈاکٹسٹ میں منہ دیا
 بیٹھی تھی۔"
 "ہاں اوسے ہی تھی وہائی مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں
 ہوا کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد ہی کالی بی بھرے ہائی ہو
 گیا۔ پچھو کا فون آیا تھا۔" سونا کا جواب دیا ہوا تھا۔
 "اچھا! میں کہیں تھی تب؟" اسے حیرانی ہوئی۔
 "نہانے جیسی ہوئی تھی۔ تمہارے نہانے کا
 دورانیہ کبھی دو گھنٹوں سے گھٹا ہے۔" سونا نے اس پر
 بھی طنز کر دیا۔ وہ لب بلیٹے اسے گھورنے لگی۔
 "میں تو اسی سے ان کی بہت بھی نہیں کروانا چاہ رہی
 تھی۔ مگر تم جیسے ہی رات دم سدھاریں ان کا فون
 آیا ہے پھر مجبوراً اسی کو ہی فون چھاپنا پڑا۔"
 "کہہ کیا رہی تھیں؟" وہ کالی بند کر کے پھر سے
 سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
 "ولید بھائی کی شادی طے ہو گئی ہے۔ یہی اطلاع
 دینے کے لئے فون کیا تھا لیکن مجھے پتا ہے انہوں نے
 صرف اپنی پرہیز نہیں کیا ہو گا اور بھی بہت کچھ کہہ ہو
 گا ہی سے اور پتا ہے اسی مجھ سے کیا کہہ رہی تھیں۔
 اسی کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں یہ بات نہ تانوں ولید
 بھائی کی شادی والی۔"
 سونا نے بات ختم کر کے اسے دیکھا۔ اس کے
 ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔
 "ایک تو یہ ای بھی تھا۔ کیا سمجھتی ہیں میں میری
 چارہ ای ہوں ولید کے پیچھے اس کی شادی کی خبر سنوں
 گی تو خود کشی کر لوں گی۔"
 "اور کیا پتا ایسا ہو بھی۔" سونا نے مسکراہٹ دہا کر

تجربہ میں کرنا تھا۔
 "کیا مطلب؟" "تجربہ کرنا ہے کہ کتنے
 "مخبر کتنی۔" "یاد ہے جب تمہاری مٹکی ٹپک گئی۔
 تب تم نے کیا ماری لاشیں دیا تھا؟" "اسے یاد ہے
 ہونے سونے جب اس کے ہرے پر چھلک رہی تھی
 دیکھ تو خاکہ ہی ہو گئی۔
 "اسی کو اس کہنے سے پہلے کچھ سوچ رہا تھا سونا!
 "وہی لاشیں میں نے مٹکی ٹپکنے پر نہیں دیا تھا۔"
 "تجربہ کس لیے میں گئی تھی۔"
 "بلکہ جس بات کو خیال نہ کر سکی تھی وہی گئی تھی اس
 پر دیا تھا سونہ کوئی اس دن کا آخر میں تھا کہ جس
 سے رشتہ ٹوٹنے پر میں زندگی بھر کو اداس رہنے کے دم
 میں اپنی زندگی ختم کر دی۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے اور
 اللہ کو بھی کہ جب تم لوگ ہی مجھے اتنا غلط سمجھ رہے
 ہو تو میں کی اور سے کیا شکایت کر سکتی ہوں۔"
 "تو تو تجربہ کرتی تھی۔ سو رہی میں تو جس پر نہیں بدلتی
 کر رہی تھی۔" "سونا و اللہ سوں ہونے لگا کہ اس نے یہ
 بات سمجھ کر ہی کی تھی۔"
 "بھئی بھی تو میری بات سن رہا ہے کہ میں رہا ہوں کسی
 بھی شخص کا ہاتھ پکڑنا محض اس کی کسی گتے ہے،
 انہیں یہ جاننے کے لیے کہ مجھے کوئی لم نہیں ہے۔
 میں نے کسی کے لیے جوگ نہیں لے رکھا اور دیکھ لیتا
 کسی دن میں کیا کر رہی گزرتی کہ۔" "اس کی آنکھوں
 میں سرخی اتر آئی تھی۔ بے بار رہنے کی اس کی تمام تر
 کوششیں اب بے سود ہونے لگی تھیں۔
 "تو گئی ہو تجیب۔" "سونا نے بے چینی سے
 اسے دیکھا۔ وہ شیوں کی بل میں اور اس کے لیے اس کی
 یہ فکر بالکل جائز ہے۔" "میں کیا لکھا ہے جلد و بوجہ کر
 قیاس ہوتی ہیں انہیں اس طرح پریشان اور اداس رہنا
 اچھا لگتا ہے؟" "پھر سے ان کی توجہ توجہ دانتوں کی
 باتیں سن کر میں لطف آتا ہے؟" "میں یہ بات کبھی
 میں کہیں نہیں آتی کہ تمہارے مٹکی ٹپکنے سے
 قیاس مجھے ہی پہلی فرق نہ پڑا ہو مگر ہی کی ساری
 پریشانیاں اس وجہ سے ہیں۔"

"مجھے قسم ہو گئی تھی کہ یہ پریشانی۔" "پھر نے
 اسے دیکھتے رہنے کے بعد مجھ پر سبک کر پڑا تھا۔
 "میں نہیں جانتی۔" "میں نے تمہیں بتا دیا۔"
 "مگر یہ تمہاری شادی ہے۔"
 "ات تو بھروسہ نہ کر رہی تھی۔" "میں نے تمہیں سہاس
 لے کر سہا دیا۔" "میں شادی کر رہا تھا ہے کسی سے بھی
 کہتا ہے۔"
 "اگر تمہاری مٹکی۔" "اپنی ہوتی تو بہت اٹک تھی۔
 تب کوئی پلٹ کر نہیں آتا جب اسے یہ بات پتا چلتی
 ہے۔"
 "اچھا۔" "سب میری وجہ سے ہوا ہے؟" "اسے
 لہجے سونا کے انداز میں بیابان محسوس ہوتی کہ اس
 نے تجھ کی سہرا بابت کیا۔
 "تجربہ پرانے کا کھنکھ تو یہ ہے کہ اس میں کچھ
 لفظی تمہاری تھی۔"
 "سونا کہہ کر اٹھ گئی تھی مگر وہ ساکت ہو گئی۔ سونا
 نے ٹھیک کہا تھا اسے یہ سن کر بہت برا لگا۔ کیونکہ
 اسے نہیں پتا تھا کہ سونا بھی اسے قصور وار سمجھتی ہے
 پھر اس کا بھی یہ خیال ہو گا اس نے سر ہٹا کر بے ہوش
 "کہیں سے اس سارے معاملے میں میری تھیں،
 صرف اتنی کہ میں تو کسی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔
 میں غور غرض نہیں مٹا چاہتی تھی مگر اس کا مجھے کیا فائدہ
 ہوا۔" "کی کہ پھر بھی مجھے ہی قصور وار کرنا چاہتا ہے
 مجھے ہی پڑا ہوا جا رہا ہے۔ میں ہی محتجب ہو رہی۔"
 "سوچ رہی تھی۔" "پہلی لفظی تلاش ہی تھی اور
 آسودہ خواہش کے رخسار پر چھتے جا رہے تھے۔
 * * *

تجربہ میں حساس قیاس کی وفات کے بعد میں
 نے کن شکایات سے گزار کر ان کی پادش کی تھی۔
 اس طرح نامساعد حالات کا مقابلہ کیا تھا اسے اس
 بات کا انہیں احساس تھا۔ دوست محبوب رشتہ دار
 ایک طرف ان میں سے کسی نے آکر ہوا بل تک
 دیانت کرنے کی ذمت نہیں کی تھی کہ کہیں۔

پھر وہی قیاسی اور ان سے مدد نہ مل سکی تھی۔
 صرف ایک بیوی تھی جو پتہ ان سے باخبر نہ کرے
 تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی تمام دنیا سے بھی
 جدا ہو گئے تھے۔
 "میں ہی دلتی جب تجبیر کا سبب رکھوں ہونے والا تھا
 کیا ہی اگر اسے ولید کے ہم کی انکو بھی سنا گئے تھے
 ان سے۔" "میں کی رہی۔" "تو تو خیر شہر سے ہی ان
 کی محبتوں سے مدد سے ہوئے تھے مگر یہی کیسے مان
 کر میں اور ولید۔" "سو سوچ سوچ کر ابھرتی رہا۔ اگر
 ایک دن ولید نے اسے پوچھ رہی سے یک کرتے
 ہوئے اس سے اپنی پسند و ناپسند کیا ہو گا۔
 اس کا اضطراب تو ختم ہو گیا تھا مگر اس کی پریشانی
 نہیں۔" "نئی کی کے ہاتھ کے بل تو ان اسی دن ہو چکی
 تھی اور اب تو وہ جب بھی آتیں تو وہ اکرے ہوئے ہی
 ہوتے اور تجبیر کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ وہ اپنی
 زندگی کی شہادت کسی بھی فرد کی بارگاہی سے کرے۔
 پھر پریشانی بھی بس پشت چلی گئی اب اس کا راز کٹ
 تھا۔
 اسی گود منت لہجہ قیاس۔ ان کی رہنمائی میں
 چھوٹی تھی۔ جب فائز اس نے بہت پہلے سے سوچ
 رکھا تھا اپنی قابیلیت پر اسے اتنا بھروسہ تھا کہ اسے
 کہیں بھی بہت اچھی جاب مل سکتی ہے مگر میں بھی
 اس کی حقیقت پسند سوچ اور فکری طبیعت کو کسی کو
 نہیں اور جس "نئی بات کرنے کا سوچ نہ ملے۔ اس
 نے بھی لہجہ کر کے کو ترچہ دی اور یکم اسے
 اس میں جاب کر لیا مگر تب۔ اس کی حیرت کی تھا
 نہ وہی جب ولید نے یہ سنے ہی ایک ہنگامہ اٹھا دیا۔
 میں چاہتا تھا کہ تجبیر کو کسی کرے۔ بے شک وہ
 فوجی کیل نہ ہو۔ اسی کو پتہ تو انہوں نے بھی
 سے سمجھنے کی کوشش کی کہ اگر ولید کو نہیں پسند تو
 یہ جاب چھوڑ دینی چاہیے مگر تجبیر کا فیصلہ اگل تھا۔
 ان کی بل نے ان کے لیے جو کچھ کیا تھا۔ اس کا
 ملے لگاوا انہیں اس طرح دی کہ اب جب انہیں

ضرورت پڑے تو ان کو انہیں ان کے بل پر چھوڑ کر
 صرف اپنا گھر بسنے کے بارے میں سوچتی۔
 "تجربہ کرنے پر اب ہر وقت اس کا کلمہ تھکتا تھا۔
 ان دنوں کے کچھ کل گھری غیج حاکم ہو گئی تھی۔ اس
 کے کچھ دواؤں بعد ہی کیا ہی گئے تو شادی کی بات۔ تجبیر
 دی۔ تجبیر کو کوئی مسئلہ نہ ہوا مگر ولید کی فطرت جان
 بھی تھی۔ وہ ہر معاملے میں اپنی من مانی کرتا تھا ایک
 ہٹ دھرم قسم کا انسان تھا اور شادی کی یہ جلدی بھی
 بھڑا۔ اس کے کہنے پر چل جاتی تھی جلد تک کچھ دن
 پہلے ہی نے خود کہا تھا کہ ولید کو ایک پیشکش کورس
 کے سلسلے میں جان بٹانا ہے اور شادی اس کی دیکھا ہے
 ہی ہو گی۔
 تجبیر فوجی میں تھی مگر اس وقت اسے بھی جیسے
 مدد ہی ہو گی بھی اور اس نے شرم و لگاؤ ہلانے مق
 رکھ کر خود ہی تلی سے کہہ دیا کہ اس کا ابھی شادی کا
 اور ان میں سے ولید واپس آہلے بھر کھا جائے گا۔
 ولید تو اس سے پہلے ہی ناراض تھا رہی سہی مگر اس
 کے انکار نے پوری گھڑی۔ وہ چلا گیا اور چلے ہوئے
 اس سے مل کر بھی نہیں کیا۔
 اس کے جانے کے بعد کچھ ہی دن آرام سے
 گزارے تھے کہ کیا ہی کی تھا "لانا" بہت نے سب
 کچھ درجہ برہم کر کے رکھ دیا۔ بیانی وقت کے بعد
 ایک دن تو تھے جن کے ہونے سے انہیں احساس
 تھی جو اسے بالکل اپنے جیسا کرتے تھے۔ تجبیر کو
 اس صدمے سے پہنچنے میں بہت وقت لگا تھا۔ ولید
 سے اس کا کلمہ رابطہ نہیں تھا اور نہ ہی تلی کی توجہ کے
 وقت کے بعد اس کے گھر آئی تھیں۔ اسی پریشان تھیں
 تو انہیں اسے بھی ہو رہی تھی۔ مگر اس کی انہیں کچھ
 ہی رو بہا بہت ہو گی۔
 تلی ہی تو نہیں آتیں مگر کچھ دواؤں بعد پھر ضرور
 ملے تھیں ان کیلئے ہم لے کر۔
 تلی ہی نے اپنی بہت سے یہ رشتہ تو ولید تھا اور وہ
 اس کی تو کسی بھی نہیں بلکہ اس کا کرکٹر تھا۔ وہ
 گھر سے صدمے میں تھی اس لیے نہیں کہ اس کی

مکلی ٹوٹی تھی بلکہ اس لیے کہ تاج تک مد سے زیادہ
 جگہ نہ کر بھی پھونک پھونک کر پرندہ اٹھنے کے
 بعد بھی اس کے کنار پر انگلی اٹھائی تھی۔ وہ لہو تو
 باقی تھی کہ نالیل اسے پسند نہیں کرتی مگر درشت
 ٹوٹنے کے لیے اس پر اتنا غصہ اتر رہا تھا کہ اس کا
 اس نے بھی نہیں سوچا تھا۔

نکیلی کے جانے کی خبر بھی ہنسوں نے جیسے ہر لہو
 غمزدہ کر دیا تھا۔ نبال نے لید سے کیا کتا یہ تھا مگر انیس کی
 جتنی کہ تھا کہ یہ سب لید کی خواہش پر ہوا ہے۔ اس
 وقت تعبیر کو نہیں نہیں تو تھا کہ لید یہ چاہ سکتا ہے۔
 مگر جلد ہی اس کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ جب وہ انیس
 کے بے بعد وید نے یکساں بھی اگر ان سے سارا
 سجدہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ تعبیر کو لید سے
 محبت نہیں تھی مگر اپنی عزت کس پر اس شدہ محبت
 نے اسے مست دل سے نکال دیا تھا۔

لب و مطہر تھی مگر اس کو اس طرح اپنے لیے
 پریشان ہوتے۔ وہ جتنی بھی تو اس کا سارا اچھین
 افسوس میں بدل جا تھا۔ مگر مسئلہ سارا یہی تھا کہ
 وہ کی یہ پریشان نہ کرنے کے لیے وہ کچھ بھی نہیں کر
 سکتی تھی۔



”ابو! میری ایک شرت کمال رکھ دی آپ نے؟“
 کوہے گھنے کی کٹاں بیدار اور سونے کو انت پخت کر
 کے باکم ہونے کے بعد لب و لہو کو تو لادینے کا تھا۔

”فدا کے لیے ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے پھر پھر“
 میری شرت دھو کر استری کر دیں۔“ لید کی لاپٹ
 ایک فداوار توڑ کے ساتھ بند کر کے وہ کچھ اور بھی
 بلند توار میں چھوڑ کر کہ وہ صلی پر فون پر مصروف ہیں
 نبال نے کس رشتہ و کمال کی جھپٹیں سن رہی تھیں کہ
 لید کی تو لڑنے انیس کسی کھس کی جھجھک سے
 بھی کہ متوجہ کیا تھا اس پر کھن بید ہو رہی تھی۔

”میرے بچے صلی! ایک مے لکھ کچھ قسم ہو گا تو آپ

کو کپ کی شرت مل جائے گی۔“ صلی فون پر ہر کچھ
 صلی نے اس کی بے چارگی سے لطف اٹھانے ہوئے
 ہوئے اسے صبر کی تلقین کی۔ وہ اسے خوشخوار سوسن
 سے گھورنے لگا۔

”کیا کمال ہوئی؟“ صلی شرت پہن لیں۔“ وہ بے
 چینی سے کمرے میں بیٹھتے ہوئے سوچنے لگا۔

”لیکن نہیں۔“ کچھ پر ایک مگر زیادہ چٹا ہے۔ صلی
 نے بھی کی کہ تھا۔“

”آئیے کے سامنے آکر اپنا گود اپنا چھوڑ کیسے کچھ
 کمال کی گئی شیو کی نڈا ہٹنے چہرے کو کچھ دور بھی
 دھیر بنا دیا تھا۔ صلی کے ہونٹوں پر حاکم دار کی
 منکراہٹ آئی۔ پھر کسی خیال کے آتے ہی وہ صلی
 کے پاس آیا۔

”پہلے صلی اچا کے۔“ کچھ لہو نے میری شرت
 کمال رکھی ہے۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ صلی بدک کر دہنڈ
 پہلے ہوں تب آپ کوئی کچھ پھرنگ بھی نہیں۔ ایک
 منٹ میں چڑا کے جن کی طرح مسکے سے تب کی
 شرت دھو دھو۔ کوئی وہ شرت پہن سکتے ہیں۔“

”مجھے ایک شرت پہننی ہے جسے ابھی میں کسی
 فرمائے کاغذ سمجھ کر کسی بخوری میں رکھ کر دے
 ہے۔“ وہ مل کو سنانے کے لیے اٹھی تو انیس پر ہر
 طرف انیس نے ایک گھوری اس پر ضرورت نہ کر فہم نہ
 نہیں کیا۔

”اب کریں وہ رات گریں ایک رات شرت ہر
 میں۔ کپ بہت۔“ بھی گنتی ہے کچھ مہم ہوتے ہیں۔

”آپ میں سے کسی کہہ رہی ہوں۔“

”صلی! بھید ہی شکل بنائے قسم کھانے کو تیار مینا
 تھا میں کسی طرح اس کی جاں چھوٹی۔ صلی سوچنے پر
 مجبور ہوئی یا اور کچھ جب وہ اپنے کمرے کی طرف آیا
 تھا کہ لہو کی بات نے اس کے اندر مد کھینچے۔

”مرحت کس مزاج کی عورت ہے یہ تو کیا ہے۔
 جانتا ہے۔ جتنی بیٹیوں کو پایا ہے اس سے کچھ بڑا
 کھانے کیسی کیسی بیٹیوں پر حاکم دار جہد منتر پھونک رہا ہے۔

ابھی وہ الگ کر الگ سپر لٹون عورت تھی۔ اور
 میں من جوتی نبال نے کیا رو بہ گئی تھا صلی پر کہ وہ کر
 اس گنتی کسی کو بیا سنی۔ اس ایک سال میں اس
 نے جو میرے ساتھ کیا ہے وہ تو کچھ سالوں میں کسی
 میری سانس نے بھی میرے ساتھ نہیں کیا۔“

لہو کلن جوتی میں خاندان اور بھائی کے بچے
 دو چیز نے اس میں گھس گھس۔ وہ بے اختیار جھرمجی لیتا
 کمرے کی طرف بھاگ آیا۔

”مگر لہو کو یہ حال جانے کہ میں صلی سے ملنے جا
 رہا ہوں تو کیا نہیں نہ میرا کیا جھڑکریں۔“

”تو کیسے ابھی۔“ یہ کیا ہے؟“ ٹھوڑی دیر بعد پھر
 لہو کے سامنے کمراتھ مگر صمد شرت کہ اب وہ فون نہ
 کر بھی نہیں اور لہو کے کھانے کی تیاری کر رہی
 تھی۔

”کیا ہے۔“ اس کے پارنے پر ایک دیر سی نظر
 اس پر الٹی بار بار دیکھنے لگے تھے گھس۔

”اس کف کا میں نہیں دیکھتا۔“ اپنا ہالہ ان کے
 سامنے کرتے ہوئے اس کا بوجھ تھوڑا مگر لہو کی
 ایک گھوری پر دھیا بھی ہو گیا۔ ”کپ میں سے کپوں۔“

”تو لہو کا لے مل رہی! آپ کیا ایک شرت کے لیے
 بھی تو مجھے پریشان کر رہے گے یہ کام توڑ کے خود بھی کر
 لیتے ہیں۔“

”انیس فہم نہ کیا۔ ساڑھے دس بج رہے تھے اور
 انیس نے ابھی تک ہانڈی بھی نہیں چھلکی تھی۔

ایک گھنٹہ پہلے ہی لہو پر یہ ہو چکا تھا۔

”میرے کام توڑ کے کرتے ہوں۔“ جو رت نہ کر میں
 لہو اور فون لگنے کا کام کرتے ہوں۔ میں سوئی تو کا
 ٹکا ہوں مگر غصے نہیں۔“ وہ بھی تب کہہ جاتا تھا۔

”طہری لہو چلو ہاتھ دھو کر دیر ہوئی جا رہی تھی۔

”غضب خدا کا بوز میں مل کا کوئی خیال نہیں۔

ایک تو پہلے ہی مجھ کی جاں کو سو جھیلے ہیں اور اپر
 سے تو پھول پھولتی ہاں کے لیے منہ بسور نہ کر رہا
 ہے۔ تمہی شہلی کر دیا تو جاں چھوڑنے میری۔“

”کھانا دھوئے ہوئے دیر لگے گی نہیں۔“

”ایک تو یہ فون بھی ہمیشہ سے وقت ہی فون کرتی
 ہے۔“ وہ فون اور سول دھاگالے کر اس کے سامنے آ
 بیٹھیں۔ ”وہ بھی گھنٹہ گھنٹہ بھر کے لیے اب بھائی
 پر مجھے ایسی کب ی بات ہے جو کچھ منٹ میں نہیں ہو
 سکتی۔ خود تو میں میں بسوں کے ہوتے ہوئے صلی
 بیٹھی رہتی ہے تو میرے بھی اسے اپنی طرف ہی کھینچتے
 ہیں نبال نے بھر کے فارغ۔“

”لہو! طیر اب تو تاریں آپ نے میری ایک شرت
 کمال رکھی ہے۔“ بے چینی سے گھنٹی کی سونپوں کو
 دیکھتے ہوئے اسے ہانک بیاؤ کیا تو وہ جو بیٹھا
 ”کپ۔“ اس کی تو میں نے صد فیاض بنائیں۔ ”میں
 نے حاسی بے نیازی سے جواب دیا تھا اور پھر ان کے
 جواب پر اس پر ہی طرح اچھا کہ صلی کف کے لیے
 اس کی کٹائی میں اتنی سنجیدگی سے لگے والی تھی
 بے ساختہ تھی۔

”کپ۔“

”بس جھوٹا آرام سے۔“ زیادہ بول نہیں نہ مار۔“

لہو کو لگا کہ قہر کا اظہار کر رہا ہے سو جھڑپ ضروری
 بھلا۔

”لیکن۔“ آپ نے کیا کیا کیا؟“ صمدے کے
 اسے اس کی تو از صلی میں ہی گھٹ گئی۔ وہ شرت
 پہنے کے کچھ دن پہلے ہی تو خریدی تھی اور بھی کچھ کلن
 نہ تھی۔

”میں نے تجھے کتنی بار کہا ہے کچھ رنگ نہ پہنا کر
 تجھے کچھ لگ جائی ہے۔ مگر نہ سکتا ہے کسی کی بچپن میں
 جب تجھے کالے رنگ کا بوز اپناتی تھی تو وہ سر سے ہی
 دن تجھے بھڑا چڑھا جاتا تھا اور اس دن کچھ ٹوٹے ہی
 کونوں رنگ پہنا تو میں جب تیرا کھیل نہ ہوتا
 ہوتا تھا تو میں نے سچا ”بے“ تو تو باز نہیں آئے گے۔

”اچھا ہے اس کے کھلے کھلے۔“

”اب! آپ نے ایک شخص سے دو م کے لیے
 میری شرت اختیار کر لیا۔“ اس کا کچھ چام اپنا سر
 پیٹ لے۔

”اسلام علیکم خالہ! ایک نرم نسوانی توانا نے اس

کے سوگ میں غلغلہ تھا قلعہ بے اختیار رقی چونک کر
دروازے کی سمت دیکھتے لگا۔

”تعبیر! آج تو بڑے دنوں بعد چکر لگایا تو نے۔
اے احمد! آتلا دروازہ کس کی کھڑی ہے۔“

لعل اسے دیکھ کر اتنی پر جوش ہو میں کہ اس کی
آستین میں دھاگا سونے سمیت ہل چھوڑ کر اٹھ کھڑی
ہو میں اس نے خود ہی دھاگا ایک منگے سے توڑ کر
تعبیر کی طرف دکھا جو لب پہنچتے ہوئے احمد آ رہی
تھی۔

سیاہ چہرہ اور مے سنہری رنگت اور خواہید سنہری
آنکھوں والی تعبیر کی شخصیت میں عجیب سا مہر تھا۔
لعل اس سے اس کی اپنی کی طبیعت پوچھنے لگی تھیں۔
”لہجہ کچھ وہیں کھڑا ہے چھاپا پر نکل آیا تھا۔“

”وہ میں نے گھر میں تم آئی تھی۔ ایک تو وہ جلب
کرتی تھی اس لیے بھی اور کچھ وہ رہتی تھی کٹنی انگ
تھلک تھی۔ آج اگر وہ خود سے آئی تھی تو یقیناً کسی
وجہ سے ہی تھی کچھ وہ تو سوچنا ہمارا سر جھٹک
کر دی کو خیالوں میں لے گیا تھا۔“



”کیسی ہو؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھی تو ہلکی سے
کری کی پشت سے ٹیک لگا کر محروم نظموں سے اس کا
جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ”خود تو سیاہ رنگ نہیں پہن
ایا تھا مگر دی اس وقت سیاہ اور مسخ رنگ کے سوٹ
میں کٹنی چلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔“

”ٹھیک ہی ہوں بی لعل۔“ بے نیازی سے چہرہ گم
چلنے ہوئے وہ اپنے نلکے پاش کو جانتا پھوڑ کر اس کی
جانب متوجہ ہوئی۔

”بی لعل۔“ مطلب اس نے مدی کے الفاظ پر
غور کیا تو چونک گیا۔

”ابھی میرے لیے رشتے دیکھ دی ہیں دھڑا دھڑ۔“
اس نے کچھ بڑھتی سے اطلاع فراہم کی۔ خیال تھا یہ
خبر ہلکی کے دل و دماغ کو خاصا جھٹکے گی۔

”دھڑا دھڑ؟“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ ”بلی

دلوے یہ رشتے دیکھ دی ہیں یا سوچی بھل اس کا نتیجہ
احقر ہوا اس بات پر تھا ہادی کو شدید غصہ آیا۔

”ہادی! میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں پور تم۔ سنو!
اگر اسی نے میرا رشتہ کہیں ٹوڑے کر دیا میں تو پھر تم
سے شکایت مت کرنا۔“

”ہاں تو میں بہت متحج کر رہا ہوں بی لعل سے بات
کرنے کی۔“ وہ کچھ لاچار کی سے بولا۔

”تم میں تو اتنی بہت بھی نہیں ہے کہ اپنی لعل کے
سامنے میرا نام تک لے سکے۔ تم انہیں میرے سے
کوئی نہیں کہہ کر گے۔ اسی ٹیکسی کتنی ہیں۔ سب
مرچائے کی مگر کبھی تمہیں اپنی سو نہیں مٹائے گی۔“

”تم نے خالہ کو بتا دیا۔“ ہادی تو یہ سن کر اچھلی
پڑی۔

”بتاتی نہ تو پور کیا کرتی۔“ تو میری منگنی ملے کے
بیشی تھیں۔ لب بھی انہوں نے مجھے ایک مینے کا ہاتھ
ہے۔ اگر اس ایک مینے میں تم اپنی لعل کو لے
ہمارے گھر نہیں آئے تو وہ میری شادی کہیں ٹوڑے کر
دیں گی اور میں کچھ نہیں بولوں گی سمجھتے تم۔“

”وہ خالہ میں بھری بیٹی تھی۔ ہادی بے جنتی سے
ہاں میں انہیں پھیرنے لگا۔“

”دیکھو! میں جانتا ہوں۔ لعل اتنی آسانی سے نہیں
مانیں گی مگر تمہیں بھی تو کچھ کو خوش کرنی چاہیے میں
میری مدد کرنے کی۔ میرا مطلب ہے تم اس کی مدد کی ہو
تو تمہیں انہیں اس بات کا احساس دہنا چاہیے۔“

”ہاں بھی کے الگ ہونے کے بعد تم نے جھٹکا بھی نہیں
تھمھی دیا ہے گھر۔ لعل ناراض ضرور ہیں مگر اس کی یہ
بڑا اسی بھائی کے لیے ہے۔ اگر تم ان کا دل مٹانے کی
کوشش نہیں کرو گی۔ انہیں یہ نہیں دلائے نہیں تو
گی کہ میں کی پور بھائی کی اس لڑکی سے ہمارا رشتہ
دنا نہیں ہے تو وہ تمہیں اپنی سوسٹلے پر کھینے رہ رہ
ہوں گی۔“

”سو دی ہادی! جس کا دل مجھے جیتنا تھا۔ میں جیت
چکی۔“ اس کی بات ختم ہونے ہی وہ تیزی سے ہون۔

”اگر تم مجھے ہو کہ میں ٹیک پوین بن کے
ہوں گی۔“

ہاتھ پر چمکنے ہوئے نا کجی کے عالم میں دونوں کے چہرے دکھنے لگی۔

”ولید کی شادی میں کس نے جانا ہے وہی ڈسکس کر رہے تھے۔“ تعبیر نے عجیبگی سے کہا تھا۔

”کیا۔۔۔ آپ لوگ شادی میں جانے کا سوچ رہے ہیں؟“ سونا کی بلند آواز میں حیرت بھی تھی اور غصہ بھی۔

”کیوں۔۔۔ آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا بھی کیسے۔“

”زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے سونا! کوئی نہیں جا رہا ہے یہاں سے۔“ کپتیاں دہاتے ہوئے اسی نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

”تو پھر یہ تعبیر کیوں کر رہی ہے کس۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رک کر اسے گھورنے لگی۔

”گلا ہے تمہارا وہاں جانے کا بڑا مل ہو رہا ہے۔“ تعبیر اس کی بہت نظر انداز کر کے اسی سے مخاطب ہوئی۔

”پلیز ای۔۔۔ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا کہ آپ مت جائیے۔ میں تو بس آپ سے اتنا چاہتی ہوں کہ

آپ بلاوجہ خود کو مجھ کے دلا سے نہ دیں۔ سن سے ایسی کوئی امید مت رکھیں جس سے آپ کا دل دھکے

آپ بچھو کی بات کر رہی ہیں۔ جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ انہوں نے تو یہاں قدم بھی نہیں

رکھا۔۔۔ نبھانے کب لو کہ کسی مہذب انسانوں نے آپ سے کچھ کہہ دیا اور آپ ہیں کہ اسے دل سے لگا بیٹھی

ہیں۔ ان سے کہیں کی تو انہیں یاد بھی نہیں ہو گا کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کی بھی تھی۔ میں آپ سے

پھر کہہ رہی ہوں۔ آپ نے جانا تو مجھے بتانا ہے۔ مجھے آپ کے وہاں جانے سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

وہ اپنی بات ختم کر کے مریدان کی طرف دیکھ کر باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے سونا جو اس کی باتوں کو سمجھ

نے کی خوش میں ہوتی سی غبی کھڑی تھی ”لب ایسے“ پاس آکر ان کے کان کھانے لگی تھی۔

”کجی سے کہہ رہی تھی۔“

”تمہاری پیچھو معجز کے لیے اشاروں کنایوں میں سونا کا کہہ چکی ہیں۔“ نظریں جراتے ہوئے ان کا

لب پر پست تھا۔ یہ مجبور کی بھی انسان کو کتاب ہے بس کر رہی ہے جس کا احساس انہیں آج ہوا تھا۔

”اشاروں میں کیا ہے۔ اگر رشتہ تو نہیں مانگا۔ بلکہ جنہوں نے رشتہ مانگا تھا انہوں نے کون سا بوجھ چکا کر دیا آپ کا۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہی سونا کے ساتھ

ہو گیا چاہتی ہیں آپ؟“

وہ انداز میں نہیں ہونا چاہتی تھی اور نہ ہی اس نے ابھی تک کسی کھل کر ان سے اس موضوع پر بات کی

تھی مگر آج ان کے خیالات جان کر اسے جو دھچکا لگا تھا وہ ضبط نہیں کر پائی۔ اسے حیرت بھی ہو رہی تھی

کہ ای ایسی تھیں تو نہیں تھیں پھر اب وہ کیوں اتنی کمزوری کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

”خدا نہ کرے تعبیر ایسی باتیں کر رہی ہو۔“ وہ

دل گھسی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ خدا کے لیے امی! انسانوں سے اس لگنا چھوڑ دیں۔“ التجائیہ انداز اختیار کرتے

ہوئے اس کا لہجہ دھیمہ ہوا۔

”اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ آپ تو ہر حال میں اللہ پر توکل کرنے والوں میں سے تھیں۔ پھر لب یہ کیا ہو گیا

ہے آپ کو۔ آپ کیوں اپنے ہی پھلے ہوئے سبق بھول رہی ہیں کہ نصیب اللہ جوڑنا ہے انسان نہیں۔“

ان کی آنکھیں بھینکنے لگی تھیں ”ان کا چہرہ وحشت ہونا نظر آیا۔“

”سوری ای! مگر ایک بات میں آپ پر واضح کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے شادی نہیں کر لی جاسی لیے آپ

میری فکر چھوڑ دیں اور سونا ابھی چھوٹی ہے۔ اس کی عمر اتنی زیادہ بھی نہیں ہوئی کہ آپ کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت ہو۔“ وہ دھیرے سے کہتے اٹھ کھڑی ہوئی۔



”ہاں زین! ابھی ابھی کیسی ہیں تیری۔“

وہ اس کے سامنے بیٹھی تھیں۔ زین کچھ دیر پہلے ہی کیا تھا۔ اسے ہادی کے ساتھ چنگ جاتا تھا۔ ہادی کو

لی جن کر لے گئے تھے اور اسے اپنا ایک چنگ کیش کروانا تھا اور اس مشقت کے بعد ہی کا وعدہ ہادی کی طرف

سے تھا۔ اس وقت ہادی کی امی کے بتائے ہوئے گاجر کے حلوے سے انصاف کر رہا تھا کہ ان کے اس سوال

پر سر کے زائے بگڑ گئے۔

”خف خاف! کیا پوچھ رہا ہے آپ۔“ اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ فوراً گھبرا گئیں۔

”ہائے اللہ! خیر کرے گا کیا پھر کسی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ابھی پچھلے ہی دلوں تو جھل کا آپریشن ہوا تھا

وہ کیا کہتے ہیں غصہ۔ بیزر۔“ سونا بوجھ حالہ نا کجی کے عالم میں اس لفظ میں ہی الجھ گئی تھیں۔ اور حیرت بے

خفا کا چہرہ بن گیا۔

”نہیں خاف! سب ٹھیک ہی ہیں۔“ اس نے جلدی سے انہیں اس الجھن سے نکالا۔ ”میرے کہنے کا مطلب تھا کہ میں اتنی جلدی کچھ نہیں ہو سکتا۔

چنگی جلد کی لولا لولوں میں سے ہیں سب کی سب۔“

جائے کا آپ اٹھاتے ہوئے اس کے لمبے میں تھلی

کھلی تھی۔

”میں تو یہ بتا تو کر رہی کیوں نہیں کر لیتا۔“ انہوں نے ایک یا موضوع چھیڑا۔ زین کے اونٹوں پر

مکراہت آگئی۔

”تیری ان کہیں کم طرف بھلہ ہوں کا نہ بھی بد ہو جائے گا اور میں ہادی کے ساتھ ساتھ تیرے لیے

بھی لڑکے دیکھ دوں گی۔“

شفت نہ لیں اور میں بھی ان کے سامنے کوئی پیا پچھا

تھیں میٹھا راتل ایک کے بدلے دس سٹانا ہوں۔ لب

تو وہ میری زبان پر ازلی خاندان میں مشہور کر چکی ہیں لیکن میں کوئی لڑکی تو ہوں نہیں کہ دشتے نہ تے کی

تھر ہو سو کوئی بڑا بھی نہیں۔“

وہ اپنے مخصوص چنگے پھلے انداز میں کہتا انہیں مطمئن کر رہا تھا کہ کس نہ اسے بالکل ہی بھلہ ہوں

کے رحم و کرم پر رہنے والا کوئی مقوم و۔۔۔ ہم پچھ ہی نہ سمجھیں۔

وہ چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور اپنے امیر باپ کا سب سے لاڈلہ بیٹا تھا مگر تب تک بچپ تک وہ

زندہ تھے۔ اس کے بچپن میں ہی گزر گئی تھی۔ شاید

کی وجہ تھی کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کی نسبت اپنے والد سے زیادہ قریب تھا۔ لب تو خیر حالات ہی اور تھے مگر

بھلہ ہوں نے کبھی ان کی زندگی میں بھی زین کا لحاظ نہیں رکھا تھا اور اب تو ایک مضبوط وجہ بھی تھی ان

کے پاس اس سے خار کھانے کی کہ شہر کی مصروف ترین مارکیٹ میں ان کی چار چلتی ہوئی دکانوں میں سے

بھی وہ حصے وار تھا اور اسی علاقے میں وہ دکانی بند ٹنڈر سے گئے والے بلانہ کر رہی تھیں بھی۔

زین کے والد حصے خرے کر کے نہیں مرے تھے۔

وہ نہ اس کے دوسرے بھائی کب کے اس بڑے سے گھر کو بیچ کر اپنے الگ الگ گھروں اور زندگیوں میں

سیٹ ہو چکے ہوتے۔ لب اس جائیداد کے حصے ہوتے تو ایک بڑا حصہ زین کے قبضے میں چلا جاتا جس کا نہ کوئی

کام تھا نہ کوئی وحندہ ہر مینے اسے اتنی معقول رقم مل جاتی کہ وہ اپنی شاخ خیریاں پوری کر لیتا۔ جبکہ دوسرے

بھائی وکانداری کرتے ہوئے غوار اور بے تھک سے چرتے اس کام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی سارا

ایک موتی رقم اس شہزادے کی جیب میں چل جاتی۔ سو وہ اس کے منہ پر ہی اسے مفت خوراً، طلبہ لہجہ سے کہہ دیا کہ یہ موتی کی بھڑپس نکالتی رہتیں۔

”چل پو! ہاتھ اب نکلنے کی کر۔“ فریش طور کھڑے کھڑے ہادی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”ہاں! پھر سنی خیز انداز میں سر ہلایا تھا۔“

”یاد رہے تو بینک جا رہا ہے رومی سے ملنے نہیں؟“

”کیا بکواس کر رہا ہے۔“ ہادی نے فوراً سپیٹا کر کہاں کو دیکھا جو چائے کے برتن سمیٹ رہی تھیں۔ ہادی کی قسمت اچھی تھی کہ یہ بدلتی فتن کی ساتھیوں تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔ زمین بٹنے لگا۔

”یار! تو اس لڑکی کی طرح گھبرا رہا ہے جو میں سے چھپ کر بیٹھ رہی ہو۔“

”تو کر لے بکواس یا ہر نکل پھر میں تجھے بتاتا ہوں۔“ ہادی نے بمشکل اپنا غصہ دھپلا۔ زمین نظر انداز کر کے خال سے کہنے لگا۔

”خالہ! میری تو نوکری کا مسئلہ ہے۔ مگر ہادی کے لیے تو آپ لڑکی دیکھ ہی لیجئے۔ برسر روزگار ہے میرا یار! اچھا خاصا ہٹا کٹا مسٹرڈا ہے۔ کہیں ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے۔“

اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر آخری جملہ زیر لب بیڑیاد تھا۔ ہادی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ غصے اور ضبط کے باعث۔

”ہادی کے لیے تو میں لڑکی دیکھ چکی ہوں۔ بس اب تو جلدی سے نوکری تلاش کر لے تو پھر تم دونوں کی ملگنی ایک ساتھ ہی کرواؤں گی۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے ہر دم لہجے میں کہا۔ ہادی کا چہرہ پیکا پڑ گیا اور زمین کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک آگئی۔

”تو پھر وہ رہا خالہ! میرے لیے بھی لڑکی آپ ہی دیکھیں گی۔ ویسے بھی اپنی بھابیوں کی پسند پر مجھے کچھ لڑنا مجھوسا نہیں۔“ وہ ان سے دھم لینے لگا تھا۔

”ارے ہائل۔ میرے لیے تم کوئی ہادی سے کم

تھوڑا ہی ہو۔ میں تو جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی ہوں تین کے بجائے چاروں میٹوں کے لیے دعا کرتی ہوں۔“

”خٹیک بچو خالہ! زمین کے چہرے پر افسوس سی مسکراہٹ آگئی تھی۔“

”یار! یہ لہجہ کیا کہہ رہی تھیں۔“ سیزمیاں اترتے ہوئے ہادی نے ہراساں لہجے میں کہا تھا۔

”یہی کہ خیرے سرے کے پھول مٹنے والے ہیں اور کسی پیاری سی لڑکی کی قسمت پھوٹنے والی ہے۔“ لیکن میں خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ جو کوئی بھی ہو! بس رومی نہ ہو۔“ زمین نے یہ بات کہہ کر ہادی کی طرف نہیں دیکھا۔ حاننا تھا کہ ہادی اسے گھور رہا ہے۔

”تو تو دوستی کے نام پر ایک بد فعلیہ ہے۔“

”اور مجھے اس پر فخر ہے۔“ ترجیح تو داخل کو اچھا ثابت کرنے کے لیے لاکھوں روپے کی اینڈورناتر منٹ کی جارہی ہے۔“ زمین نے بے غری سے بات اڑائی۔

”مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ تجھے رومی سے اتنا شدید ہر کیوں ہے۔ کہیں ہر تو نہیں کہ تو نے اس پر لائن ماری ہو اور اس نے تجھے لکھنہ کر لائی ہو۔“ ہادی نے ہر سوچ انداز میں کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ زمین ہنس پڑا۔

”خیرے دوست کی وجہات پر کج تک بہت سی لڑکیاں قربان ہوئی ہیں۔ مگر جسے میں مل دوں گا۔ وہ صرف ایک ہی ہوگی اور میں اسے اپنا بھائی کر لوں گا۔“

”ہاں! مجھے لکھنہ کروانے یا نہ کروانے سمجھ گئے؟“

”زمین نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا سونا کی گواہی مل گئی۔“

”ہادی بھیا! وہ شاہد دواڑے کے پاس ہی شہل رہی تھی۔ جب ہی تو باتوں کی گواہی من کر فوراً ہی دواڑہ کھول کر جھانکا تھا مگر ہادی کے ساتھ کھڑے زمین کو دیکھ کر وہ ٹھک گئی۔ زمین کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ زمین کی آنکھوں میں بے اختیار ہی تھی کہ

سونا کی آنکھوں میں حیرت۔

”ہاں سونا! کچھ کام تھا؟“ ہادی پوچھنے لگا۔

”سونا۔“ زمین چونکا۔ اس کا نام تو چاندی ہوتا ہے تو کیا پھر۔ چاندی۔“ اگلے روپ لور چاندی کی رنگت دلی اس لڑکی کو دیکھ کر سوچے بیٹا نہ رہ سکا۔

”کیا معنی گھر ہے اصل میں کچھ سوا منگوانا ہے تو؟“

”وہ میرے گویا ہوئی تھی۔“

”نہیں تو گھر پر نہیں ہے لیکن تم فکر مت کرو وہ جہاں کہیں بھی ہے میں اسے فون کر کے آنے کے لیے کہہ دوں گا۔“ ہادی نے اسے تسلی دی۔

”شکریہ۔“ مسکرائی پھر ایک آخری نظر دیا۔ اس پر ڈال۔ اگلی بڑھی ہوئی شیو لور ہاتھ پر کھڑے ہادی سے اسے کافی لاپرواہیوں لگا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھسائے اس کی ہڈی ہڈی سیاہ آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔

”بد تمیز۔“ دل ہی دل میں اسے لقب دیتی وہ کافی لود سے دوا اند بند کر گئی تھی اور زمین کے ہوشوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔



”مجھے رومی کے لیے اچھا سا گفٹ لینا ہے۔“ بینک سے نکلنے ہی ہادی نے اسے دینا اگلا پروگرام بتایا۔ یہ سننے ہی زمین یوں اچھلا کہ پارکنگ ایریا سے نکلنے والی بائیک سے ٹکراتے ٹکراتے چلا۔

”لو بھیل! آنکھیں کیا گھر پر ہی چھوڑ آئے ہو۔“

”ہوڑ سا میں سوار نے اسے کافی خوشخوار لگا ہوں اسے گھبراہٹ۔ زمین خون کے گھونٹ پی کر اس کی جانب توجہ ہوا۔

”کیا پھوٹے ابھی تم۔“

”مجھے طارق روڈ لے چلو۔“ ہادی اس کے ساتھ ہر کی بائیک پر کیا تھا۔ اس لیے یہ نئی فرمائش بلکہ آناش اس کافی تازہ لگتی تھی۔

”جسٹ منٹ لے چلوں؟“ اس نے دانت پیسے۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اس سے پہلے میں

رومی کے لیے گفٹ ضرور مل گا۔ بھی اس کے پاس میری کوئی آخری نشانی بھی تو ہونی چاہیے۔“ ہادی نے مسکراتے ہوئے اس کا منہ جی جلا دیا۔

”اتنی جڑ کسی عورت کو اپنی سوکن سے بھی نہیں ہو گی۔ جتنی مجھے اس رومی سے ہے۔ خدا کی قسم۔“

”زمین واقعی بیزار ہو گیا تھا۔ پھر ہادی نے محض ایک گفٹ کی خاطر پورے دو گھنٹے اسے اپنے ساتھ خوار کروایا تھا اور آخر میں زمین کے ہاتھ پر جوڑنے پر اس نے ایک چوڑا شاپ سے رومی کے لیے بے حد خوب صورت چاندی کے ٹکڑے خرید لیے تھے۔

”جب مجھے آخر کار یہیں آنا تھا تو اتنی دیر تو نہ کس اور کاسٹیکس شاپ میں مارے مارے پھرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ زمین نے تھک کر سوال کیا تھا۔

”اصل میں میں نے سوچا میں اس کے لیے کچھ ایسا گفٹ لوں۔ جسے وہ بیشہ اپنے پاس رکھے اور جو کبھی برائیا نہ ہو۔ سمجھ رہے ہو نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمین کچھ خاموش سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

”تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو؟“ اس نے یہ سوال کیوں کیا تھا۔ خود بھی نہ سمجھ سکا۔ ہادی چونک کر کہ۔

”تو جہیں کیا لگتا ہے میں غرت کر رہا ہوں؟“

”نہیں۔“ ٹھیک ہے۔“ خلاف توقع اس نے بحث کرنے کے بجائے بات ختم کر دی۔ ہادی اب بھی ہولی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”تعبیر نہیں اوپر جارہی ہوں۔“ وہ لیکن میں اسے یہ پیلے تنی تھی۔ وہ شام کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی پونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی پورہ رہی تھی۔“ اس نے کچھ اس طرح منہ بٹا کر کہا کہ تعبیر کو ہنس آگئی۔

”تم تو یہاں کہہ رہی ہو جیسے لوہہ تمہاری کوئی بہت

ی مری سبلی بیٹی ہو تم سے کمپ شپ لڑانے کے لیے؟
 "ہاں تو۔۔۔ سیکڑہ آئی اتنی مزے کی باتیں کرتی ہیں اور ہر معنی میں تو ہو گا۔ میں جاری ہوں۔" وہ جلت میں کہہ کے باہر نکل گئی۔
 مگر اوپر اگر اسے احساس ہو کہ وہ کافی غلط وقت پر آگئی تھی۔ بلاؤج میں سامنے ہی صوفے پر آئی سے جڑ کر بیٹھی من کے شانے پر سر رکھے یہ خوب صورت سی لڑکی گویا لہجے میں کچھ کہہ رہی تھی اور خود ان کے آنسو بھی ایک لڑاوتر سے نئے جلے جا رہے تھے۔ اس نے زرا سا نگاہوں کا زوئیہ بدلا تو معنی بھی نظر آ گیا جو چہرے پر دنیا جہاں کی بزاری سجائے شاید اس دنیا کی سین کے ختم ہونے کے انتظار میں تھا اس پر نظر پڑی تو فوراً ہی مسکرا کر آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ جھجکتے ہوئے اندر چلی آئی۔
 "یہ لڑکی کون ہے؟" ان دونوں کی توجہ اس کی جانب قفسی نہیں تھی۔ اس نے دھیمے لہجے میں معنی سے پوچھا۔
 "نعم۔ میری کزن۔" اس نے ایک سو کو بھر کر بتایا تھا اور سونا منکھوک نگاہوں سے اسے گھورتے گئی۔
 "جھوٹ بول رہے ہو تمہاری کزن ہے تو پہلے کیوں نہیں آئی۔"
 "یہ سوال میں نے سنبھل کر رکھا ہوا ہے۔ ان خالہ بھانجی کا ملاپ پورا ہونے میں ہر ضرورت ان سے پوچھوں گا۔" معنی نے اب بھی صحیح جواب نہیں دیا۔ وہ جب لگی مگر کچھ کہنے کے بجائے سامنے دیکھنے لگی۔
 "آپ کی بڑا رضی تو امی اور آپ سے تھی میں خالہ! پھر ہمارا کیا تصور تھا کہ آپ نے ہمیں بھی بلانے سے نکل دیا۔ آپ کو کبھی اپنی اس بھانجی کی یاد نہیں آئی۔ آپ جانتی ہیں کتابا پار کرتی تھی میں آپ سے۔ میرا کتاباں کرنا تھا آپ سے ملنے کے لیے لیکن ہر بار میں یہاں آتے آتے وہ جاتی تھی۔ مجھ کو لگا تھا کہ کہیں ان پر کیا خاصہ آپ مجھ پر نہ نکل دیں۔"

وہ نشو و نما سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اور ان کا دل اتنے دنوں بعد اپنی اس بھاری سی بھانجی کو دیکھ کر پھل کر پھلنے کو تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگایا۔
 "ابھی ابھی اب بس بھی کریں اور کچھ نہیں تو روئی آئی کو چائے کافی پوچھ لیں اور یہ دیکھیں۔ بسو آئی بھی آئی بیٹھی ہیں۔"
 معنی بلاآخر بول ہی پڑا اور انہوں نے جیسے پہلی بار چونک کر اسے دیکھا تھا۔
 "ارے سونا۔ تم کب آئیں؟"
 "بس کچھ ہی دیر ہوئی ہے۔" سونا نے مسکرا کر بتایا۔
 "روئی آئی یہ ہماری سونا آئی ہیں اور مجھے ہی رہتی ہیں۔" معنی نے اس لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا۔
 جواب عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
 "تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" لگتی تھی کہ کراٹھنے لگیں۔
 "میں آپ کی مدد کروں آئی؟" سونا نے جلدی سے پوچھا تھا۔
 "نہیں، نہیں تم روئی سے باتیں کرو۔ یہ میری بھانجی ہے بہت دنوں بعد آئی ہے مجھ سے ملنے کے لیے۔" انہوں نے کہا پھر روئی سے مخاطب ہو گئی۔
 "اور تو بھی من لے روئی! میں تجھے رات کا کھانا کھائے بغیر نہیں چلے والی۔ تو کھر فون کر کے بتا دے۔"
 "لیکن خالہ! اور ہو جائے گی تو میں کھرے ہاؤں گی۔" روئی نے گھبرا کر استغفار کیا تھا۔
 "تو کیا ہوا؟" بھڑی جھوڑ آئے گا۔ بس میں نے کہہ دیا۔ تو اب کہیں کہیں جاری۔ بیٹھی وہ آرام سے۔
 وہ اپنا حکم سن کر کہیں کی جانب بڑھ گئیں۔ روئی نے بے شکل چہرے پر درد آئے دلی مسکراہٹ چھپائی تھی۔
 "کیا کرتی ہیں آپ؟" وہ سونا کی جانب متوجہ ہوئی جو خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔
 "کچھ خاص نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"بڑھتی نہیں ہیں آپ؟" روئی کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی۔
 "میں گریجویشن کر رہی ہوں اور اب گھر پر ہی ہوتی ہوں۔" اب کے سونا نے قصیدہ پڑایا۔
 "اے! اس نے بے اختیار سر ہلایا۔ دیکھنے میں اتنی کم سن لگ رہی تھی کہ روئی کو لگا وہ ابھی بیٹریک بڑی مشوڈنٹ ہوئی مگر اس کے گریجویشن کر چکنے کی خبر نے اس کے بے چین اعصاب کو نسل آمیز چھکی دی تھی۔
 "مجھے یہ اتنی بھی پتی نہیں ہے جتنی شکل سے نظر آئی ہے مجھ سے یقیناً بڑی ہوئی۔" اس نے یہ نہیں سوچا کہ ہر کئی اس کی طرح ایک ہی کلاس میں وہ وہاں نہیں لگتا۔
 "آپ کیا کرتی ہیں؟" سونا کو اس میں کافی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بھی کافی خوب صورت تھی۔
 "میں ابھی گریجویشن کر رہی ہوں۔" اس نے ندرے بے نیازی سے بتایا۔
 "پچھلے تین سال سے۔" معنی نے قسم دیا تھا۔ سونا نے حیرت سے روئی کو دیکھا جو غصے سے معنی کو گھورتے لگی تھی۔
 "تم ابھی تک ویسے ہی بد لحاظ ہو معنی!"
 "نہیں اب اس سے زیادہ ہوں۔" وہ شرارت سے بول تھا۔
 "تمہارے کی ضرورت نہیں ہے پتا چل رہا ہے۔" وہ جھجکتی لگی تھی۔
 "پاؤں زمین کے ہمارے آید تھا۔ روئی سونا کو اپنے شعل کے بارے میں بتا رہی تھی اور سونا ہلکی سی مگر جھٹ کے ساتھ سنتے ہوئے چائے کے برتن میٹھے پانی کی تھی۔
 "ابے نصیب۔ آج یہ ہمارے گھر کے بھاگ بھگے جاگ گئے۔" وہ اسے دیکھ کر کھل گیا تھا۔ اس نے محنت بکن میں تھیں سو اس نے اپنی خوشی ظاہر کسٹھیں کی جگہ سے کام نہیں لیا۔

زمین خاموشی سے سونا کو دیکھ رہا تھا جو برتن لے کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔ روئی کی سہل مودگی اس کے لیے حیران کن نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا یہ بھی بھاری کے کسی پٹان کا بی حصہ ہو گا۔
 "میں تو کافی دیر سے اتنی بیٹھی ہوں اور اب خالہ نے روک لیا ہے۔ کہہ رہی ہیں رات کا کھانا کھائے بغیر نہیں چلے دیں گی اور۔۔۔ تم ہی مجھے گھر چھوڑ کر آؤ گے۔"
 وہ فاتحانہ لہجے میں بتا رہی تھی۔ اس کی بات کی معنی خیزی پر بھاری مسکرا کر رہ گیا تھا۔ وہی بل زمین کا سہاگل بجاتو وہ دن سننے کے لیے سلیڈ پر آیا مگر سونا کو جاتے دیکھ کر جلدی سے فٹن بند کر کے اس کی جانب چلا گیا۔ شیفون کے سفید سوٹ میں سنہری ہل شالوں پر بکھرائے جاتے ہی کاٹو سراو پ لگ رہی تھی۔
 "میلو مس چاندنی! آتے گئی نظروں سے دیکھتے ہوئے زمین نے کہا۔ سونا نے حیرت سے لوح لوح رکھا۔
 "آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے تصدیق چاہ رہی تھی۔
 "زمین کو اپنا سب کچھ ہاتھ سے لٹکا محسوس ہوا۔
 "آپ کو اپنے سارا گرد کوئی دوسرا چاند نظر آ رہا ہے؟"
 اس کے خوب صورت چہرے پر یکدم ہی ناگواری پھیلی تھی۔ وہ سرے ہی سمجھ نہ لے رہی تھی۔
 "میرا نام چاندنی نہیں ہے اور آپ بہت بد تمیز ہیں۔"
 "کیا ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟"
 وہ غصے میں اسے اور بھی حسین لگ رہی تھی۔ زمین کے لیے اس کے چہرے سے لگا ہوا پٹانا مشکل ہو گیا تھا۔ سونا کو غصہ آئے لگا۔ یہ وہ سہی بار تھا کہ وہ اس کی نظروں سے ندوس ہونے لگی تھی۔
 "بشعے سامنے سے مجھے جانا ہے۔"
 "آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔ میں آپ کو چاندنی کہہ کر پکاروں گا تو آپ پر تو نہیں مانیں گی؟"
 وہ ہنوز اس کے سامنے جھک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تو

ہونٹ کا تکی رہی پھر ہا کوئی جواب دے اس کی سائیڈ سے ہو کر کافی تیزی سے دو اونچا کر گئی۔ زمین کے منہ سے بے اختیار ایک گرمی ساٹس خارج ہوئی تھی۔

”تپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ کیے آکر چائے پی لیتے اور یہ سونا آلی کہاں گئیں۔“ صغی جو اسے بلانے گیا تھا سرت سے روایت کرنے لگا۔

”چلی گئیں۔“ وہ ذریعہ لب مسکرایا۔

”کمال ہے نہ بتاتے چلی تو نہیں ہیں۔“ صغی حیرت سے پوچھا تھا اور اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گرمی ہو گئی تھی۔

”تم نے کبھی بتایا نہیں ہادی کہ تمہاری ایک اتنی خوب صورت بیوی سن بھی ہے۔“

روٹی فون پر اس سے بہت چہچہتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ویسے تو وہ ٹھوڑی دیر پہلے ہی اسے چھوڑ کر تپ تھا مگر جانے سے پہلے اہل نے اسے پھر گئی میں بلا کر خاص طور پر اس بات کی تاکید کی تھی کہ اس نے فرحت کے گھر قدم بھی نہیں رکھنا اور روٹی کو چھوڑ کر باہر سے ہی واپس آجانا ہے۔ اس نے اہل کی اس تاکید پر من و عن عمل کیا تھا۔ روٹی کے شدید ترین اصرار کے باوجود گدی تک ہادی کو کچھ عرصہ پہلے کی اہل کی بارہا اسی طرح یاد تھی۔ وہ دوا دوا انہیں خاک کرنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

”اگر میں تمہارے سامنے اپنی خوب صورت بیوی کی خواہشوں کا ذکر کرتا تو تم میری جان نہ لے لیتیں۔“ اس نے ہنس کر کہا تھا۔ ”ویسے ڈونڈو روٹی۔“

وہ میرے لیے بالکل معمولی باتوں کی طرح ہے۔

”یہ تو ہر لڑکا کہتا ہے۔“ اسے تسلی نہیں ہوئی۔

جب سے اس نے سونا کو دیکھا تھا۔ عجیب سی جہن ہوئے تھی تھی۔

”مور تھی بے تکلفی تھی اس لڑکی کے انداز میں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسی کا گھر ہو۔ اس سے نہ تو میں

اپنے آپ کو غیر محسوس کر رہی تھی وہاں۔“

”انفرد روٹی۔“ تم چھوڑو میں یہ تاکہ۔“ وہ ہزار ہوں مگر روٹی جب ایک بات کا بیچا لے لیتی تو پھر چھوڑ لیتی نہیں تھی۔

”ہاں تم تو کسی کو گھوڑا لہن مجھ سے پوچھو کیا کیا وہ ہم سٹلنے لگے ہیں مجھے۔ برامت تانا مگر مہ ذات کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کب ایک سے مل آنا کر دوسری پر آجائے۔“ وہ بھی تب جب کوئی صبح و شام نظروں کے سامنے ہی رہتی ہو۔

”اچھا۔“ تو تم مجھ سے کیا سنا چاہتی ہو؟“ وہ توجہ ہوا۔

”مٹی اٹھل تو کچھ نہیں۔“ اس نے فوراً صغی لہن بدلی۔

”یہ بیو تم نے خال سے بہت کی؟“

”ہادی۔“ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا اہل دوا دے میں آٹھری چلی گئیں۔

وہ چونکا۔ ”مٹی اہل۔“

”بات کرنی ہے تمھ سے کیا کر رہا ہے۔“ اس نے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اس نے ایک نظر سٹل کو دیکھا پھر سوالیہ لہجے میں ان کی جانب۔

”کچھ نہیں۔ آپ کہیں کیا کہتا ہے؟“

”تو بیٹھ جا پہلے اسی نہیں ہوگی بات۔“ پہلے پر بیٹھنے ہوئے ان کے لہجے سے یہی چھٹی تھی اس کے جان چھڑانے والے انداز پر۔ بے اختیار اسے کل متعلق کرنی پڑی اور ان کے پیروں کے قریب بیٹھ کر اس نے دوا دوا پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“

”میں نے تجربے لیے لڑکی دیکھی ہے۔“ وہ ہنور اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”نہیں۔“ وہ دل ہی دل میں جھٹ۔ ”روٹی سے لے کے بعد بھی اہل اس لڑکی کو نہیں بھولیں۔“ نہایت کون ہے جو میرے سارے ارمان جلانے پر تکی ہوا ہے۔“

”ویسے تو مجھے یقین ہے تجھے بھی اس لڑکی ضرور پس آئے گی۔“ لیکن پھر بھی اس نے سوچا کہ اس کی ماں سے

بات کرنے سے پہلے ایک بار میں تجھ سے پوچھ لوں۔“

”کون ہے وہ۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پوچھنا پڑا۔

”تعبیر! اہل کا جواب تھا یا پھر کوئی ہم جو اس کے اعصاب پر چڑھا تھا۔ اگر وہ بیٹھ نہ ہوتا تو یقیناً اسے کسی چیز کا سار لینے کی ضرورت پیش آجاتی۔

”جنت۔“ تعبیر۔ ”وہ ہکا کر بس اتنا ہی کہہ سکا۔“

”لنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔“ ماتی ہوں ہیں کہ تیرے مقابلے میں وہ لڑکی میرا ہے مگر وہی ہے جو تجھے اور اس گھر کو سنوار سکتی ہے۔“

”لیکن لیکن اہل! وہ تو لوگ اتنے انجمن اور۔۔۔“

اسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی نہیں سوجھ رہے تھے۔

”ہوا انجمن کیوں؟“ نہیں خضر آگیا۔

”کچھ سلت میٹھوں سے ساتھ ہیں اور پر کھنے کے لیے تو ایک لمحہ بھی کالی ہوتا ہے۔ پورے محسوس ہوں۔ کم عقل بھی ہوں دھوکے بھی بہت کھاتے ہیں مگر اتنی دل بھی نہیں ہوں کہ برے بھمے کی بچاؤ ہی نہ کر سکیں اور اس کی تو صورتیں ہی بتاتی ہیں کہ ان کا تعلق کسی اچھے اور باعزت خاندان سے ہے۔ کیسی باتیں اور مصوم صورت والی بچیاں ہیں۔ تو نے کبھی انہیں کوئی ایسی بات حرکت کرتے نہ کچھ ہے؟“

”پوچھ رہی تھیں اور ہادی اچھا خاصا شرمندہ ہو گیا۔“

”نہیں اہل! میرے کہنے کا مطلب تھا کہ پتا نہیں وہ غیور میں رشتہ کرتے بھی ہوں یا نہیں۔ کیا پتا اس کا پسینے پر رشتہ طے ہو چکا ہو۔ کیا پتا وہ منگنی شدہ ہو؟“

”جے ان پر رشتہ میں بڑے کی ضرورت نہیں۔“

”میں معلوم کر چکی ہوں۔ اس کا کہیں رشتہ طے نہیں ہوا تو میں تجھے یہ بتا دے کہ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں انہوں نے بہت سمیٹتے ہوئے اس کے اچھے ہوئے اہل پر لگا لیں۔“

”نہیں اہل! وہ ایک دم جھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔“

”کھپے ایسا کیوں سوچا لیا۔ کہاں میں اور کہاں۔“

میں میں اس کے کھل نہیں ہوں۔“

اس کا ذہن کسی سادہ سلیٹ کی مانند ہوا تھا۔ اسے کوئی بہانہ نہیں سوجھ رہا تھا گویا صغی کے لیے۔ بھلا تعبیر جیسی لڑکی پر وہ کیا اعتراض کرے۔ اگرچہ میں روٹی نہ بڑی تو یقیناً وہ خود کو خوش قسمت سمجھتا۔ تعبیر اسے ہمیشہ بہت خاص لڑکی لگی تھی اور اس سے بالکل الگ اور اپنی پہنچ سے بہت اوپر۔

”کچھ ہادی! اب میں تیری کوئی بات نہیں سنوں گی۔“ تو رہنے دے اپنے یہ بہانے۔ حاد کی بار مجھ سے غلطی ہوئی جو انہوں پر اعتبار کر لیا۔ پر اب ایسا نہیں ہو گا۔ خاندان کی کوئی لڑکی میں اس گھر میں نہیں لانے والی اور نہ ہی اب میری عمر وہی ہے ان رشتے کرانے والیوں کے ساتھ جا کر گھر گھر کی خاک چھاننے کی۔ یہ میرے دیکھے بھالے لوگ ہیں اور تعبیر جیسی لڑکی میں ہاتھ سے نہیں جانے دینا کی۔ یہ بات تو یاد رکھ لے اور اچھی طرح سوچ لے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔“

اہل اگرچہ اس کے اور روٹی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھیں مگر انہوں نے بات کچھ اس انداز میں کی کہ وہ جو ر ساین گیا۔ وہ تو اتنی محتاط ہو گئی تھیں کہ خاندان کی کسی بھی لڑکی کو سو نہیں بتا چاہتی تھیں اور جو ہادی خاص روٹی کا نام لے لیتا تو پھر تو گویا ایک بھونچل ہی آجائے۔

وہ اپنا فیصلہ بنا کر نکل گئی تھیں اور ہادی سر قلم اس ناگہانی مصیبت سے بٹھنے کی تدبیر سوچنے لگا تھا۔

”بھائی لوگ سب کچھ بچ بچ کر اپنا اپنا حصہ لینے کی حقار ہے ہیں۔“

وہ اس وقت ایک گاہک کو فارغ کر کے بیٹھ ہی تھا کہ جب زمین نے اسے ہی یہ خبر سن لی۔

”اچھا یہ تو میرے لیے خوشی کی خبر ہے۔“ ہادی فوراً ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”خاک خوشی کی خبر! زمین جو اس دور ان ایک کارشن پر بیٹھ چکا تھا ابراہام نے بتاتے ہوئے بولا۔“

"ہر ایک جو ایک معتدل رقم ملا کرتی تھی لب اس سے بھی ہاتھ دھوئے بیٹھ گئے۔"

"تو اچھا ہے میں رگم ہٹا رہی ہوں تو تم سیریس ہو کے نوکری کے بارے میں سوچو گے۔ دیے اپنے صے کا کرو گے کیا کوئی بزنس وغیرہ؟"

"نہیں یار! بیزاری سے کہتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بزنس تو سری ٹینشن ہوتی ہے۔ میرے لیے تو کئی بندھی نوکری ہی ٹھیک ہے۔ ویسے بھی اپنے صے میں ہمیں لب سے اپنا کھونٹ چکا ہوں۔"

"گھر کون سا؟" ہادی نے جبر سے پوچھا۔

"وہی جس میں اس وقت وہ پورا چڑا گھر آباد ہے۔"

زین نے نفی کر دیا۔

"پاکل ہو تم زین! سننے بڑے گھر کا کیا کرو گے۔"

بے اختیار ہل اٹھا۔

"ہسٹلنگ مہنگوں گ۔" وہ بچا۔

"ظاہر ہے رہوں گا اور کیا کروں گ۔ وہ گھر ہونے اپنی محنت کی گمانی سے بنا ہوا تھا اور میری اس گھر سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں اسے چھوڑ کر کہیں اور جاؤں جس لیے میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے سوائے اس گھر کے۔ نوکری مجھے آج نہیں تو کل مل ہی جائے گی مگر گھر بیٹا بہت مشکل ہوتا ہے ہادی! اسی لیے میں نے سوچا ہے میں اس گھر کو نئے سرے سے بنا کر سجا کر اپنی چاہیئی کے ساتھ اس میں اپنی چھوٹی سی دنیا بساؤں گ۔"

تصور کے پردے پر ایک دکھل ٹکس لہرایا تھا اور آنکھوں میں جھنجھوٹا جلاٹھٹے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ جانتی کن ہے۔" ہادی جو مشکوک لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بے صبری سے پوچھنے لگا۔

"میرے خوابوں کی ملک۔ میرے خیالوں کی ملک۔ وہ میرے سے گنتا تھا۔ ہادی کا سنسن گیا۔

"چو! جب خوابوں کی ملک حقیقت بن کر آئے گی تب پوچھوں گا۔" اس نے وہی دل میں ارادہ پندھا

جبکہ زین آنکھیں موند کر گنگلنے لگا تھا ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان بھی تھی۔

"لگتا ہے تو نے کل رات بے لگہم دیکھی تھی اس کی نظریں کچھ کھوجتی ہوئی تھیں۔ زین بے اختیار ہنس پڑا۔

"میں سمجھتے کسی سووی پر ضائع کرنے سے متر ہے میں اتنی دیر تیری شکل دیکھ لوں۔"

"تو تو نہیں بتائے گ۔" ہادی کے تیر کرے ہوئے۔

"تو جانتا ہے۔" اس نے باطن میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کون؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"تیری پر بوس۔"

"کیا۔۔۔؟" ہادی ششدر رہ گیا۔ "تو تعبیر کی بات کر رہا ہے؟"

"تعبیر۔۔۔ یہ کن ہے؟" وہ چونک کر سیدھا ہول اٹھا۔

"اس دن تو تو اسے سونا کہہ رہا تھا۔"

"لو ہو۔ سو۔ نا!" یہ بات سننے ہی ہادی نے معنی خیزی سے سر ہلاتے ہوئے نام کو کالی کھینچ دیا۔ پھر قدرے توقف سے کھٹکھٹا رہے ہوئے بولا۔ "دیکھ زین! یہ صحت نامی لڑکی ہے۔"

"جانتا ہوں۔ تیری طرح میں اوں میں۔ اپنی پسند پر مجھو سا ہے۔" وہ اسے چالے کی خاطر بولا۔

"کیا مطلب ہے تیرا مجھے بھی اپنی پسند پر پورا بھروسا ہے۔" ہادی نے کچھ قہقہے کچھ خوش سے کہا۔

"اسی لیے اپنی امان کے سامنے اس کا نام لینے کے خیال سے ہی چرے پر ہوائیاں اڑنے لگی ہیں۔"

چلتے ہوئے مذاق اڑا رہا تھا اس کی آنکھوں میں بے بسی اتر آئی۔

"ویسے اس دن رات تیرے ہی کہنے پر لگی تھی میں وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں! اس نے سر ہلایا۔ "میرا خیال تھا اس نے اپنے کے بعد لب کے خیالات میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی جائے گی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے غم پات۔ بل

لب بھی لب کے لیے ایسے ہی خیالات رکھتی ہیں جیسے ہلر کے ہونٹوں کے لیے تھے۔"

"شرم کرے۔ اپنی لب کو ہلر کہہ رہا ہے۔"

زین نے گھر گھر شرم دلانی چاہی۔ وہ کچھ حینیا پھر کہنے لگا۔

"لو رہتا ہے انہوں نے میرے لیے لڑکی کن سی ڈھونڈی ہے۔ تعبیر۔ سونا کی۔ بن۔"

"پھر تو فوراً" لب جانا۔ جیسی سونا ہے فکی ہی اس کی۔ بن بھی ہوگی۔" زین نے یہ سختی مشورہ دیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا یار! کیا کروں۔" زین نے یہ باتیں بھیڑ کر اس کی بے چینی پھر سے بڑھا دی تھی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"ایک ہی حل ہے۔" زین نے اچانک کہا تو وہ غصہ کر اسے دیکھنے لگا۔

"اپنی بھابی سے اس بنگلے عامل کا ہاتھ لے لے جس سے انہوں نے حلد بھائی کو ملنے میں کرنے کے لیے تعویذ لیا تھا۔ تیرا مسئلہ یوں حل ہو جائے گا۔"

اس نے چنگی بھائی۔ ہادی چند لمحے تو اسے خشکیں نظروں سے گھورتا ہوا پھر کسف سے سر ہلاتے لگا۔

"تجھ جیسا ہے شرم انساں اس روئے زمین پر کوئی نہ ہو گا۔ لب مجھے یقین ہو چلا ہے۔ تو مجھے اپنی امان پر تعویذ گنڈے گولڈے کا کہہ رہا ہے۔"

"یہ تیری اپنی نیت کا تو ہے یار! میں تو تجھے تیرے کہی نہ ہونے والے سسرالیوں پر تعویذ گولڈے کا کہہ رہا ہوں تاکہ تیری وہ نام نہاد خالہ اپنی تمام اکڑاؤں اور غلطیوں پر ہی چھوڑ کر تیری امان سے معلق نہ گئے گئے شمل تیری بھابی کے لور رومی کا رشتہ خود لب کی حصول میں ڈال جائے۔" زین نے کالی بھیدی کی سے کہا تو وہ کچھ صحت میں پڑ گیا۔

"کیا واقعی۔۔۔ ایسی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔"

مطلب یہاں بھی کوئی تعویذ ہو سکتا ہے کیا؟

اس کے قریب آکر وہ اس بھرے لہجے میں پوچھنے لگا تھا کہ مگر جب زین نے ایک نوردار فقہ کا تلب لے لیا ہے تو وہ فقہ بننے کا احساس ہوا۔

"یار! تجھے تو رومی نے واقعی پاکل کر دیا ہے۔"

شرارت سے اسے دیکھا ہوا کہ رہا تھا۔

"آج تو میں تیری جان لے کر رہوں گا۔"

جار جانہ تیرے لیے اس کی جانب بڑھا۔

"ٹھیک ہے مگر اس سے پہلے کسی بنگلے پلا کا لٹہ رہیں صورت حاصل کر لے۔ جیل جانے سے بچت ہو جائے گی لب کے کسی چلے کی بدولت۔" زین کے ہاتھ تو موقع رکا تھا۔

وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹتا اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جان تھا لب نہ جانے کتنے عرصے تک زین اس بات پر اس کا ریکارڈ لگا رہا ہے گا۔

تعبیر کو رگ کالی دیر ہو گئی تھی۔ چونکہ بچوں کے احتمالات ہو رہے تھے اسی لیے اس پر کام کا ہاتھ بڑھ گیا تھا اور آج تو وہ اتنی تک لگی تھی کہ اس نے گھر پہنچتے ہی سونے کا سوچا تھا مگر اس کا یہ ارادہ مرا کا و مرا ہی رہ گیا جب اس نے امانی کو کچن میں گھڑے دیکھا۔

"امی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اور سونا کہاں ہے؟"

انہیں روٹیاں بنانے دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور سونا کی لاسو لکی پر غصہ بھی آیا۔ ابھی امی کی طبیعت پوری طرح ٹھیک تھی نہیں ہوئی تھی اور وہ کام کرنے لگھڑی ہو گئی تھیں۔

"سونا لو پوچھی ہے۔" انہوں نے آخری روٹی توڑے سے امار کہا شپاٹ میں رکھی۔

"تم یہاں کیل کھڑی ہو گئی ہو جلا! جا کر کپڑے تو بدل لو۔ تب تک سونا بھی آجائے گی۔" انہوں نے اسے کچن گئے روانے میں گھڑے دیکھا تو ٹپٹ کر بولیں۔

"سونا کو اوپر جلسے کی ضرورت ہی کیا تھی اور جانا ہی تھا تو کم از کم اپنا کام تو کر کے جاتی۔" اس سے اپنا غصہ نہیں چھپ رہا تھا۔

"اسے میں نے ہی سمجھا ہے میں نے سوچا تھا تم

فریش ہو کر آگئی تبھی ان کی عمر تھوڑی تھی تو تفتیش کرنے لگی کھڑی ہو گئی ہو۔ ان کے لیے میں بھرپور تیار تھی۔

”ہاں کی ہاں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ صبح ہاتھ روم میں سلپ ہو گئی تھیں۔ کتنی چوڑی تھی۔ میں دیکھنے لگی تھی انہیں سڈا کھانے تقریباً ”ایک ہفتہ کھس پڑے“ ریسٹ ہٹایا ہے۔ سب تم ہی تھوڑا ایسے میں کیا کریں گی بچاری۔ اسی عورت ہیں اور پھر عمر بھی کتنی ہو گئی ہے۔ ان کی تو کوئی بیٹی بھی نہیں ہے جو ان کی خدمت کر سکے۔ اب ہم بیوی ہیں۔ ہم کام نہیں آئیں گے تو اور کون آئے گا۔ اس لیے میں نے آتے ہی سونا کو لوہے بھیج دیا۔ اب تم کھانا کھاؤ تو تم بھی ہو آؤ۔“

انہی نے تفصیل بتائی تو اس کا دل ماسف سے بھر گیا۔ تھوڑی دیر میں سونا آگئی۔

”ان کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ تعبیر نے فکر سے پوچھا۔

”چوڑی کی شدت سے انہیں بخار چڑھ گیا ہے۔ ابھی جب میں آ رہی تھی تب ہی ہلائی۔ بھیا اداؤ ڈاکٹر کو لینے گئے تھے۔ اب تو شاید آگے آئے ہوں میں تو آنا بھی نہیں چاہ رہی تھی مگر آئی نے زبردستی بھیج دیا کہ صبح سے یہاں ہو، ٹھک گئی ہو۔ گی۔“ کہتے ہوئے وہ بیلہ پر بندھ اڑی ہوئی۔

تعبیر اٹھ کر کھینے کے سامنے آگئی ہوئی۔

”ویسے تو مجھے بہت چھکن ہو رہی ہے۔ نیند بھی بہت آ رہی ہے مگر میرا خیال ہے میں ابھی لوہے چلی جاؤں۔“ اپنی سرخ ہوئی آنکھوں اور پر مسوہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے پرسوج لیے میں کہا تو سونا بکھے پر گہنی نکا کر اسے دیکھنے لگی۔

”بالکل ٹھیک ہے تمہارا خیال۔ آئی کی طبیعت بہت غراب ہے اور۔۔۔ جو آج جو میں نے محسوس کیا تعبیر تو مجھے ہوں گا جیسے انہیں گھر کی دیکھ بھال کے لیے کسی بیلہ کی نہیں بلکہ ان کا بھی اچھا کرنے کے لیے ان کا خیال رکھنے کے لیے ایک بیٹی کی سی اپناہیت اور فکر مندی کی ضرورت ہے۔“

لاہل سی سونا کے منہ سے ایسی تھوڑی بات تعبیر کو حیران کر گئی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ اندر سے اتنی حساس ہو سکتی ہے۔

”ان کے بیٹے تو ہیں۔ ان کے لیے پریشان بھی بہت ہیں مگر بہت بڑا فرق ہو تا ہے بیٹے اور بیٹی میں اور آئی کو شاید آج یہ فرق کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا جیسی تو وہ بات بات پر اتنی دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔ میں نے ان کے گھر کا سارا کام تو دیکھ لیا تھا۔ مگر ایک بہت بڑی خرابی جو مجھ میں سے کہ میں بھی اپنے جذبات کا انہماک لفتوں میں نہیں کر سکتی۔ میں نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تعبیر میں نے ان سے یہ تک نہیں پوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔“

سونا متاسف بھی تھی اور غلام بھی۔ تعبیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

”تم بھی میں سونا پائل ہو بالکل۔ تم ان کی دیکھ بھال کے لیے ان کے گھر میں تھیں۔ اس سے بڑی ان کے لیے کیا بات ہو سکتی ہے۔“

”ہاں لیکن کبھی کبھی لپائی کا ہی انہماک بہت ضروری ہوتا ہے۔“ وہ اپنے ناشوں کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”خیر ابھی تم جا رہی ہو نا تو یہ۔“

”ہاں۔“ تعبیر نے اہت میں سہلاوا اور تھوڑی سی دیر میں وہ لوہے پر تھی۔



”سلاوا میں کچھ مدد کروں؟“ لیکن میں جھانکتے ہوئے اس نے کھل کر پڑ کر تے صلی کو مخاطب کیا۔

”وہاں آئی تو خالہ کے کمرے میں عیادت کے لیے تین چار رشتے دار خواتین کئی بیٹھی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر وہاں بیٹھی۔ خالہ کی طبیعت پوچھی۔ ایک۔۔۔ باتیں کہیں اور پھر لیکن میں جی کئی۔ جہاں موجود صلی اسے دیکھ کر حیران ہو گیا تھا۔“

تعبیر ان کے گھر بہت کم آئی تھی اور تب بھی صرف ڈرائنگ روم تک محدود رہی تھی۔ سونا کی طرح

بے تکلفی سے اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھا تھا۔ ”ایسا کر رہے تھے؟“ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے اپناہیت سے پوچھا۔

”جائے پائے کی کوشش کر رہا تھا۔“ صلی نے کچھ شرمندگی سے بتایا تو وہ چہرے سے مسکرا دی۔

”دور اصل لہل نے بھی ہم سے چائے ہوائی ہی نہیں۔ حالانکہ جس گھر میں ٹھکانہ ہو وہاں بہت سارے کام لڑکے ہی کرتے ہیں۔ مگر لہل نے کبھی ہمیں یہ عادت ہی نہیں ڈالی۔ وہ ہر کام خود کرتی تھیں اور اب جب وہ بیمار ہیں تو پتا چل رہا ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے چہرے پر برکھی ٹپکی کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں اس نے سب کچھ ایک ساتھ ہی ڈال دیا تھا۔

”اچھا! شوش ہٹاؤں۔“

دو گھنٹے بھرے لیے میں کہتے ہوئے اس نے ایک پتلی اٹھائی۔ صلی بیٹے پر ہاتھ باندھے سلیپ سے ٹپک لگا کر اسے دیکھنے لگا۔

”ویسے تو اس وقت ہمارے ہاں چائے کبھی نہیں بنتی۔ مگر آج بہت کچھ معطل سے ہٹ کے ہو رہا ہے۔“

”اچھا۔ مثلاً کیا کیا؟“ صلی کی پتلی گئی عجیب و غریب چائے کو چولے سے اتارتے ہوئے تعبیر نے اسے دکھا۔

”سب سے پہلے تو لہل پر کئی یہ اچھا تک مہیت۔“ صلی نے جتنا شروع کیا۔

”ویسے آج مجھے ایک بہت پتا چلی کہ آئی جی کلنی سوشل ہیں۔ سونا تار رہی تھی سارا دن انہیں دیکھنے کے لیے کھلے وار اور رشتے دار خواتین کا تانہا بندھا رہا اور بھی جی ان کے پاس چار خواتین کئی بیٹھی ہیں۔ ایک طرح سے اچھا ہی ہے ان کا دل بھلا رہے گا پتاری میں ڈاکٹر کچھ زیادہ ہی لڑ سٹریڈ ہو جاتا ہے۔“

”ان کا دل بیلے نہ بیلے۔ ہماری حالت ضرور سلی ہوئی رہے گی۔“ کیبنٹ سے ٹمکو کا پکٹ نکالتے ہوئے وہ اس کروٹ۔ تعبیر ٹھک گئی۔

”جیسے کیوں بول رہے ہو صلی!“

”حقیقت یہاں کر رہا ہوں۔“ اس نے کوئی اثر لیے بغیر کہا۔ ”صبح سے مجھے کتنے لوگ آئے ہیں اور سب کے لیے سونا آئی نے نچلنے کتنی بار چائے پتلی ہے۔ کتنی بار کولڈ ڈرنکس سوئیں۔ کتنے برتن جمع ہوئے ہیں اور کتنی بار دھلے ہیں اب میرے خدا۔۔۔“

”کوئی بہت نہیں صلی! جس گھر میں کوئی بیمار رہتا ہے تو عیادت کے لیے تو لوگ آتے ہی ہیں اور ان کی خاطر تواضع بھی کرنی پڑتی ہے۔“ وہ نرم کچے میں اسے سمجھاتے ہوئے بولی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہے۔ مگر ان کو کم از کم اتنا احساس تو ہونا چاہیے کہ ہمارے گھر میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ ہمیں اپنا کام کرنے میں اتنی دشواری ہو رہی ہے تو ان کی خاطر تواضع کون کرے گا۔ آپ کو پتا ہے صبح پچھو اور مہلی ایک ساتھ کئی تھیں۔ پچھو کی چار بیٹیاں ہیں اور مہلی کی تین گھرنیوں اسی کئی تھیں اور ہسلے شاید بیلے سے سوچ کے کئی تھیں۔ پچھو کے مطابق لٹا کے کالج ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ غلطی کو شام میں اپنے آتے والے سربراہوں کی خاطر عیادت کی تیاری کرتی تھی۔ شاید کہپاؤں میں اچانک صبح آگئی تھی۔“

”صلی ہے کہتے ہوئے اس نے سر جھٹکا تھا۔ تعبیر نے کچھ حیرت سے اس ستر سالہ جذباتی لڑکے کو دیکھا۔

”وہی وہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ چھوٹے چچا آ گئے اپنی فیملی سمیت اور ان سب کے لیے کھانے کا انتظام بچاری سونا آئی کو اکیلے کر پڑا۔ آپ ہی جلیے ان کے کھانے کے لیے رکتے کی کوئی تک بقی تھی۔ جبکہ وہ جانتے بھی ہیں کہ لہل بستر بڑی ہیں اور ہم میں سے تو کسی کو ایذا پہنچانا بھی نہیں آتا۔ خود تو ان میں سے کسی نے اتنی مدد بھی نہیں کی کہ اٹھ کر سلاوا دے دیتے۔ مجھے یقین ہے جتنا کام آج سونا آئی کو یہاں کرنا پڑا ہے۔ اتنا تو انہوں نے کبھی اپنے گھر میں بھی نہیں کیا ہو گا۔“

وہ پر خوش انداز میں بولتا جا رہا تھا اور پچھو روانے میں کھڑے ہادی کے اضطراب میں کئی گنا اضافہ ہو گیا

تھلا۔ کچھ دیر پہلے ہی کیا تھا مگر اس نے صفی کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ ہاتھوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ بے خیالی میں تعبیر کو دیکھے گی۔ جو میوٹن گھر کے لباس میں وہ پہنے بیٹھے سے اوڑھے جو لمبے کے سامنے اس طرح کھڑی تھی کہ ہادی کو نہیں دیکھا پاری تھی۔ وہ خود ہی اس کے حوجہ ہونے سے پہلے وہیں سے نکل کر چھت پر چلا آیا اور پانکٹ سے تل نکل کر رومی کو کل ملای۔

”جہیں یاد ہے کہ نہیں صبح میں نے جہیں کچھ بتایا تھا۔“ اس کے گل ریشہ کرتے ہی وہ اسے ہونے کا موقع دے بغیر تہہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔ رومی حیراں ہو گئی۔

”کیا ہادی۔۔۔ کلن سی بات کر رہے ہو؟“
 ”نہ تو معمولاتی بھول گئی ہو مجھے پہلے سے پتا تھا۔ جہیں یاد ہے بھی کیسے سکتا ہے۔ جہیں تو صرف اپنے مطلب کی باتیں یاد رہتی ہیں۔“
 ”مجھے لگتا ہے ہادی! تم کسی سے جھگڑا کر کے آ رہے ہو۔ ایسا کرو، جا کر وہ گلاس لٹھٹا پانی پیو اس کے بعد اگر مجھ سے بات کرنا۔“

وہ بھی رومی تھی۔ کیسے اس کا درشت لہجہ برداشت کر لیتی۔ اس لیے ٹھک سے فون بند کر دیا تھا۔ سرخ روتے چہرے کے ساتھ تل کو دیکھتے ہوئے اس نے جھشکل اسے دوبار پر دے مارنے کی خواہش کو دیا تھا۔ وہ اس کا رنگ مسمائل فون تھا رومی نہیں کہ اس پر اپنا قصہ انا لیتا۔



”یہ کہہ لے کیا کیا خالہ! میں تو سوچ رہا تھا آپ نے میرے لیے لڑکی ڈھونڈ لی ہوگی اور تب ہی میں نے تو ساری تیاریاں بھی کر لی تھیں۔ بس کارڈز چھپوانے کی کسر تھی اور آپ ہیں کہ یہاں بستر پکڑ کر بیٹھ گئی ہیں۔“
 یہ زمین کا مخصوص انداز تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔ نئی نئی جالب کی مصوفیت میں وہ کئی دن سے ہادی سے نہیں مل سکا تھا۔ آج جب اس سے ملا تو اس کی

زلفی خالہ کی بیماری کا سن کر فوراً ہی انہیں دیکھنے چلا گیا تھا۔ بستر پر نمودار خالہ چند دلوں میں ہی کالی کنوار ہو گئی تھیں۔ اس کی باتوں پر ہونے سے مسکرائیں۔
 ”کوئی لڑکی دیکھنا کون سا مشکل کام ہے یہ کام تو کل بستر بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتی ہیں۔ بلکہ کر رہی ہیں پچھلے چار دنوں سے۔“ معنی جو پاس ہی کر رہی پر بیضا سب کاٹ رہا تھا چپ نہ رہ سکا۔

”اچھا کون سی لڑکیوں؟“ زمین نے چوتھ کر دیکھی سے پوچھا۔

”رہنے دے۔۔۔ وہ ترے مطلب کی نہیں ہیں۔“
 ہادی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا تھا۔

”تو بتا زمین! اگر تجھے کوئی لڑکی پسند ہے تو میں بتا دوں گی اس کا ہاتھ ملانے چلی جاؤں گی۔“ لہلہ نے کہا تو ہادی حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

”کیا کہہ رہی ہیں لہلہ!“
 ”کیوں فارسی بولی ہے میں نے جو تجھے سمجھ میں نہیں آتی۔“ وہ بد مزہ ہو گئی۔

”خمس! لیکن فرق ضرور کیا ہے۔ مجھ پر تو اپنی مرضی ٹھوس دی اور زمین سے اس کی پسند پوچھ رہی ہیں۔ یہ نا انصافی کیوں؟“ اس کے انداز میں بھرپور احتجاج تھا۔
 ”کیوں بھائی! آپ نے کیا۔۔۔ او میری جانان، بلیا تھا۔“ ہادی کی بات پر صفی نے بے ساختہ پوچھا وہ سہلہ گیا۔

”جہیں امیرا مطلب میں تھا لیکن۔“
 زمین چٹنے لگا۔ ”ہاں یہ ہے سہلہ ست! کہ خالہ کو تیری پسند پہ اعتبار نہیں ہے۔ کیوں خالہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔“ زمین نے شرارت سے کہتے ہوئے ان سے بھی تائید چاہی۔

”اور میں تو کیا! ایسے بندے کی پسند کا بھروسہ بھی کیا کیا جا سکتا ہے جو میزوں تک میں تانہ اور ہاسی کا فرق نہیں کر سکتا۔“

”میری لور لڑکی میں بڑا فرق ہوتا ہے لہلہ!“ ہادی نے چپا کر الفاظ لڑا کیے۔ ”اور جو کہ آپ کو پسند آئی تھی میں اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے ہیں ہم۔“

”اور تب اسی طرح کا ایک نتیجہ بھگتتے کے لیے تو بی لہلہ کو طعنہ دے رہا ہے۔ شرم نئی چاہیے تھے۔“
 اس کی بات پر زمین ناگواری کا اظہار کیے جانہ رہ سکا۔
 ”جانتے دے زمین! یہ مجھے بس اس لڑکی کا پسند ہے جس کی وجہ سے آج یہ میرے منہ کو آ رہا ہے۔“ لہلہ پر قہر نہ تھیں کہ اس کے بگڑے تیوہوں سے کچھ غصہ ہو گیا۔

”کوئی نہیں ہے۔“ اس نے لہلہ پر انہیں۔
 ”تارے! اگر کوئی ہے تو۔“ زمین نے کر سی کی پشت سے ٹیک لگا کر معنی خیزی سے کہا تو۔ ”تھکوں ہی آنکھوں میں اس سے احتجاج کرنے لگا۔“

”السلام علیکم۔“ کمرے میں داخل ہوتے ہی ہوش انداز میں سلام کرتی سونا کی نظرس جب زمین پر نہیں تو آواز دہی ہو گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر سیدھا ہوا کر بیٹھ گیا تھا اور آنکھوں میں شوق کے کئی رنگ جھملا گئے۔

”اندرا کیے ہیں۔ اسٹیج پر کیل بن گئی ہیں۔“ معنی آواز سے دوا دازے میں جھوٹے کمرے میں اٹھا۔

”گھبرا کے مت۔“ یہ لہلہ نے زمین بھائی ہیں اور کسی جگہ سے ہاتھ نہیں آئے۔

”معنی! لہلہ نے تنہا ہی نظروں سے اسے گھورا تھا۔ جبکہ سونا گہری سانس سہتے ہوئے اندر چلی آئی۔
 ”پھر تو اسی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تمہارے بھائی ہیں تو میرے بھی بھائی ہیں ہوتے ہیں۔“

”میں بھلے لہجے میں کہتے ہوئے لہلہ کے پاس جا بیٹھی تھی۔ اس کی بات پر جھل زمین کے چہرے کا رنگ بد تھا وہیں ہادی نے جھشکل اپنے مقصد کا گلا گھونٹا۔

”کیسی طبیعت ہے خالہ آپ کی۔“ وہ ان کے پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

”میں مستقل اسے دیکھ رہا تھا۔ زرد رنگ کو کہ زمین کو کہی تھی کہ میں رہا تھا مگر اس وقت سونا کو زرد رنگ سے دیکھ کر اسے اس رنگ سے بھی شوق سا ہوتا محسوس ہوا۔

”معنی! یاد بھی ہے یا بھول گیا کہ تو چائے چڑھا کے

کیا ہے۔ وہ تو اعلیٰ تل کے سوکھ گئی ہوگی۔“ لہلہ نے یاد دلایا۔

”وہی دیکھنے کے لیے جا رہا تھا کہ آپ نے سبب کلنے کے لیے بٹھا لیا۔“ لہلہ کیا میں وہ کھڑی بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ آپ تو ایک صحن میں ہی بیٹھے اس طرح خریش کرنا چاہ رہی ہیں جیسے کوئی لڑکی سالوں کی تربیت کے بعد ہوئی ہے۔“

”نوشے لہجے میں کہتے ہوئے معنی اچھا خاصہ جھا گیا تھا۔

”تم رہنے دو صفی! میں دیکھ لیتی ہوں۔“ سونا جو پہلے ہی زمین کی موجودگی کے باعث جانے کے لیے کوئی بہانہ سوچ رہی تھی غور ”اٹھ کھڑی ہوئی پھر خالہ کے کسی اعتراض یا انکار سے پہلے ہی وہاں سے نکل کر کچن میں چلی آئی۔

”جا کر کہہ دے اپنے دل کا حال۔ موقع اچھا ہے۔“ ہادی نے اس کی طرف جھک کر دھیرے سے کہا تو وہ چونک گیا۔

”تھمکس! ر!“ وہ پُر جوش انداز میں اس کا ہاتھ دبا کر اٹھ گیا۔

”کیا آپ جانتی ہیں میں کھان ہوں؟“ سینے پر ہاتھ پاندھے وہ اس کے رنگش سر پہ کوٹھاؤں میں قید کرتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

”باگل۔“ اس کا دل بے ساختہ بول اٹھا۔ مگر دل کی آواز کو نظر انداز کر کے اس نے سادگی سے جواب دیا۔
 ”ہادی بھائی کے دوست۔“

زمین کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ ”پھر تو آپ بہت کم جانتی ہیں میرے بارے میں۔“

”میں جانتا بھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ وہ اصل پرانی کیفیت میں ایک کے بعد ایک اس کی تلی جلا رہی تھی۔

”لیکن مجھے تو ہے۔“ وہ اس کی گھبراہٹ سے مفلوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ”اور جب میں کسی کے لیے اپنے دل میں کچھ ایشو ٹنگا ہوں تو ہوس گرتا ہوں تو پھر بات میں اس سے شیر کیے بنا نہیں رہتا۔“

نظرت ہو یا محبت۔ "زین نے اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکا، جہاں لمحہ بھر میں حیرتیں سی پھیل گئی تھیں۔

"کپ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔ آپ کو مجھ سے نفرت ہے؟" وہ اس کی بات سمجھ کر بھی جھٹل سے کام لے رہی تھی۔ "زین ہنس پڑا۔

"ہاں! اتنی نفرت کہ میں ساری زندگی بطور سزا آپ کو خود پر مسلط کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے اتنی اچانک یہ بات کہی کہ سونا ششدر وہ گئی۔ اور خود کو سنبھالتے میں اسے کئی ہل لگ گئے۔

"ہتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے مجھے یہ جانے اندر لے کے جانی چاہیے۔" وہ رونا فرار اختیار کرنا چاہ رہی تھی مگر زین یہ موقع کھانے کے موڑ میں نہیں تھا۔

"ضرور لے کے جائیے لیکن اس سے پہلے اپنا جواب دینی چاہیے۔ مس جانے! "زین نے کالی نڈر دیا اس نام پر خود بخود ہی اسے دے چکا تھا۔

"کیا جواب بھی! آپ نے مجھ سے کون سا سوال پوچھا ہے۔" سونا اس بات پر حیران رہے بغیر کہ زین نے اسے کیا کہہ کر نکال دیا۔

"آپ نے مجھ کو کچھ جھٹل کر دیا تھا۔" وہ بھائی مت کہنے۔

"مجھے کوئی شوق بھی نہیں ہے آپ کو بھائی کہنے کا۔" اس کی گھبراہٹ اب جھجکا ہٹ میں بدلتے ہوئے گئی تھی۔

"پھر کیا کہنے کا شوق ہے۔" زین نے فوراً اس کی بات پکڑنے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

"اے خولہ خولہ! آپ تو کھیل ہوئے چلے جا رہے ہیں۔" سونا کو اس کے اظہار پر حیرت ہو رہی تھی۔

"خواد خولہ کیوں۔۔۔ جب میرا دل اٹھتے بیٹھتے سوتے جاتے آپ کے نام کی یاد چلتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا دل مجھے یاد نہ کرے۔" اس کا انداز اتنا برقی تھا کہ اس کا دل ڈالوں ڈول ہو گیا۔ وہ چند لمحے تو

کچھ بول نہ سکی۔

"مجھے لگتا ہے کپ پاگل ہو چکے ہیں۔ اپنا اعلان کرو لیجئے۔" جانے کی راہ اٹھ کر وہ اس کی طرف سے گریختہ ہوئی۔

بغیر اپنی بات کہہ کر ہر گھل گئی۔

"دو! تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ یہ بہترین موقع ہے کہ میں اہل کو ہتھیار لے کر کوئی کر سکتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر دوی کو فیل کر کے اس کی منت کر رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ فائدہ اٹھاؤ اس موقع سے مجھے کیا کہتے ہو۔" وہ ہمیشہ کی طرح اکھڑی ہوئی تھی۔ ہادی نے ایک گہری سانس لی۔

"دیکھو دوی! اہل کو بستر پر بڑے گنہگاروں میں سے ہے۔ خود سے کئی کام نہیں کر سکتیں۔ اور ہتا ہے۔ ہمیں یہ بھی کر رہی تھیں۔ اس دن آئی تھیں تو اب بھی آجائو۔ لڑا۔ نہیں ہنس دو تم جن کے لیے شاید جہیز اپنی سوتیلے پر غور کر لیں۔"

"آف! یہ خالہ کی طبیعت ٹھیک کیوں نہیں ہو جاتی۔" وہ جیسے عاجز آگئی۔ "تمہیں ہتا ہے ہادی! میں نے ان کے لیے کتنی رعایتیں کی ہیں۔" وہ سچی کہہ رہی تھی۔ اس نے ہادی کی لال کے لیے دعا میں ضرور کی تھی مگر اس لیے نہیں کہ اسے ان کی کوئی فکر تھی بلکہ اس لیے کہ ہادی ان کی شادواری کے لیے اسے جانے کی ضرورت تھی۔

"اچھا کیوں ہوں گی۔ مگر انہیں کسی ساری رعایت کا ہتا ہی چلے گا جب تم خود آ کے انہیں ہتاؤ گی۔" وہی تو تعبیر اور سونا آ کے ہر کام دیکھ رہی ہیں اور سچ کون تو میں ان کے سامنے بہت شرمندگی محسوس کرنے لگا ہوں۔"

"شرمندگی کیوں! پرہیزی جن کیا اتنی سی مدد بھی نہیں کر سکتے۔" وہ تپ گئی تھی۔

"اور تم تو ان کی سگی بھانجی ہو۔ جب تم ان کی دیکھ بھال کے لیے یہاں نہیں آ سکتیں تو ان سے یہ توقع

ہیہ رکھ سکتی ہو۔"

"تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے اس دنیا میں ان کی واحد جانچی میں ہی ہوں۔"

"خمس اور بھی ہیں مگر مجھے تو صرف تم سے مطلب ہے۔" اس کا لہجہ بھاری ہوا تھا۔ وہ چپ سی رہ گئی۔

"دیکھو ہادی۔۔۔ مجھے خالہ کی فکر ہے بلکہ تم سے زیادہ ہے مگر۔ میرے اگیز امز ہونے والے ہیں۔ میرے سرور ان کی بھی ٹینشن ہے۔ پھر میں اسی سے کیا کہوں گی۔ اگر خالہ خفا ہیں تو کم ہراس ہی بھی نہیں ہیں۔ میں اتنا بھی چاہوں تو وہ کہاں آئے ویں گی۔ مجھے دلوں جب اسی پیار پڑی تھیں تب خالہ کی بھی نہیں دیکھنے میں آئی تھیں۔"

"تو تم نہیں آؤ گی۔" اس کی باتوں سے ہادی نے بھی نتیجہ اخذ کیا۔

"کو خوش کروں گی۔ مجھے لگتا ہے آپ ہی بل رہی ہیں مجھے۔ میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ ٹھیک ہے۔"

اس نے ہادی کی مزید کوئی بات سننے بغیر فون بند کر دیا۔ ہونٹ کانٹے ہوئے اس نے فون کو دکھا بھر گھٹے گئے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"شاید زین ٹھیک کہتا ہے۔ میں واقعی اپنا وقت ملانے کو رہا ہوں اور شاید اپنے جذبات بھی۔" ہادیوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے اس نے پامیت سے سوچا تھا۔ یہی مل صنفی نے اندر جھانکا۔

"بھائی! آپ کو لال بل رہی ہیں۔"

"کچھ چوک گیا۔" کیا کہہ رہی ہیں۔"

"ہتا نہیں۔۔۔ مجھے تو نہیں بتایا۔" صنفی نے لہجے سے کھسکے لپکا کر۔

"جلدی آئیے گا۔ میں باہر جا رہا ہوں اسی لیے وہاں نہیں آؤں گا۔" یہاں ہر اہل انتظار کرتی رہیں۔

"خود کپ بھول ہی جائیں۔" وہ تاکید کرنا لگا تو اس نے بھی سواٹل کرے میں ہی چھوڑ کر لال کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ سچ کے دوائے کھارہی تھیں۔ اسے دیکھتے

ہی ہوتے ہیں۔

"کہاں تھا تو۔۔۔ صبح سے ایک بار بھی یہاں جھانک کے نہیں گیا۔ ابھی بھی صنفی سے کہہ کر مجھے بلانا پڑا ہے۔" وہ ناراضی سے دریافت کر رہی تھیں۔ ہادی بوم سا ہو گیا۔

"سوری لال۔۔۔ اسٹور میں ہی رہا آج سارا دن۔ کپ بتائیے وہ لال کی آپ نے۔" سائیڈ ٹیبل پر پڑی وہ اپنی چپک کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں! لے لی تھی۔ مجھے میں نے اس لیے نہیں بلایا۔" وہ بھاری ہو گئیں۔ "تو یہ بتاتو نے کیا سوچا؟"

"کس بارے میں؟" ہادی نے حیران ہو کر انہیں دیکھا تو ان کے چہرے پر پھٹائی برہمی کو دیکھ کر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے۔ مجھے کیا سوچنا تھا جو آپ یوں پوچھ رہی ہیں۔"

"شہناش ہے ہادی! یہ قدر ہے میرے دل میں اس کی کہ مجھے اب میری کئی باتیں بھی یاد نہیں اور میں میں پھل اس انتظار میں تھی ہوں کہ تو مجھے اپنا جواب دے تو میں میری کئی بات سن کر۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ اور وہ ان کی بات سننے ہی مضطرب سا لگتا پھٹنے لگا۔

"مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا سا وقت اوو دے دیجئے۔" اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے سچی لہجے میں کہا۔ "میں اگلے ہفتے آپ کو سچی جواب دے دوں گا پتا۔"

"تو کھیلے دس دن سے تو کیا جھک رہا تھا۔" انہیں غصہ آیا۔

"میں نے تجھ سے کہا بھی تھا ہادی! میں اب مزید دیر نہیں کرنے کی۔ یہ تو اگر میں بستر پر نہ پڑی ہوتی تو تیری ہل یا نہ۔" سنے بغیر کب کا رشتہ ڈال آئی۔ تجھ سے تو وہ زین اچھا ہے۔ سگا نہیں ہے مگر کہہ دیا ہے تو کب چٹانیں کے دکھا دیا ہے۔ میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی اور اس نے کچھ سارا اختیار مجھے سونپ دیا اور جاتا ہے جب میں نے سونا کے بارے میں اس کی

رائے پور بھی تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ آپ جہاں چاہیں رہتے رہیں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے اور ایک تو ہے کہ میں کہہ کی کوئی عزت ہی نہیں۔
وہ کہے جارہی تھیں اور ہادی اس کے اطمینان پر منہ کھولے کھوپکا بیٹھا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ذہن نے کہا تھا آپ سے؟“
خاموش ہو گئیں تو اسے پوچھنے کا خیال آیا۔
”ہاں تو اور کس نے کہا۔“ وہ تھکی سے بولیں تو ہادی ان کے ہونہیں پر جھلا اٹھا۔

”آپ نہیں جانتیں اہل! کتنا گھٹا ہے۔“ اس سمجھ میں نہیں آیا کیسے انہیں ذہن کی فریاد داری کی اصلیت سے واقف کرے۔

”تو تو جیسے بڑا سہولہ ہے میں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا ہادی تو کس پہ چلا گیا ہے۔ کہاں آج آپ ہے شرم اپنی۔“ اہل آج بڑے غضبناک مہذب تھیں۔
”اپنی اہل!“ وہ جھنجھلا کر بولا۔ ”آپ جتنا مرضی مجھے برا بھلا کہہ لیں لیکن میں اس طرح جلد بازی میں بنا سوچے بگھے اپنی زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے ذہن کا رشتہ آپ کر سکتی ہیں مگر میرا نہیں۔ میں ابھی تیار نہیں ہوں۔“

وہ خاصی بد تمیزی کا مظاہرہ کر کے باہر آگیا۔ اہل کے تاثرات پر اس نے جان بوجھ کر نگاہ نہیں ڈالی کہ کہیں وہ کمزور نہ کر ان کے سامنے ہادی نہ ملے۔ ابھی تو اسے اپنی محبت کی ڈھٹی ٹانگوں کو پچانے کی ایک کوشش اور کرنی تھی۔



”کیا آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟“ یہ آواز اسے بالکل پاس سے سنائی دی تھی۔ پھر اس کے کان بجے تھے مگر بے حد گڑبڑا کر اپنے اندر گود دیکھتے ہوئے وہ پاس بیٹھی تعبیر کر رہی تھی۔

”سونا! کیا ہوا؟“ تعبیر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
”کچھ نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پھر

سے کتاب پر نظریں جمائیں۔
”تم اتنی ڈسٹرب کیوں ہو؟“ تعبیر نے فکر سے سوال کیا مگر اس کا دل کہیں اور ہی جھنگ رہا تھا۔ کیلک اس وقت بھی بھنبھاد کر رہا ہو گا۔

وہ پچھلے دنوں سے شعوری مٹا شعوری طور پر ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کے کئی کام بند تھے۔ کئی باتیں بھولی تھیں۔ کئی چیزیں اٹل تھیں اور نبھانے کتنی ہی بار وہ تعبیر کو اپنی اس نائب دہائی کے پاس اہل جانب حوجہ کر چکی تھی۔ یہ الگ بات کہ اس نے کچھ کہا نہیں تھا مگر اسے وہ بھی تشویش کا شکار ہو گئی تھی۔

”کیا بات ہے سونا! اپنی پریشان لگ رہی ہو۔“
”کوئی بات نہیں۔“ اسے دیکھ رہی تھی۔ سونے ایک نظر اسے دیکھا پھر کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔
”میں میں پریشان نہیں ہوں۔“ تھیں وہ ہم ہوا ہے۔“

”چلو پریشان نہ سہی مگر کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔“
تعبیر نے اپنی بات پر زور دیا۔

وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی اور وہی کر سکتی تھی کہ اس وقت وہ اندر دینی طور پر بہت زیادہ اٹھی ہوئی تھی۔ شاید وہ تعبیر کو مطمئن کرنے کے بجائے مزید مشکوک کر دیتی۔ اس لیے اس نے بیٹھے ہوئے چادر تان لی۔

”مجھے غیظ آ رہی ہے تعبیر! اسٹ۔“ کہہ کر پلیر۔“

تعبیر کا کاسی نہ گئی۔ ”جیسے اپنی جلدی غیظ تو نہیں آئی سونا!“

”آف! کتنی تفتیش کر رہی ہو تم۔ کیا چاہتی ہو میں اسی کے کمرے میں جا کے سو جاؤں؟“

وہ ہلکی طرح چپکلی تھی۔ تعبیر کی آنکھوں میں پھیلتی بے نیکی دیکھ کر اس نے سر بھی پھیر لیا۔
”سونا! تمہیں مجھے بتانا پڑے گا۔ بات کیا ہے۔“
تعبیر نے غصے سے کہنے ہوئے اسے جھنجھوڑا اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو اسے تھوڑے تھوڑے اسے

نمود رہی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ گیا۔
”تم ذہن کو جانتی ہو۔“ دل کی بڑھتی بے قراری نے کہا کہ اس نے تعبیر سے دل کا حال کہنے کا فیصلہ کر لیا۔
”تعبیر تو یہ سنتے ہی اچھل پڑی۔“

”ذہن۔۔۔ یہ کون ہے۔“ اس نے سوچا بھی نہیں۔
”سونا! اس گم سم کیفیت کے پیچھے وجہ کوئی لڑکا ہے۔“

اس کے سوال پر سونے نے سب کچھ بتا دیا۔
”نہیں تمہارے اس کی باتوں پر یقین تو نہیں کر لیا؟“
اسی خدشے کے پیش نظر تعبیر نے بے تک سے لہجے پر جھانکا۔ اس نے نظریں چرائیں۔

”میں یقین نہیں کرنا چاہتی لیکن میرے ذہن سے کچھ بھی نہیں رہا۔“ میں اسے سوچنا نہیں چاہتی تعبیر!
”میں اسے اپنے ذہن سے جھٹک بھی نہیں پاری۔“
”کیوں؟“ بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے تھے۔

”اگل ہو تم۔“ اس کا ہاتھ تھا جسے ہوئے تعبیر نے لٹک کر کہا۔ ”اس بات کو اتنا سرور سوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر لڑکی کو زندگی میں ایسی صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے۔ راتوں کو کئی بھی ہم سے ایسی بات کہہ دیتا ہے۔“ اس کے لیے اپنی غیبتیں اڑا لیں گے۔
”یہ برا سرور ہوئی ہوگی۔“

”وہ راتوں میں نہیں ہے۔“ تعبیر کی اس بات پر وہ اسے ٹھکے بیٹانہ نہ سکی۔ تعبیر نے چونک کر اسے دیکھا تو قہقہے مچا دی۔

”وہ شخص واقعی میریس ہے تو زبانی کھائی اظہار۔“
”جھلے علی قدم اٹھائے گا اور اگر اس نے ایسا کر لیا تو مجھ پر کیا ہوگا؟“ وہ واقعی کوئی راتوں میں چلائی تھا جو پہلے سمجھنے سے سامنے آیا اور گزر گیا۔

تعبیر نے گہری سوجھ بوجھ سے اپنی بات کہہ کر اس کے دل کا جان لیا تھا۔ سونا کی آنکھوں میں عجیب سی ہمت ابھرنی لگی تھی۔

”سب سو جاؤ۔ مجھے امید ہے جس میں ابھی غیظ آئے گی۔“ وہ اس کا رخسار تھپتھا کر اٹھ گئی تھی۔



”کہیں مرا ہوا تھا تو۔“ تیرا موبائل بھی آف تھا۔
وہ ذہن سے ملنے اس کے گرجا رہا تھا کہ وہ راتے میں ہی مل گیا۔
”یار! دیکھا تو تھا پتھ۔“ وہی گھڑا پھڑ۔ بھلائی لوگ شفٹ کر رہے ہیں۔“

ذہن کے بھلائی اپنے اپنے حصے الگ کرنے کے بعد اب اس گھر سے شفٹ ہو رہے تھے جو ذہن کی خواہش پر اس کے حصے میں آیا تھا۔

”صبح بھلائی کو چھوڑ کے۔“ ہادی چونک گیا۔
”کیوں؟“ نہیں سارے؟“ وہ دونوں ملنے ہوئے اسٹور کی سمت چلے گئے۔

”نہیں۔“ انہوں نے مستقل لاہور شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھابھی کا میکا بھی وہیں ہے اور فی الحال بچوں کے ایڈمز امر ہو رہے ہیں تو یہاں ٹھہرے رہنا ان کی مجبوری ہے۔“ اس نے بات کرتے ہوئے ہادی کی طرف دیکھا جو آٹکائی ہوئی نظروں سے لوہروں کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔ یہ تو نے پوچھی کیوں نہ تھا! ہوئی ہے۔“ کہیں روٹی سے پھر بھڑکی تو نہیں دکھا دی۔“

”ہری بھڑکی تو لب میں اسے دکھانے والا ہوں۔“ اس نے ہونٹ پیچھے تھے۔
”چلو دیر آید ورسٹ آید۔“ تجھے حائل تو کئی۔“

ذہن نے جیسے کھن پر سے کہیں اڑائی تھی۔
”میرا تو خیال تھا تو یہ خبر سنی خوشی سے بھگتا ڈالے گا۔“ ہادی نے طنز لہجے میں کہا تو ہنس کر اڑا۔
”کہیں تو نے کیا مجھے میری شادی کی خبر سنائی ہے؟“
”شادی سے پاؤ آید۔“ تیری تو سن کی مراد پوری ہوئے والی ہے۔“ ہادی غہر کر اسے دیکھنے لگا۔
”دیکھ لے۔“ اس نے بے نیازی سے کندھے

اچکائے۔ "حیت صاف معلوم نہیں۔"

"کیوں میری نیت میں کوئی کھوٹ ہے؟" زین کی ایسی باتیں پیش اسے غصہ دلا دیا کرتی تھیں۔
"رہی کے لیے نہ سہی۔ اپنی ماں کی آنکھوں میں تو وحول جھوکی ہے نا تو نے۔" زین نے جتنا کہنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کا چہرہ بھرا گیا۔

"پیارا میری زندگی کسی قسم پر اسے کی طرح آسان کیوں نہیں ہے۔" اس کا جواب سب سے بڑی سے بھرا تھا۔
"تجھ سے یہ کس نے کہا میرے بھولے بوشلا! کہ ظہور میں سب آسانی سے ہو جاتا ہے۔ جب تک گولیاں نہ چلیں، خدا خدا کی آواز میں نہ آواز دے دو۔ چند روز بعد سے پھر کائے نہ جائیں تب تک تو بیوی اور ایوون بھی نہیں ملتے۔"

"لیکن اینڈ تو یہی ہوتا ہے۔"

"تیری لواستوری کا اینڈ بھی ایسی ہو گا۔ میری یہ بات لکھ کر رکھ لے۔" زین نے سلی آمیز انداز میں اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔

"میں رومی سے ملنے جا رہا ہوں۔" سامنے آئے پھر کوٹھو کر اس نے دور اڑا دیا تھا۔

"ہری جھنڈی رکھنے؟" زین نے بے ساختہ پوچھا تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"نہیں سمجھ! آخری بار ملنے جا رہا ہوں۔"

"جہاں یا رہے تھے نواز حلوئی کی دکان سے ٹھنڈی میٹھی لسی پلاؤں۔ جلتے جلتے تھل کو خاصا سکون ملے گا۔" تجھے دیر ہو رہی ہے۔ میں تو تجھے صرف یہ بتا لے آیا تھا کہ لال نے جیسے بلوایا ہے۔ سونا کی امی تجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کیا۔ تو نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔" زین اس کی بات پر اتنا پر جوش ہوا کہ سچ سچ اس کے سامنے کھڑے ہو کر دریا فٹ کر لے لگا۔ لال نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر جیسے اتنی کہ جا کاڑی کو۔
"سامنے ہو جا" اس سے پہلے کہ تیرا یہ شریف و مسکین بھائی مجھے میں وہ لیتاں جھڑ کر سونگے گھر کے

جلانے اسپتال پہنچا دے۔" زین منہ بنا کر ایک طرف ہول۔

"اجی مخموس زبان سے کبھی کوئی دستک کی یاد بھی نکال لیا کہ خواجوا تیرے ساتھ میل تک اُپر میں جا رہا ہوں۔"

"والہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا مطلب۔۔۔ اس حال میں اس کے سامنے جاؤں گا تو تو چہہ ہاتھنے والا سمجھ کر دو واہ میرے نہ رہی دے ماریں گی۔" زین نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"مجھے تو ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہا ہے۔ خیر خیر مرضی۔ میں رومی سے ملنے جا رہا ہوں۔ شام میں رہا ہوں۔" وہ لکھتا ہوں پھر دھڑکا۔ "یہاں سے باہر چلا آؤ۔" آخری بات کرتے ہوئے وہ زبردست لب مسکرایا۔

"تو جب رہے تو زیادہ اچھا لگتا ہے۔" زین نہ بگا اور اس کی مسکراہٹ اسی میں بدل گئی تھی۔



وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں ہاتھوں پر نظریں جمائے اپنی زندگی میں کئے والی اس اچانک تبدیلی پر سوچ رہی تھی۔ کل تک اس کا دل عجیب سی خدشہ لورہا ہوں کے بیچ گھرا ہوا تھا اور لب اس قدر سکون اور مطمئن ہو گیا تھا جیسے بیٹھے بٹھائے دنیا عمر کی دوان پالی ہو۔ ابھی تین دن پہلے ہی ہی نے ان کے کپ میں آریہ حیرت انگیز خورشالی تھی۔

"سکینہ! اپنے منہ بولے بیٹے کے لیے سنا کارڈ مانگ رہی ہیں۔ ویسے تو یہ بات اصول ہے مجھ سے بہت دن پہلے کی تھی لیکن میں حیرت میں۔ اگر بہت

ہلکی کی ہوتی تو میں سوچ بھی لیتی کہ وہ بہت اچھا لڑکا اور چند میٹھوں میں ہی میں اسے اچھی طرح پہچانے ہوں مگر ایک ایسا لڑکا جس سے نہ ملی ہوں۔ نہ مجھے اس کا گھر دکھا ہے اور نہ ہی مجھے یہ پتا ہے کہ اس کا خاندان کیا ہے۔ میں کیسے ہائی بھر لیتی میں نے جب

میں کی سب کمال اسی لیے وہ دن پہلے زین کی بھی تکی تھیں۔ کلنی بچہ دار اور سلجی ہوئی خاتون تھیں مجھے تو۔ اور بلی نسل آج زین سے مل کر پوری ہو گئی۔ بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ پر بھلا لکھا ہے اور کچھ دیر پہلے ہی بہت اچھی پوسٹ پر اس کی جانب تھی۔ لپٹا گھر ہے اور اس میں سونے کا بھی کوئی جھنجھٹ نہیں۔ اب تو میں شکر کر رہی ہوں کہ بتا سوچے سمجھے میں نے انکار نہیں کر دیا۔"

ای کہ رہی تھیں اور تعبیر مسکراتے ہوئے ہاتھ جلد بیٹھی سونا کو دیکھ رہی تھی۔

"تو بلی مری کہنے؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں! سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔ ابھی سونا پر مری تو جہاں لڑ۔" انہوں نے سونا کی طرف دیکھا تو آج سر جھکائے انگلیاں مسلنے لگی تھی۔

"میں جانتی ہوں سونا! تمہارے لیے یہ سب بہت مددگار اچانک ہو گا۔ مگر جو اللہ کو منظور۔ زین کی حاجی کہہ رہی تھیں، انہیں اور شفقت ہونا ہے اس لیے وہ جاننے سے پہلے منگنی کی رسم کرنا چاہتی ہیں۔ لہذا ان سے کہہ دوں گی۔ منگنی وہ جب بھی کریں مگر ٹھیک تہی ہو کر جب تعبیر کی شادی ہوگی۔"

"میں کی ضرورت نہیں ہے امی!" تعبیر اٹھ کر مل کے پاس آئی۔ "بے شک وہ سادہ کی ڈیٹ مانگیں۔" تب سے دیکھنے لگا۔ "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر نے ہوئے اٹھ گئیں۔ تعبیر سونا کو شرارتی نظروں سے دیکھنے لگی۔



"لال! میں چاہتا ہوں۔ آپ تعبیر کی امی سے رشتے میں کر لیں۔"

لال اس وقت کچن میں تھیں۔ اب وہ کلنی مدد تک پہنچ کر گئے لگی تھیں۔ اس وقت مٹر چھیننے چھیننے سے ہاتھ رکے اور انہوں نے پر سوچ لکھوں سے سے دیکھ جو دروازے میں کلنی دو ٹوک انداز لے

کھڑا تھا۔

"لیکن اس دن تو تو نے مجھے صاف منع کر دیا تھا!"
"میں نے صاف منع نہیں کیا تھا۔ میں نے بس سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا اور لب میں سوچ چکا ہوں۔"

وہ انہیں اپنی رضامندی دے کر وہاں سے چلا آیا مگر آتے ہوئے اس نے لال کے ہونٹوں پر بے اختیار لالہ لے والی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ وہ خود بھی ہلکا ہلکا ہو گیا۔

اس نے کبھی اتنی آسانی سے رومی سے دست بردار ہونے کے بارے میں نہیں سوچا تھا مگر آج اس کے اس فیصلے کے پیچھے سب سے بڑی وجہ خود رومی ہی تھی۔

اس دن لالہ رومی سے ملنے بھائی کے گھر گیا تھا کیونکہ وہ چھپنے ایک ہفتے سے وہیں مقیم تھی۔ اب یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اسے یہی گیت کھلا ملا۔ وہ ذرا تنگ دم کی طرف آیا تھا مگر اندر داخل ہونے سے پہلے ہی اسے محسوس ہوا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا یہ لالہ آخر مجھ سے چاہتا کیا ہے۔ اگر اس کی ماں بھارے تو کیا میں کوئی رس ہوں۔ میں نے ان کی تیار داری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔"

رومی کی خیمے بھری تو اس کے حواس جلد کر گئی۔ وہ اہل کا کر اسے تنفر سے کر رہی تھی جیسے وہ اس کی خالہ ہیں اس کی کوئی دشمن ہو۔

"میں نے صرف لالہ سے پکار کیا ہے۔ میں صرف اس کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں جیسے آپ گزار رہی ہیں صرف بھائی کے ساتھ۔ صرف اور صرف ایک دو سرے کے سنگ نور لالہ تو ابھی سے مجھ سے اپنی ماں کی خدمتیں کو اتنا چاہ رہا ہے۔ سلازمہ بتانا چاہتا ہے مجھے ان کی۔ میں نے کبھی سسرالی بکھیڑوں میں نہ لگنے کا نہیں سوچا اور پھر خالہ جیسی عورت نہیں بھڑکنے کے لیے کسی ہمارے کی بھی ضرورت نہیں

ہوئی۔ اور میں تو ان کے خاص نشانے پر ہوں گی۔
آپ کی بہن جو تھری۔

”تم تو بالکل بالکل ہو رہی! بھابی نے ناگواری کا
اظہار کرتے ہوئے اسے گھر کا تھلا۔

”وہ تمہیں اپنی ماں کی ملازمہ نہیں بنانا چاہتا۔ تو
انہیں راضی کرنے کے لیے تمہیں تھوڑا سا جھکے کو
کہہ دیا ہے اور اتنا تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ اگر میں
حلقہ کے ساتھ اپنی ایک راجد حلقی بنائے بیٹھی ہوں تو یہ
سب آسانی سے نہیں ہوا۔ اس کے لیے مجھے کافی پیار
نیٹے پڑے ہیں۔ جیسا اکثر کن ہادی دکھائی دیتا ہے جس
سے کہیں زیادہ حلقہ تھلا کر دیکھ لو آج مجھ سے پوچھو
بغیر ماں سے ملنے تک نہیں جانا اور تمہیں تو صرف اپنا
مطلب حاصل کرنا ہے۔ ایک بار تم ہادی کی بیوی بن
جاؤ پھر اسے لے کر الگ ہونے میں سال بھر بھی مت
ایک گرا بھی تو تمہیں کچھ دکھائی ہوگی۔ تھوڑا خوشگد
سے کام لینا ہو گا۔ کہتے ہیں ماں مطلب پڑنے پر
گدھے کو بھی باپ بٹھارتا ہے۔“

اس کے تین من میں اشتعال کی ایک چیز لہرائی
تھی۔ اس کا دل چاہا ”ابھی اندر جا کر ان دونوں کو ان کی
اوقات کھلو۔“

”آپ نہیں جانتیں آئی! ہادی حلقہ حلقی کی طرح
نہیں ہے۔ یاد نہیں ہے آپ کو اس دن اپنی ماں کے
لیے اس نے کیسے پل بھر میں مجھے ہلکا کر دیا تھا۔“ اس
کے لہجے میں شکایت تھی۔

”یہ سارے موڈ ایک جیسے ہوتے ہیں رادی الود یہ
ہادی بھی کوئی دورہ کا دھلا نہیں ہے۔ ماں کی محبت کا
بخار بھی اسے کبھی کبھار ہی چڑھتا ہے۔ بس۔ ان سے
چوری چھپے تم سے ملنا ہے۔ نیار جتا ہے۔ تمہا نف دیتا
ہے۔ کیا اس کے بعد بھی تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوا کہ
اسے ملنے میں کرنے کے لیے تمہیں زیادہ محنت نہیں
کرنی پڑے گی۔ تم بس وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔
انہوں نے قطعی لہجے میں کہا تھلا وہ یہ سب سننے
کے بعد اٹنے قدم سے الہر ہوت کیا۔

اسے ہے۔ یعنی نہیں تھی۔ کیونکہ آج ہادی
انکشتات اس پر ہوئے تھوڑے غیر متوقع بھی نہیں
تھے مگر بقول زین یہ اس کی محبت کا حد سے بچا ہوا
اندھا بین ہی تھا کہ اسے بھی کچھ نظر نہیں آیا۔ اگر ان
جب آنکھیں کھلیں تو اسے صدمہ نہیں ہو رہا تھا
فصہ آ رہا تھا اپنے آپ پر اسے یہ خوف بہنے پر سول
چو رہا تھا سب کچھ تس تس کر کے رکھ دے اور ہار
اس نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ محبت کے نام پر اپنی پوری زندگی رادی میں
غرض لڑکی کے لیے چاہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی اب
اپنی ماں کے لیے اس کے نظریات انگیز خیالات جاننے
کے بعد وہ اس کے ساتھ زندگی گزار سکتا تھا۔ کیونکہ
جو بھی تھا جیسا بھی تھا مگر اپنی ماں کے لیے اس کی محبت
دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر تھی اور وہ انہیں کسی کے لیے
نہیں چھوڑ سکتا تھا۔



”لوئے میرے پار! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“ زین
اس اچانک گلیا پلٹ پر حیران و پریشان سا اس سے پوچھ
رہا تھا اس نے اپنی ہنجرکٹ چھپائی۔

”بس پار! سوچا کچھ جیسے خبیث انسان سے مرل
ہو سکی ہی کئی نہیں مشتے داری بھی۔ مٹی پڑے گی۔ سو
تیرا ہم زلف خنے کا آئیڈیا سوچ کر گیا۔“
زین چند لمحوں کو جی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا
پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”کر لے ہو شکاری مگر مجھ سے نہیں چھپا سکتا۔“
”اچھا کیا چھپا رہا ہوں میں؟“ ہادی نے اسے ٹھہرا

”جی کہ انکو رکھنے لگے۔ خیر! جانے دے۔ میں تم
سے خیرے ناکام۔ عشق کی وجہ نہیں پوچھوں گا
تا آگے کیا جان ہے؟“

”مجھے تعبیر سے ایک بار بات کرنی ہے۔“ اس
بتایا تو چونک گیا۔

"تمہیک ہے ضرور کر مرغدا کے لیے نہ مت اچھی لڑکی ہے۔ اس کے سامنے سچائی کا ملبور بننے مت کھڑے ہو جانا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے سامنے اپنی پہلی محبت کا قصہ چھیڑنے کی۔" ذہن نے بے حد تجویز کی اسے اسے سمجھا تھا۔ پتا نہیں وہ سمجھایا نہیں مگر بات میں سر ضرور ہلا دیا تھا۔

"مجھے آپ کا اس طرح حماقت کے لیے اصرار کرنا سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میں منع بھی کر سکتی ہوں۔"

وہ ہمت کے ایک ستون سے ٹک لگائے بیٹھے ہاتھ ہاتھ سے کچھ جڑیوں سے کچھ میں پوچھ رہی تھی۔ سر پر کادلت تھا مگر موسم کُلل خوشگوار تھا۔ آسمان پر سورج اور ہلال کی آنکھ بچھلی ماری تھی۔ کھڑکیوں کی صورت چھپنے ہوئے ہلالوں کا کوئی ٹکڑا جب سورج کے سامنے آتا تو شام کا سماں لگے لگتا۔ وہ بھی دیکھی سبک رہا ہوا ہے نیش کا باسا احساس بھی ختم کر دیتا تھا۔

"سوچا تھا جین پھر خیال کیا کہ آپ اپنے ذہن کو لوہر دھر بھٹکانے کے بجائے سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اتنا سوچیں گی کہ اگر میں آپ سے منا ہوا ہوں تو حقیتاً کوئی اہم بات ہوگی۔"

سر ہلاتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔ "آپ کو میری سمجھ داری کا اتنا تعین کیوں تھا۔ ملک و قومی کا مظاہرہ بھی تو کر سکتی تھی۔"

اس کی بات پر ہلکی کو اندازہ ہوا کہ وہ کلنی پر اچھوڑی تھی۔ سنا کہ ان کے بیچ جو رشتہ بننے جا رہا تھا اس حوالے سے تعبیر کے انداز میں تھوڑی جھجک تو ہونی چاہیے تھی مگر وہ اس سے وہ بالکل نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ جبکہ خود وہ صحت منور ہوئے دکھتے۔

"دیکھیے تعبیر ہمارے درمیان کسی بھی بات حیت نہیں ہوئی۔ ہم زیادہ ملے بھی نہیں ہیں مگر اس کے

باوجود میں لگا ضرور جانتا ہوں کہ آپ ایک بہت اچھی لڑکی ہیں اور اسی لیے میں ایک بات آپ کے سامنے لکیر کرنا چاہتا ہوں۔" وہ رک رک کر بلا تھک تعبیر کچھ سیدھی ہو کر ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اللہ نے یہ رشتہ میری عمر ہی سے کیا ہے اور میں اس سے خوش بھی ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں آپ سے پیار نہیں کر رہی۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ آخر کدھی ڈالا۔ "بس اتنی سی بات۔ یہی کہنا تھا آپ کو؟" وہ اس سے تھوڑی چھوڑی تھی۔ ہلکی ہانکا سا دھمک گیا۔ اسے ایک لمحہ بھی امید نہیں تھی کہ اسے اتنی سی بات بھی قرار دے سکتی ہے۔

"آپ کو سن کر افسوس نہیں ہوا؟" وہ عجیب سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"اگر میرے لیے یہ بات افسوس کہنے والی ہے تو پھر۔۔۔" اس نے آپ کو بھی ہونا چاہیے۔

"یہ کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔" ہلکی مزہ ادا کیا۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔ میں بھی آپ سے پیار نہیں کرتی۔" وہ تجویز کی سے کہہ رہی تھی۔ "کیونکہ میرے لیے یہ کوئی بڑا البتو نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے خود کہا کہ ہمارے بیچ ڈھنگ سے کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تو ظاہر ہے۔ وہ ایسے فرق جس میں کوئی باہمی ربط نہ رہا ہو۔ جن میں کبھی دوستی نہ رہی ہو۔ جن کے درمیان سلام دعا سے ہٹ کر کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اچانک ہی ایک نئے رشتے میں بندھ جانے کے بعد یکدم سے ان کے درمیان پورا آجی نہیں سکتا۔ یہ کوئی جلد ہے نہ انتہائی ہمدردی سے رشتے کی بنیاد انھیں خلوص اور اعتماد پر ہوئی چاہیے۔ پھر تو ہوتے ہوتے ہو ہی جاتا ہے۔" اس کی توجہ دیکھی ہوئی تھی۔ ہلکی ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"میرے پاس آپ کو بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کچھ پوچھنا چاہیں تو بلا جھجک پوچھ سکتے ہیں۔"

ہلکی اس لیے اسے یہ دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ آسانی رنگ کے لباس میں لباس وہ اس گلابی شام کا سب سے دلکش منظر تھی۔

"آپ اس رشتے سے خوش ہیں؟"

"آپ کو ٹھیک ہے؟" وہ میرے سے مسکرائی۔

"نہیں، میرے پوچھنے کا مطلب ہے آپ مجھے جانتی نہیں تو۔۔۔" اس نے بہت ادھوری چھوڑ دی۔ "ہمیں یہاں رہتے ہوئے کُلل عرصہ ہو گیا ہے اور اس عرصے میں 'زنا' نہیں، تھوڑا بہت تو آپ کو جان ہی گئی ہوگی ہل! مجھے کارواں نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہمارے بیچ بھی یہی بات حیت نہیں ہوئی۔ آپ کو شاید اس بات سے فرق پڑنا ہو مگر میں بالی طور پر اندازہ اسٹینڈنگ کے نام پر بغیر کسی مضبوط رشتے کے ایک لڑکے کو لڑکی کے ملنے ملائے کو سخت مضبوط سمجھتی ہوں۔" اس نے کہا۔ آپ مجھ سے اتفاق نہ کریں مگر میں لڑکے الگ مزاج رکھتی ہوں۔" وہ کہنے کہتے چپ ہوئی۔ ہلکی کو کیا ایک اپنی قسمت پر رشک سا لگنے لگا تھا۔

"بے فکر رہیے میں دوبارہ کبھی آپ کو اس طرح ملنے کے لیے نہیں بلاؤں گا۔ تو لیکہ داری شادی کی ایڈمنسٹریشن ہو جائے۔"

ہلکے چھلکے کچھ میں اسے تعین پہانی کر لیتے ہوئے وہ میرے سے ہنسنا تھا۔ تعبیر مسکراہٹ چھپانے کے لیے وہ سری طرف دیکھنے لگی۔

ذہن نے اس سے کہا تھا کہ تعبیر کے سامنے اپنی سچائی کا دھول بیٹھنے مت بیٹھ جانا۔ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں۔ ان کے لیے کوئی ایسا شخص قاتل قاتل نہیں ہونا جو ان کی ذات کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے جذبہ بھی بجائے ان کے ہم کرنے گئے اپنی باہم محبت کے مقصد پر چڑھا دے۔ گو کہ اس نے تعبیر سے صرف تو حاجی بولا تھا مگر پھر بھی تعبیر نے اسے ہٹا ہٹا پہنکا لیا تھا وہ اس کے لیے باعث حیرت

تھا۔ وہ اتنی سچی ہوئی محبت اور کھلم کھلا اس کی لڑکی ہوگی۔ یہ اس نے بالکل نہیں سوچا تھا۔ "میں آپ سے ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔" کہہ کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اجازت چاہنے لگا۔

"بالکل کیجیے۔ میں آپ کی باتیں سننے کے لیے یہاں لی تھی۔" وہ انھیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے اس وقت میں کر بھی میں آپ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تو آپ یہ مت کہنے گئے کہ وہاں یاد میں نے آپ سے محبت بڑھاتا تھا۔ کیونکہ یہ یہ محبت ہے اور تب نہ وہ محبت ہو گئی۔ جب آپ بالی بات میں ہی کسی کے ذہن رول پر اس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہیں کہ وہ اپنی کس ہوئی باتیں ہی بولنے لگے تو پھر کُلل آپ کے ساتھ رہے اور اسے آپ سے محبت نہ کر سکے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ مجھے بھی تعین ہے کہ بہت جلد مجھے آپ سے پیار ہو جائے گا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تعبیر جواب ہو گئی تھی۔ بالی بار پھر اس نے ہلکی سے نظریں چرائیں اور پھر اپنی کیفیت چھپانے کے لیے سرخی سوڑ گئی۔ ہلکی کے چہرے پر ایک مٹھی ہوئی مسکراہٹ در آئی۔

شام اپنی تمام تر خوبیوں سمیت کچھ اندھیرے میں ڈھل گئی تھی۔ مگر ہلکی کے لیے زندگی ایک بڑا درد آکر گئی تھی۔ اس نے سامنے کھڑے اس حسین وجود پر اپنا حق حاکمیت محسوس کرتے ہوئے اس نے بے اختیار غصہ کا شکر لڑا کہ تھا اور پھر بالی کا کہنا اس کی خواہش کو رد کرنا تو شاید کج نہ اس غلطیت کو

مرشادی کو محسوس نہیں کر پاتا جس نے اس کے دل کا حلقہ کر لیا تھا۔

لب اسے تندرستی تھی اس موتی کی صورت تھی اس کی جھول میں اگر تھا۔



گیتھی سٹارلا

سیف اللہ کار بار کے جلسے میں اکثر بیویوں ملک حائے رہتے تھے وہ خیال کے دورے پر گئے تو وہی پریشاں سے ساتھ تھی۔ وہ ان کے دوست کی بیٹی تھی۔ اس کے والدین کا ایک ملائے میں انتقال ہو گیا تو سیف اللہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ سیف اللہ کی دماغ پر شکوہ خام نے گلے میں سے اس کا استقبال کیا مگر ان کی بیوی مرے اسے قہر نہ پاسا۔ تار اس ہو تھی اور دونوں بیٹیوں نے بیٹی اور امی کو ساتھ لے کر میکے چل گئی۔ سیف اللہ نے اپنی نگہ تار کو محو زکرم سے پسند کی شادی کی تھی۔ وہ مہر کی حد آتی میں راتوں کو جا گئے۔ گا۔ دو سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال پر میوا نہیں چھٹی مہلا کو اس گھر سے نکال نہیں سکی کیونکہ وہ مکان پر شکوہ خام کے نام تھا اور وہ اپنے کو اپنے ساتھ کھانا چاہتی تھی۔ مہرے میٹا کی تعلیم چھڑا دی۔ کیونکہ کار بار مہر کے نام تھا۔ وہ میٹا پر یہ فرض کرتا تھی۔ چاہتی تھی۔ پر شکوہ خام میٹا کو گھر میں پرہیز لکھیں۔ اسیں میٹا کے خوابوں سے ڈر لگتا تھا یہ گھر اس کے خوب برادر ہوتے تھے اور اکثر بچے بھی ہوتے تھے۔

طلبے میں میٹا کا تو مہرائی اور رہتی عرش و عروش کے ساتھ وہاں حائے کی تیار کی کہنے لگیں۔ میٹا بھی حائے چاہتی تھی۔ مگر مراد کر گئی لے اسے روک دیا۔

میٹا نے تیار کر لیا کہ خواہ سب سے بچپن کر سسی ایلے میں ضرور جائے گی۔ میٹا نے پر شکوہ خاں کی پرانی سائز می اور کے کر کے کے پرے کات کر ایک خوب صورت لباس تیار کیا اور مہرے پر بھونٹے انداز میں ایک اپ تمپ بر آئے۔



کہنا اسے دیکھے بھی تو پہنچ نہ سکے۔ کالوڑ میں اس نے زانی کے ہلکے سے ہس کے
 بیٹا بچے میں گئی تو اسے دھوکہ دیا۔ اسے لڑائی کی بات دے دیا۔ بیٹا نے اسے مگر حکم ساتھ ملے گا کہ اگر اسے اچ
 ہم پتا نہیں بتایا۔ وہ لڑکوں کو اپنے ساتھ کسی میں لے گئی۔ بیٹا کشتی سے اتری تو اس کا ایک ہندو کشتی میں گر گیا اس کے
 جانے کے بعد وہ رات بھر رونا سناں کر رہا۔ بیٹا نے اپنے بے سادہ ہاتھ سے اسے حشر کیا تھا۔
 مرنے کا رونا دھوکہ موت پر لایا گیا۔ اس کے بیٹا نے اپنی کسی بیٹی کی شادی کرنا چاہتی ہے اس وقت پر کیا
 تو بیٹا باری کہہ دیا اس سے مل نہیں سکی۔
 زانی نے سوچا کہ اس رات بیٹا نے پتا ہوا تھا اسے چھوٹے میں بھونکے کے طور پر لگا ہوا تھا اسے بھی لڑکی سمجھا
 جو اسے بیٹھنے میں مل گئی۔
 کارا نے خاندان اور فریاد کی تمام تر حالت کو اپنے گھر پر عورتوں کو بتا دیا۔ شادی کے لیے کن میں سے کسی باپ کا
 انتخاب کرنے پر شکوک تمام کا گھر پر اسے عورتوں کو بتا دیا۔ بیٹا کو ساتھ نہیں لے سکیں۔
 بیٹا گھر میں تھا۔ بیٹی بدلتی تھی کہ اسے کچھ دیاں دیں۔ بیٹا اس نے اپنا بخار فیری (اڑکی شیت) سے کرایا۔
 وہاں نے بل میں جانے کے لیے بیٹا کے لباس کا انداز بھی کر دیا۔ زانی نے سوچا کہ وہاں میں بیٹا کو اٹھ دین
 نے وہاں لڑکی کے ملنے میں لگا رہا اور اسے دعوت میں سے گیا۔ بیٹا دعوت میں پہنچی تو اسے دیکھ کر روک
 کہی۔

"اب رکھ کر کیا کرتی ہے زینب۔ میں نے
 اسے طرہ چائی بھری ہے۔"
 "یہاں سے لے کر وہاں کو پتا نہ کریں، اگر وہ
 تاری نہیں۔ اور ساتھ ساتھ راز طلب نہیں ستو کیہ
 رہی تھی۔"
 "تمہارے جھوٹ بول۔"
 "ہاں۔ ہاں۔" "وہ بھی تو ایسے بھی قسم قسم ہیں۔"
 "نہیں کیا ہے یہ قسمی بہت ہے۔" "میں نے
 اسے شرمسار کیا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ایک نام کو کشت
 نہیں۔"
 "گو۔ گو۔ گو۔ تمہارے تو جیسے بھی جھوٹ بول رہی
 نہیں۔"
 "ہاں۔ بول رہی ہوں۔ مگر جھوٹ جھوٹ میں
 بھی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً بے ضرر جھوٹ سے کسی کو
 نقصان نہیں ہوتا ہے۔ مگر سوائے کو نقصان پہنچانے
 والا جھوٹ ہر حال میں غلط ہوتا ہے۔" "نہیں۔"
 "یہاں اب تمہاری مصیبتیں شروع۔ آئے ہوئے

کہیں سے۔" "یہاں سے منہ پھیرو اور غصہ جھانسنے کی
 سعی کی۔" "تمہارے سانس۔ محبت اور رنگ میں سب
 ختم ہو گیا ہے۔"
 "اور اب تمہارے ہاتھوں پر مگر یہ کہ یہ تمہارے
 بے محبت ہاتھ۔"
 "میں نے سول نے لے کر بھر کے ہے اسے ٹک
 کر دیا۔ اعلیٰ کو گئے۔ قصہ شاید خیال۔ بھر لے لفت
 چھانے کے لیے سر جھک کر گنتی جانے کے لیے
 مڑی۔"
 "میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ تم خود سب سے بڑے
 جھوٹے ہو۔ آئے مجھے کچھ نہ لالہ ہو نہ اور
 فریاد اتنی ہو کہ۔ تم کچھ کیا ہے میں نے اس
 کے ساتھ کر دے میں میں اس کے ساتھ کتنا بھی برا
 کروں گا کہ ہے۔"
 "میں سنو۔" "میں نے پکارا۔" "میں سن
 کر تھی۔ مگر اس نے پھر بھی بہت کمال کرنا اپنا فرض

۳۰

میں نے اپنے بھتیجے اور ایک اور مرید کے ساتھ ملائے کی غلطی مت کرو۔

یہ ناپ اس کی فصاحت اور مستند سرگوش کا خاک
اثر نہ ہو۔ اسی ناپ زبانی کار و عمل جلتے اس کے
کمرے میں ملے۔
۱۹۰۷ء - قمار کے کڑے پر لیں کہیں۔ تمہیں جاننا
ہو گا۔ آئی ہر گز۔

”میں نے اپنے اسٹریٹری فیک بنا کے لاؤ۔ ٹھنڈا
 ٹھنڈا۔ شاید میرا فضا کم ہو۔“
 ”تمہارا فضا کم تو نہیں کرتا مجھے۔ ابھی تو اس
 آگ کو مزید بڑھاتا ہے۔ گرمی تمہارا کاروائی پٹا
 لگاؤ میرا کام ہے۔“

”تھیک ہے سب بات۔ مگر سونو۔ کل ہی چن
کھن۔ اس لڑکے کو کون مستاد ہم ہے۔“
”تھیک کہتے ہیں بلکہ کہ میں کل کے لڑکوں میں
پے سر پہ لڑکے کا تاج لٹاؤں جس کی خاطر اپنی ہر
روح سے تعلق کرنا چاہتی ہوں لڑکے یہ ہر حال میں
طاقت کرنا ہے۔“

حکم آتی ہو اس بندہ کو یہ منہوں قسم کے اندازے
تاکید سے لڑتے محبت کرتا ہے نہ کسی لود کو کیسے
کہ کر سکتا ہے دیے بھی میں ہمارے کوئی ہے بھی کوئی
ذہنی کے مقابلہ میں

عجب فطرت! فدا گریہ ہے فیس کوں گریستو

خوری ہوش ٹھکانے آجائیں گے اس کے۔
 بیٹا یہ سننے ہی لگ رہی ہو گی۔ سنا کی باتیں
 ہیں سنا ہیں میں کو بچنے لگیں۔

”کیا مطلب؟“ زمینی گیسے لیے ہڑیڈ کے ساتھ چلے۔
”بھئی، ظاہر ہے میرا تعلق ہونو کوئی بھی قصہ
سایا ہے۔ اور کار اسمی تو موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے
اسی ہزار کامیات کسی اپنی پسند کی سڑکی کی جانب گانا
اڑیں گی۔“

ہیں بارہوں کی فہمی کی تو رہی نے غراندہ اکہنے
 لکھی نہیں کی۔ البتہ بعد دوا کے پے ہی قتل
 ”ہی مار گیس تو رہی ہوں میں۔ مجھے تم سے ایک
 ملیت بھی کرتی ہے۔“

میں نے اسے اپنے گھر میں رکھا اور اسے اپنے گھر میں رکھا۔

ہم کو نہ سہارا دیں اور نہ ہی ہمارے ساتھ ہوں۔

میں نے تو میری اس کہانی کو

210

”میرے خیال میں یہ بہتر ہے گا۔ شکر ہے۔“

ماڑ کے کمرے سے ہاتھ اٹھاتے خراب چور لیے نکلی تھی کہ باہر ہل میں کارا سے اس کا سامنا نہ ہی ہوا تو ہنسنے لگا۔ مگر قسمت کو بھی ایسے اتفاقات کرائے کا شوق ہوتا ہے جو ہمیں میں جنگاری ڈالنے کے حیران ہوں۔ کارا نے اسے آتے دیکھ کے ایک اہم پھلکی ہوا اس کے چہرے کے ہنسنے لگنے کے زلیوں کی پروا کیجے۔ ”زلی ڈور ہوتا ہے یہ کھرا تسلیم۔“

”آپ مجھ سے پوچھنے کی خاطر بیٹھی میں کھل چڑھاؤں میں کارا آئی۔ ”زلی نے بد تمیزی سے اس کی بات کاٹ کر شہرہ زدگی۔“

”یہ کیسے بات کر رہی ہو تم؟“

”تھک چکی تو کہہ رہی ہوں۔ ہر بات میں آپ ایسے ہی کرتی ہیں۔ چاہے بات میری ہو یا نہ ہو۔ آپ پوچھتی ضرور ہیں مگر بعد میں فیصلہ آپ کا اپنا ہی ہوتا ہے تو جب ہوتا ہے جو آپ چاہتی ہیں تو پوچھنے کی زحمت بھی کیوں کرتی ہیں۔“

”تم میرے ساتھ بد تمیزی کر رہی ہو زلی۔“

”میں صرف آپ کو یہ بتا رہی ہوں کہ مجھ میں اتنی سلیف ریسپیکٹ ہے کہ میں اپنی نفسیت اوتے دیکھ کے توازاں ہاسکوں۔“

”اپنی نکل نکل بجا دل سے نکل گئی۔ اور کارا کو اپنے کھولتے ہوئے جان کو احوال میں لانے میں کافی وقت لگا۔“

کارا نے ماڑ کو تانے میں اور ماڑ نے خستہ میز کے عالم میں اتے فون کرنے میں روافقت نہ دیکھا۔ بیٹا اپنے شرابیوں میں مسکراہٹ دہائے ہوئے خاموشی سے اس کاموں میں لگی رہی ہو کارا نے اس کے سر دیکھے تھے۔

”تم نے نام کے ساتھ مس بی بی ہو کیا؟“

”اے بہت جلدی بتاؤ انہوں نے ابھی تو میں

مگر تک پہنچی بھی نہیں۔“ اس نے ٹھک کے کہا۔

”میں نام کے دل میں تمہارے لیے جگہ بنانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم نے فون کی نظر میں اپنا سارا بیج ہی خراب کر دیا۔“

”میں کی بظور میں میرا بیج ٹھیک کب تھا؟“ سمجھتی ہیں کہ میں اتنی گری پڑی ہوں کہ تمہاری خاطر میں سب باتیں بھی برداشت کروں گی اور کسی ملازمہ کی طرح اس کے کمرے کے معمول نام بھی کروں گی۔“

”یہ ہے کار کی بحث۔ جیسی اہل میں صرف انا چاہتا ہوں کہ تم نے نام کے ساتھ جو بد تمیزی کی ہے اس کے لیے فون سے معافی مانگو۔“

”کیا اہلانی طور میں اس پر جیسا بھی مسعد۔“ زلی نے ٹھک سے فون رکھ دیا۔

ماڑ کی جھنجھلاہٹ زلی کے فون بند کر دینے سے عروج پہ جا پہنچی۔

”عجب اگر زور طغنا ہے۔“

”تھیل کے پاس کھڑا اس کی ساکت سطح پہ اپنی ساکت نگاہیں بھاڑ کر کھڑا تھا۔ اسے ماڑ کے اپنی اس سے وہ پہلی ملاقات یاد آ رہی تھی۔ وہ ملاقات جس میں وہ اسے سب سے اچھولی لگی تھی اور وہ اب اس اچھوتے پن کو تلاشاً پھر رہا ہے مگر وہ بات اسے دھوڑے سے بھی نظر نہیں آتی۔

”پہلی ملاقات میں میں نے تمہاری صورت دیکھی بغیر ہی تمہیں دل دے دیا تھا۔ کاش کہ میں تمہاری صورت دیکھتا یا نہ دیکھتا مگر تمہارے دل کے اندر ضرور جھانک لیتا۔ تم جتنی خوب صورت ہو کاش تمہارا دل بھی اتنی خوب صورت ہوتا۔“

”جیکے سے اپنے دل میں اس سے گلے کر رہا تھا جب عقب سے بیٹا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھالیں اس کے پاس آئے کھڑی ہو گئی۔

”موسم ٹھیک نہیں ہے۔“ آپ کو گھر والیں جانا چاہیے۔“

”جو تم اتنے خراب موسم میں باہر کیوں ہو؟“

”جھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ یوں۔“

”میں بھی گھر ہی جا رہی ہوں۔“

”تمہاں کی جانب کے لیے یہاں روزانہ نام نکال کر آتی ہو۔ نام کو چاہیے تھا کسی سے کہہ کر تمہیں کمرہ دلایا کہ لوٹا کریں۔“

”وہ روز ایسا ہی کرتی ہیں۔ آج وہ کسی ڈرائیور کو کمرہ بھول گئی تھیں۔ اس کا سوا بھی بہت قریب تھا۔“

”ہاں اس کا سوا رہتی ہے۔“ وہ کہتے کہتے رک مگر مٹاٹے موقع چاہتے سننے جاتے دیا۔

”ہاں اذنی کو اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

”جلد یہ ٹھیک ہے اس کی نیچری ایسی ہے مگر پھر بھی کھڑا اتنی بڑی ہیں۔“

اس کے دل میں جیسے گلے سے گلے کو کچھ اور دھکا کرنے کے بعد اس نے قدم لگے پھسلے۔

”میں چلتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔“

”تم کیسے جاؤ گی؟“ اسے فکر لاحق ہوئی۔

”جھیل کے روتے کشتی سے۔“

”مگر ابھی تو تم مجھے جھیل کے پاس گھڑے ہوئے سے بھی منع کر رہی تھیں کہ موسم ٹھیک نہیں ہے۔“

”کوئی بات نہیں مجھے عادت ہے۔“

”اے گا سا مسکرائی تو ماڑ نے اپنی گاڑی کی جانب اشارہ کیا۔

”تم کہہ تو میں تمہیں ناراب کر رہا ہوں۔“

”ایک لمحے کے لیے بیٹا کامل اچھل کے حق میں آگیا۔ آنکھوں میں مارے سے پتک۔ اچھے مکرانے ہی پلہ دہلی کی تیسرے کلاں میں کوئی۔“

”تم اس سے دور جاؤ گی کیسا اتنا ہی تمہاری جانب پہ چلا آئے گا۔“

”یہ یاد کرتے ہی اس نے بڑی سختی سے اپنے دل کو جھڑک کر اس کے اصل مقام پہ بٹھایا اور چہرے پہ بے اعتنائی سی حاک کے کہنے لگی۔

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”پیرا اٹکھ نہیں کرو۔ میں بھی اس جانب ہی

جا رہا ہوں۔“

ماڑ نے دوبارہ اصرار کیا اس کی جان غلاب میں آگئی۔ اس تھا کہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتا تھا اور دلخ تھا جو وہاں کے مشورے پہ عمل کر کے اسے نہانا چاہتا تھا۔ اس نے دل پہ پھر رکھ کے بعد کچھ اور سخت جھٹاتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ میں کشتی سے ہی جانا پسند کرتی ہوں۔“

”اور قدم لگے جو صاف ہے۔ مگر عجیب صورت لہذا نہیں۔ اس کی پشت لمبائی کی جانب لگی صورت وہ اس کے چہرے پہ صاف نظر آتے دیکھتے اور افسوس کے تاثرات بجانب ایک سمت قدموں سے کشتی کی جانب بڑھتے اور پھر بیٹھتے ہوئے مسلسل خود کو کوس رہی تھی کہ دل کی بات کی ضرورت کیا تھی بھلا۔

”تفہ یہ کیا کیا میں نے۔ وہاں کی باتوں میں آگئی اور ماڑ کو انکار کر دیا۔ ماڑ کو؟ اور اس نے دوبارہ کہہ دیا۔ اب اسے کیا ضرورت ہے تیسری بار آخر کرتے کی۔ اب بتا نہیں کہی دوبارہ اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھنے کا موقع طے پا نہ۔ بھگتو بیٹا۔ بھگتو۔“

بیڑا تے ہوئے اس نے چہرہ بھی پانی میں اتارے ہی ختم کہ ماڑ کی توازیں چو گی۔

”بیٹا۔ روکو۔“

اس نے انہر اٹھا کے سامنے دیکھ۔ حیران کی ساڑ اسی جانب بھاگتا آ رہا تھا۔

”کیا ہو؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ایسا میں تمہارے ساتھ جا سکتا ہوں۔ اس پہ؟“ اس نے اجازت طلب ضرور کی۔ مگر بیٹا کا جواب سننے سے پہلے وہ اس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ بیٹا نے اپنی بے ساختہ خوشی کو چہرے پہ امتزاج کرنے سے بڑے جتن کر کے روکا تھا۔

”اے کڑا سی راستے سے آئی تھی۔ مگر آج سے پہلے جھیل اور یہ مناظر اسے اتنے حسین بھی نہیں لگے تھے۔“

وقت پڑنے پر انہیں گھسے کو بھی پاس ہالینا ہے۔ اگر باڑ کو خوش کرنے کے لیے تم کارا کی تھوڑی بہت خوشامد کر لو ایک سواری کہہ لو تو کیا قریبی پڑنا ہے۔

”مور کسی کو پڑے نہ پڑے زنی کو پڑنا ہے۔“ زنی نے نخرت سے اپنے ابو کیسے کرتے ہوئے گلد۔

”میرے لیے لڑا کے رکھ دو۔“ اپنے آپ کو کوئی توپ چیز بھٹا چھوڑ دو۔ تمہارے پاس ہے کیلا اس شکل و صورت کے ملاو۔“

”اے میں نے سخت برا ملا۔“ سچ ہے یہ۔ اور کیا ہے تمہارے پاس جس پر تم اترا سکو۔ یہ سزا ہوا ابوسیدہ گھنڈہ و مکن۔ ایک بوڑھی وادی جو مرتے مرتے یہ گھنڈہ بھی ہم سے بچیں کے کسی اور کے ہام کر جائے گی۔ اور وہ پردہ گھانے میں جانا قادم۔ اپنے میں اگر مار جیسا لڑکا قسمت سے نہیں مل ہی گیا ہے تو اسے اللہ کا احسان جانو۔ اور یہ نگر ہے چھوڑو نہ وہاں سے نکل جائے گا۔“

”وہ میرے ہاتھ میں ہے ہی کب اس کی سب لوہریں تو اس کی ہاں کے کھاتہ میں ہیں۔“ ”گلاب کے ساتھ کائنات تو ہوتے ہی ہیں۔ کارا کو بھی تم ایسا ہی کانٹا بگھو۔ اور برداشت کرو۔ میری ہالو تو ابھی بات لیا وہ نہیں بگڑی۔ اس سے طو اور کچھ بھی کر کے مناد مارو۔ شام کے فکشن میں نہیں اپنا لے کا ملان کرو۔“

”میرے سمجھانے کھانے کا رہی۔ خاطر خواہ اثر نظر آ رہا تھا۔ تقریباً“ رضامند لگ رہی تھی۔ مرنے ہوا گر ہوا کچھ کراہیک اور ضرب لگائی۔

”یہ لو پکڑو خون۔ کرو اسے اور امی لے جاؤ۔“ اور بھیک ایک بھٹے بعد ہمارے ساتھ تھی۔ ”جو تمہارے اپنی ناراضی قسم کر رہی۔“

”میرا کراہا۔ اور وہ اتر لگی۔“ ”کیا کرلوں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔“

”تمہاری ناراضی سے مجھے بہت سہا بہن رکھ۔“ ”خفی محبت کرتے ہو مجھ سے تو میری بات سن لیتے ہیں کیا حق تھا۔“

”زنی نے اسے اپنے سامنے ڈھیر ہونے دیکھا تو ایک بار اور کوشش کرنا چاہی۔“

”زنی۔ تم مجھ سے کچھ بھی لیا کرنے کو کہ جس کا تعلق صرف مجھ سے ہے تو میں فوراً مان لوں مگر جس معاملے میں ہام شامل ہیں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔ ایک ایسا فکشن جسے ہم نے اس طرح کیا ہے اور جس کے دعوت نامے بہت سے لوگوں کو جاتے ہیں اسے صرف ایک طنز پہلے۔ میں بغیر کسی وجہ کے کیسے کنسل کروں۔“

”زنی نے اس بار بھی وال گتے نہ دیکھی تو جبراً مسکرا دی۔“

”میں سمجھ گئی ہوں۔ اسی لیے تو بات کو بھولنے کے بجائے تم سے ملنے چلی ہوں اور میں گارا آئی کو سواری کیسے بھی تیار ہوں۔“

”واقعی؟“ مار کے پھینکے سے ایک پرواہ نہ ہٹ گیا۔ ”ہاں۔ صرف اور صرف تمہارے لیے۔ چلیں؟“ ”کہاں؟“

”تمہارے گھر۔ گارا آئی سے سواری کیسے۔“ ”زنی کی بات پہ مار کو احساس ہوا۔ مرحلہ ابھی آسان نہیں ہوا۔“

”مگر اسی وقت میرا مطلب ہے شام کو تم فکشن میں تو آئی رہی ہو۔ وہیں سواری کر رہا۔“

”کیا؟ سواری کیسے کے لیے وقت کچھ نامناسب نہیں ہو گا؟ میں اتنے سمجھاؤں میں کیسے سواری کھلی گی؟“

”رہی اور اصل سے دراصل ہام کی شرط ہے کہ تم سب لوگوں کے سامنے انہیں سواری کوئی۔“

”رہی ششدر رہ گئی۔“

”سب لوگوں کے سامنے۔“

جب سے پیشا کو یاد آیا کہ زنی اور مار کی ناراضی قسم

ہو گئی ہے اور وہ دونوں بھڑکنے لگے ہیں تو اس کی بے گلی موع پر پہنچی گئی۔ وہاں کے پرہیزگارے سارے سبق بھٹکے۔ وہاں سے اڑ گئے اور شرمندگی کا احساس ہو اس نے جھوٹ بولنے پر ناچار تھا۔ بھی زائل ہو گیا۔

”اب اس کڑی تیزی سے کوئی اور راستہ نکل رہا تھا۔“ ”پلیز کارا آئی۔ کچھ تو میں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“

”اس نے بڑھاپا پڑی کارا کو جس پیش کیا۔“ ”مجھ سے مار کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی اسی ٹکی نے اسے گل کر کے رکھ دیا ہے۔“

”زنی کی تو علت ہے۔ ایسے ہی پاگل کر کے رکھ رہی ہے لڑکیوں کو۔ پھر انہیں اس کے علاوہ کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔“

”یشا کی بات پر کارا تو بری طرح چوکی تھی۔“ ”میرا خیال اتنا مار بھی رہیں لہجہ تک کے رنگ کیا۔“

”مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو۔“ ”کیونہ نہیں۔ بس دیکھیں۔“

”یشا نے بھول دین سے ٹالکس ہٹ پٹائیں۔“ ”تو کارا آئی۔ ایک سال میں بس صرف وہیں ہاں سے نکلا نہیں۔ وہی لڑکی نہیں ہے زنی۔“

”مارا کے چرے پر تو ہوا ایسا ڈنڈی تھا۔ مار بھی وہیں پلٹ گیا۔“

”مگر اسی وقت میرا مطلب ہے شام کو تم فکشن میں تو آئی رہی ہو۔ وہیں سواری کر رہا۔“

”کیا؟ سواری کیسے کے لیے وقت کچھ نامناسب نہیں ہو گا؟ میں اتنے سمجھاؤں میں کیسے سواری کھلی گی؟“

”رہی اور اصل سے دراصل ہام کی شرط ہے کہ تم سب لوگوں کے سامنے انہیں سواری کوئی۔“

”اس کی مسلسل بیڑا ہٹا چکا۔“ ”تم اس سے لڑنے کی تمہیں ہالے منانے؟“

”تب یہ منانے کا مجھے۔ میں تو اسے فین نہیں کرنے والی۔“ ”مجھے گا اتنی ہی مر رہی ہوں نا میں اسے پالنے کے لیے اس کے علاوہ میرے پاس کوئی۔“

”کتنے کتنے وہ رکی پھر اس کی آنکھیں جھپکنا نہیں۔“ ”آئیڈیا۔ تب میں اس پر کی ظاہر کرلوں گی کہ وہ اکیلا نہیں ہے میری زندگی میں بلکہ اس جیسے تو چار پارچے لائن میں لگے ہوئے ہیں میری ایک نظر کے خطرے پر اسے احساس ہو گا کہ میں کیا چاہ رہی ہوں۔“

”میں اسی وقت مار کا فٹن آگیا۔“ ”اکی نے السوس۔ بھرے انداز میں سر ہلایا اور قوت ملاو کے پالے میں گم ہو گئی۔“

”ہیلو۔“ ”زنی نے ٹھہر گئی۔“ ”زنی! میں تم سے جو پوچھوں اس کا صحیح جواب دیتا۔“

”جلدی یو ہونا! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”میں بہت احمس میں ہوں۔ دل کہتا ہے یہ بہت خطرہ ہو گی۔ تم ایسا ہی نہیں سلکتیں۔ مگر میں تمہارے منہ سے سنا چاہتا ہوں تب نہیں آئے گا دل کو۔“

”مار کی ہے چینی اور اضطراب اس کے ہر لفظ سے جھلک رہا تھا۔“ ”اگر۔۔۔ جلدی کو میں مار۔۔۔ سہ میرا ویٹ کر رہا ہو گا۔“

”گوں سہ؟“ ”وہ چونکا۔“ ”میرا دوست۔“ ”زنی کے لیے میں یا ایک شیرینی کھری۔“

”اچھی ٹیکہ صرف دوست ہی ہے مگر کلی عرصے سے مجھے پسند کرنا ہے۔ تو میں نے ہی کبھی بازو روپائس نہیں دیا۔ کس کس کی محبت کا جواب محبت

”اچھی ٹیکہ صرف دوست ہی ہے مگر کلی عرصے سے مجھے پسند کرنا ہے۔ تو میں نے ہی کبھی بازو روپائس نہیں دیا۔ کس کس کی محبت کا جواب محبت

”اچھی ٹیکہ صرف دوست ہی ہے مگر کلی عرصے سے مجھے پسند کرنا ہے۔ تو میں نے ہی کبھی بازو روپائس نہیں دیا۔ کس کس کی محبت کا جواب محبت

سے ہوں۔ ہمارے بڑے بڑے گھریلو کام ہیں جو ہمیں تو بھیجے کسی ایک سے ہی کرنا ہے۔ پلو، پلو، ہمارے ہاتھ پر چھنا تھا مجھ سے۔
وہ پارٹی رانگی گھر سڑی جانب سے فون بند ہو چکا تھا۔ مگر جو پوچھنا چاہتا تھا اس کا جواب اسے مل گیا تھا۔

”ہونہ۔ دیکھا امی! کیسے مل گیا۔ اب پتا چل اے۔“

کارا کا دل خوشی سے محسوس تھا مگر اوپر ہی دل سے ہر سے ہر وہی بھی دکھائی تھی۔
”میں نے تو تم سے پیسے ہی کما تھا۔“
”مجھے یقین نہیں آ رہا تھا دل اب بھی نہیں مانتا کہ۔۔۔“ اسے بھرے نکمٹش کا شکار وہ کچھ کے کارا نے جلدی سے کہا۔

”ماں! اس عمر میں دل ایسے دھوکے کھاتا ہے۔ اب تم زیادہ مت سوچو نگھو اس سوا سے۔ شام کو بہت سے سہانے آگے والے ہیں۔“

پھر دشا کو کھڑے کافر میل کی طرف لے جاتے دیکھ کے روکنے لگی۔

”یہاں! میں نے شام کی پارٹی کے لیے تمہارا اور میں بنوایا ہے ریکارڈ کہہ کر منگو لو۔“

پل بھر کے لیے دشا کا دل بلیوں اچھلا۔ مگر پھر فوراً بے نیازی ظاہر کرنے لگی۔

”تھنک یو کارا! آئی۔ لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”ضرورت کیوں نہیں ہے جو بھی ہے تم ہو تو اس فیملی کا ایک حصہ۔ اور تمہاری گرنٹی میری آئی ہے۔ مجھے اتنا خیال تو کرنا ہے تمہارا۔ ویسے بھی میں تمہیں چاہتی ہوں۔ میں آئے لوگ تمہیں اس طرح کے کپڑوں میں دیکھ کے کچھ کہیں اور تمہیں برا لگے۔“

”مجھے برا نہیں لگتا آئی! کیونکہ میں سب سے بہتر ہوں ہی انہی کی بیوی ہوتا ہے بلکہ مجھے برا لگتا ہے

کہ مجھے اچھا لگتے کے لیے کسی سے مانگ کے کچھ پھرنا پڑے۔ میں جتنی ہوں ویسی رہنا پسند کرتی ہوں۔“
بلکہ ہر سرسری انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک دوندیہ نظر ہاتھ ڈال دیکھنے کے لیے کہ وہاں کتنا بچ کتا تھا۔ اور وہاں وہاں نے بچ کتا تھا۔
وہ واقعی چونکا ہوا لگ رہا تھا۔

زینی مسلسل فون کو گھورے جا رہی تھی جو کب سے خاموش پڑا تھا۔
”میں نے گا اب اس کا فون۔“

امی نے مزید خون جلایا۔
”تم چپ رہو۔ منہ منہ سے بات نہ کرو۔“
”منہ منہ سے خود ہو۔ اپنی بات تم نے خود بگائی ہے کیا ضرورت تھی ہاتھ سے یہ سب کہنے کی۔“
”تمہیں کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کچھ۔“

زینی اس وقت سب سے بے زار لگ رہی تھی۔ امی سے تو سہ سے زیادہ جبکہ امی آج اتنا ہی ستانے کے میو میں تھی۔

”تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ ماں کسی اور کے دھوکے میں ہی سی۔ مگر تمہیں تو جہ تو دے رہا ہے اور تم اس پر بھی غرور کھا رہی ہو۔“

زینی ہر طرف جھوکی۔

”کیا مطلب؟ کسی اور کے دھوکے میں؟ یہ صرف اور صرف مجھ سے محبت کرتا ہے۔“

”میں سب جانتی ہوں زینی۔“ وہ خنک سے مسکرائی۔

”کچھ دیر کے لیے تو زینی گنگ سی ہو گی۔ پھر فراموش۔“

”مگر مگر گھو اپنا۔ خیرا تو یہ بات تمہیں لگتا ہے کسی سے کسی۔ اصل میں تم مجھ سے جھلس رہی ہو۔ ماں جیسا لڑکا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں کارا فیملی کا حصہ بننے جا رہی ہوں میری ساری زندگی گھراؤلوں کی طرح گزرنے والی ہے اور تم۔۔۔ تم ساری

اس گھڑی میں گزارنے والی ہو۔ وہاں جیسے چمچہ لے رہا تھا۔“
”امی کے دل پر گھونہ پڑا۔ وہاں کے ساتھ زندگی اس بوسیدہ مکان میں گزارنے کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی ہی سگی بہن کے لیے ”نظروں“ الفاظ اس ہر ہر انداز سے جھلکتی حقارت اور نفرت دیکھ لے۔“

”میں سچ ہے امی! اور تم ہو بھی اسی قابل۔“
”میں روئے ہوئے وہاں سے چلی گئی اور پرانی نے مہا ہلی شکر نظریں فون پر چلوں۔“

یہاں گدا ان میں پھل بھرتے ہوئے ہوئے ہوئے تھک رہی تھی۔

”تم ہر وقت اتنی خوش کیسے رہتی ہو؟“
”ماں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”پتا نہیں خوشیوں خود ہی مجھے ملتی رہتی ہیں اور ہر آگے میرے گلے لگ جاتے ہیں۔“
”ماں کو اس پر شک سا تھا۔“

”تم بہت گلی ہو۔“
”اور کچھ اس سے گزرتے ایک حازم کو روکا۔“

”ایک کالی۔ تم کالی بیوی کی بیٹا؟“
”ہاں مگر کوئی کالی۔ دل چاہتا ہے۔“

”لو کہ۔ ایک کوئی کالی۔ ایک بیک کالی۔“
”غلام کے آگے بڑھ جانے کے بعد اس نے وہاں بیٹھے سوال کیا۔“

”تم نے نام کو انکار کیا؟ وہ ہمارے ہمیں وہ کہیں دے رہی تھیں گھٹ لینے سے منع نہیں کرتے۔“

”میں گھٹ سے شوق سے لیتی ہوں۔ اچھا لگتا ہے۔“
”میں نے لیا اور نہ مانگی۔ مگر میں وہی تھکتی ہوں۔“
”جس کو اب میں دے بھی سکوں۔ کارا آئی اپنی حیثیت کے مطابق رہے۔ ہی نہیں۔ میں وہی تو وہاں میں گھڑی ہی گھڑی کیسے رہتی ہوں۔“

”تم دیکھنے میں بہت معصوم لگتی ہو۔ مگر باتیں اپنی عمر سے بڑی کرتی ہو۔“
”مگر اٹھا تھا اس کا قلعہ بن کر۔“
”کیا سمجھ داری کی باتیں کرنے والے معصوم نہیں ہوتے۔“

”تمہاری عمر کیا ہے؟“
”ستاسی۔“ بیٹا نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا ستاسی۔؟“
”ہاں انیس میری اور اڑسٹھ گرنٹی کی۔ انہوں نے اپنے اڑسٹھ سال کی ساری کچھ بچے دے دی ہے۔“

اس نے سفید جھوٹ بولا۔ ورنہ ہر شکہ خاتم ہے چاری کی حسرت ہی رہی ساری عمر۔ کہ وہ اس کو کچھ ایسا کھول کے پلا دیں جس سے وہ تھوڑی سی فیسے دار اور سمجھ دار ہو جائے۔ وہ تو جس راتے راتے جیلے بول رہی تھی۔ وہاں کے کہنے کے مطابق۔

”کاش تمہاری گرنٹی اس میں سے تھوڑی بہت زینی کو بھی دے دیتیں۔“

”ماں نے سو تو بھری۔ مل بھر سے ہو جمل ہو گیا۔“

بیٹا نے زینی کے نوکر پر دانستہ بے نیازی ظاہر کی اور پھول ترتیب دیتی رہی۔

”ماں نے وہ لوگوں کے سامنے کالی پیش کی۔“
”تمہاری کوئی کالی بیٹا۔“

”ماں نے اسے ہاتھ بھاڑ کے وہاں سے اٹھتے دیکھا تو توجہ دلائی۔“

”میں۔۔۔ مجھے نہیں چینی اب۔“
”مگر تمہارا دل چاہتا تھا۔“

”اب نہیں چاہ رہا۔ جس چیز بہت دل لگا ہو۔“

اسے چھوڑ دینا اس سے بچ کر لگنے کا بھی اپنا ہی ایک مڑا ہے۔“

”ماں کو ابھمن میں ذل کے چلی گئی۔“
”وہ کھوئے کھوئے انداز میں اپنے سامنے رکھے ہاتھوں میں کالی کے پیالوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے

کوئٹہ کالی اٹھالی اور ایک کالی اس طرح سامنے پڑی
اور اس چھوٹی رسی سے ایک کالی جسے پتے کا لڑکا بہت
دل چاہتا تھا۔

ایک کے دل پہ مدد کی باتوں سے بہت چوٹ لگی
تھی۔

وہ باغیچے میں موتیا کے جھنڈے کے پاس بیٹھی گھنٹوں
میں سرسٹے چنگیوں سے مدد ہی تھی۔ مدد کی نظر
پڑی تو اس کے پاس چلا آیا۔
"کیا ہو؟"

پکارنے لگی اس نے سر نہ اٹھا تو پوچھ بیٹھا۔
"بھوک لگی ہے کیا؟"

بس اتنا پوچھا غضب ہو گیا وہ پھٹ پڑی۔
"تم بھی مدد سوچ کی طرح یہ سمجھتے ہو کہ میں اس دنیا
میں صرف کھانے کے لیے آئی ہوں۔ بھوک لور
پس کے علاوہ مجھے کوئی فائدہ ہی نہیں سکتا۔"
اس کی لور تک "نہیں۔ بچاؤ کی تدبیریں تیار ہو۔"

مدد نے کہا "مگر وہ کدو اور تھوڑے کے بل اس کے
پاس نشین پہنچتے ہوئے کھائے گا۔"
"میں نے ایسا کب کہا؟"

"مگر تم نے کہا۔ اس نے کہا مجھے کوئی صلہ
غریب مسکین سا لڑکا ہی سوٹ کرے گا۔ کیونکہ میری
ہی اوقات ہے لور مجھے اس سے زیادہ بونے خواب
دیکھنے ہی نہیں چاہئیں۔"

"کوئی کسی کو خواب دیکھنے سے نہیں روک سکتا۔
تم خواب دیکھو ای۔ جو تمہارا دل چاہے تم دیے
خواب دیکھو۔ کسی کو حق نہیں ہے تمہاری آنکھوں
سے خواب دیکھنے کا۔"

"لیکن صرف خواب دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟
سامیرے خواب پورے ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں نہیں ہو سکتے؟"

"کوئی مجھ سے محبت کیوں کرے گا۔ کیا ہے مجھ میں؟"

"جس کو تم سے محبت ہوگی۔ خود ہی تم میں کوئی
کچھ دھوڑنے کا۔ اور کچھ لینا ای۔ اس کا
کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہو گا جو صرف تمہارے لیے
اور جس کو صرف تم سے محبت ہوگی اور تمہیں مرل
اس کے ہی خواب دیکھنے چاہئیں۔"

نکلنے لگے جتنی کہیں سے لڑا تھا۔ مدد اس کی
منہی جگنوؤں سے بھری رہتی تھی کسی کو اس کے
تھما۔ کسی کو اس کے کسی کو خواب کے جو جگنو
جاتے ان کو اپنی آنکھوں کی چلیوں میں سمو کے پھرنا
رہتا۔

لڑکا اس ہی نظروں سے لہن کا جائزہ لے رہا تھا
جس رات کی تقریب کی تیاریاں چل رہی تھیں۔ اس
کا دل تھلنے لگا کس دھند میں گھٹایا ہوا تھا۔ ایک عجیب
سامان اس پہ طاری تھا۔
کچھ کھو رہے تھے۔
پاشاپ نہ پانے کا۔
"تم اس ہو؟" یہ اس کے پاس آکر کھڑی ہوئی

"ہاں۔ کچھ کچھ۔"
"کیونکہ زمینی نہیں آ رہی اس لیے؟" مدد کے لیے
میں نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکا سا رنگ لور صدمہ اٹھانے
لگا۔

"نہیں۔" لڑکا جواب خلاف توقع تھا۔
"تو پھر؟"

"نہیں۔ مجھے لگتا ہے جس کی مجھے تلاش ہے وہ
میں پا کے پھر سے کھو جائوں۔ بار بار۔"
"ہو سکتا ہے جسے تم پاتے ہو وہ اصل میں وہی
ہے۔ جس کی تمہیں تلاش ہے اسے تم نے اصل
میں بھی پا لیا ہے۔"

مدد نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ کبھی کسی میں

ہی ایسا نہیں ملتا جاتا ہوں۔ مجھے شک سا ہو رہا ہے
تمہیں کہتے ہو کہ لور بہت بدل دی۔
"تم ابھی تک تیار نہیں ہو گئی؟"
"ٹھیک ہوں میں ایسے ہی۔"

مدد سے ٹوک آ رہے ہیں۔
"مگر سب میرے لیے تھوڑا ہی آ رہے ہیں اور کیا
میں ابھی نہیں لگ رہی؟"
"نہیں تو۔ لگ رہی ہو بہت۔"

مدد ہنس مٹا رہا تھا۔ "مگر وہ اس پہ بھی خوش ہو گئی۔
"کیا لگ رہی ہوں؟ کیوں نہیں؟"
"لڑکھو سا گیا۔ بے ساختہ لہن کے پردے پہ
جیل کے پانوں پہ لڑنا وہ عکس جھلک گیا۔
"میں بہت کیونٹ ہوں نا؟"

مدد غور سے اسے دیکھنے لگا جو اپنی دھن میں کھتی
ہو رہی تھی۔
"ویسے بھی اتنا تیار ہونے کا کیا فائدہ۔ ایک تو یہ
پانی میرے لیے نہیں ہو رہی اور وہ سرا کیا پاتا ہوتی تھی
پھر نہیں؟"

"کیا مطلب؟" اس کی نہیں ہوگی؟
"لڑنے چوٹ کے پوچھو تو وہ سٹ پٹ لگی اس کی کسی
ہر بات کا کوئی مطلب بھی ہو۔ یہ ضروری تھوڑا ہی
ہو گیا۔ ایسے ہی بے دھیانی میں ہانک لگائی تھی۔
حسب عادت اور حسب معمول۔
"کیا پتا کسی بھی وجہ سے کینسل ہو جائے۔"

مدد نے بات جتنا کہہ۔

مدد بوسیدہ۔
"اندر کسی سے نظر پہ بات کرتے ہوئے خاصی
گوار دی لگ رہی تھی۔
"لڑنے اندر داخل ہوتے ہوئے غور رکھا۔
"ہاں۔ تو ہے۔ ظاہر ہے ایسے ہی قریب کیے
ہو سکتے ہیں۔"

اس نے خود ہر کھتے ہوئے لڑکا کا اظہار کر دیا۔
"تمہارے فلور کے کزن کی دانت کی ڈنڈہ ہو گئی
ہے۔"
"میں جاننا ہوا گا۔"

"اور وہ بدلے۔"
"نہ ہاں۔ وہ تو کینسل ہی سمجھو۔ مگر سب کو
انفارم بھی کرنا ہو گا۔ بھیا کرتی ہوں میں تعویذ کے
لے جاتی ہوں۔ تمہیں سب سنبھل رہا۔"

لڑکا حیران پریشان سا کھڑا تھا۔ اسے دیشا کی بہت یاد
رہی تھی۔
"کیا پتا کسی بھی وجہ سے پانی کینسل ہو سکتی ہے؟"

وہ اٹنے تو سہل باہر پلٹا۔ اسے ابھی اسی وقت دیشا
سے ملنا تھا مگر وہ سب جہاں نہیں تھی لور، جاتا تھا۔ دیشا
اسے کہیں ملے گی۔ وہ اسی وقت جیل کے کنارے جا
پہنچا۔ اٹھانہ درست لگتا تھا چہرے پہ لہانے بھر کی
گفت اور بے زاری سہانے پال میں ہر ڈالے تھیں
تھی۔

"تو۔ کتنی پورے رہا تمہیں کی ہیں میں نے۔ مدد
نے بھی کیسی عجیب عجیب فضول باتوں کے رٹے
لگوائے ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے اندر کوئی
بڑھی ہوئی روح کھس گئی ہو اور غائب کیا ہوا وہ وہاں پانی
انچوڑے کریں گے اور میں 'میں یہاں آئی۔' لڑی
نہیں تو کوئی لور لڑی 'جائے کی سائری زندگی میں۔'
اس کی پروا ہٹ اس وقت تھی۔ جب اس نے
غضب سے لڑی پکار سنی۔

"میں نے۔" مدد نے پٹ کر کہا۔
"تم کیا ہو دیشا؟ کوئی حلوہ گئی؟"
"لڑکے پوچھتے ہیں اس نے ترنت جواب دیا۔
"کوئی نہیں تھی۔ بدد گزریاں کوئی اتنی حسین
ہوئی ہیں۔"

اس کے کہنے پہ لڑکا ہلکا سا ہنس مٹا۔
"جیل کے پانوں پہ سر کرنا ایک کم گشتہ کوار فاصلے
پر ہو سکتی ہے۔"

کہ یہاں سے چلی کر کے جھانکے گی کہ کتنی سیڑھیاں ہیں۔

”تمہیں یہ سب کچھ کیا کر رہے ہو؟ تمہیں تو اس وقت اپنے گھر پر جانا چاہیے تھا۔“

”تمہاری بہت سی بات ہوئی۔ پانی واقعی سینسل ہو گیا ہے۔“

یہ کائنات حیرت گہوارے کھلے کاکھڑا گیا۔
 ہمارے لہجہ ہاتھ قے کی۔
 "اچھا ہے اس سارے میں آج سہی کا چہرہ جو رکھ
 میں کا یہ تم کھ کھو کی یاد کی؟
 یہ دل نے مسکراتے اس کا ہاتھ تھم لیا۔

وہ یوں اپنے بازو کو بٹھے بیٹھے انہوں کے سر پر لیٹا
ایسے مستکرا رہا تھا جیسے رستم پر خواستِ راحت ہو۔ یہ
مکان بیٹا کے غصہ کی دیوار تھی۔ اسے وہاں کے
گھڑیاں یاد آ رہی تھیں۔ جب اس نے بیٹا کو اکھٹے پا
کر دوسرے منظر میں حائر کرنے کے لیے جھگوڑا کے
طنقی میں قید کیے تھے۔
"تاکھیر بند کرو۔"

اس نے کہا تھا اور میں نے فٹ انگار کر دیا تھا۔
 "کلی میس" گرہی نے مجھ سے کچھ داری کی
 باتیں بتائی ہیں کہ بھی اکیلے میں کسی جوان لڑکے کے
 سامنے آنکھیں بند مت کرنا۔ دھو بل۔ وقت کا
 وقت ہے۔ جنگ ہے۔ ہم اکیلے ہیں گوہر سے میں
 کیونٹ اور قہر قہر بھی ہو۔ میری آنکھیں بند کیجئے
 تم نے مجھے ہار کر دیا تو؟
 یہ بات یاد آتے ہی وہ ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی
 اس نے چار سے سرگوشی کی۔
 یہ جیسی۔



عجب یہی بات ہے۔ اتنی حسین جگہ دکھانے پر
ہوں حسین لوہا بھی مڑ کے مست و محال۔
ہارنے اس کا ہاتھ پکڑ کے کاڑی سے تار سرسبز
چو تختہ نام تھ۔

”میں نے کہا کہ میں ہی جیسے ہے۔“
”میں نے کہا کہ میں ہی جیسے ہے۔“
”میں نے کہا کہ میں ہی جیسے ہے۔“

کیا کرتی ہیں کہ کہہ سکتے تھے چپ ہو جائے۔
 کیا کرتی ہیں کہ کہہ سکتے تھے چپ ہو جائے۔
 کیا کرتی ہیں کہ کہہ سکتے تھے چپ ہو جائے۔
 کیا کرتی ہیں کہ کہہ سکتے تھے چپ ہو جائے۔

[illegible]

و حُرُود حُرُود حُرُود
شعور سے شعور ہر کہ تمہوں تھا ہے اسے ہو
نری لور آہنگی سے مولا۔
مہتاب : کھنکھیں کھولو۔ ہار کے در حیرانم بچہ
کاد حُرُود حُرُود حُرُود پیک ہاں خود سادگت سادہ
کھولتے ہیں۔

"ہاں۔۔۔" ہر کے جواب پہ اس نے سمجھا
 کہو میں اور حیرت سے اس کے چہرے پر غرور کی
 "نہیں ہوں۔ مجھے نہیں وہاں ملنے کے کوئی
 حسین ملے گا۔"

2012 222

ہر نے اس کا جواہر کی پار سے چھو کر ملتے
بجٹار کی جانتے کہ
"ہوں۔" جیسا کہ انداز سے جوں کا ہر تھی۔
"کیا ہو؟" پھر اس نے

”نہ تو تمہارے لیے تو میں کوئی نئی بات
میں ہو گی۔ چاہیں کسی بار دیکھ بھی ہو گی۔ کیا
میری بات ہو جائے۔“

”کی۔ کی کہ۔ کہ گری نے کتا جھوٹ پوتا
اس نے ہونٹ دکا لیے

ذیلی کو جیسے ہی تعریف کے ملتی ہوئے کی خبر ملی
 اس نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا سچا اور قوردار کار
 فیشن مل گیا۔

’فکشن ملے تو میں کبھی بھی کارا نہ لیتی تو سہی نہ
 جی۔ مگر یہ موقع اچھا ہے تو ہیں نہیں۔ میں نے
 یہ بھی کہوں کہ میں اس کی ہمشاں کے بدلے لگی
 ہوں۔ صاف کر مٹوں گی کہ مجھے کیا ہے فکشن نہیں

”ہاں۔“
 ”اے عمر! میں سوچ رہی تھی کہ یہ شہر جتنی بڑی ہے
 یہ اتنے ہی عجیب و غریب ہے۔“
 ”یہ تو بہت دور سے گھر میں ہیں۔“
 ”اے عمر! اتنی دیر کے ساتھ یہ ہے،“ اسے گھر میں

[illegible]223 **پندرہویں**

میرٹھاکا کسی بہت چمکلے نمس ہوا تھا اور وہ
ایسے نہ چاہتے ہوئے بھی مسخوردی ہو کے نکس رہی
تھی۔
”میں بھی اسے نہیں بھاریا تھا بہت سے نرے کی باتیں
کرتی ہو۔“

”میں جو کرتی ہوں اس سے کرتی ہوں۔“
 ”میرے بعد مجھے تمہارے بھی دست ملیں۔“
 لب کلام کے بعد وہ شاگوں کی بدقولی پر عمل
 کرنا لگی۔
 ”مگر سستی بھی بھر دیک طرف میں ہوں۔“

میں نے سرسری سا کہتے ہوئے آگے بڑھ کر پڑھائے
اور اگلے دن میں اس کی بات کا بس بڑا حصہ اٹک
لیا۔
”وہ مٹی ایک طرفہ کیسے ہے؟“
”اے ایسے کہ تم مجھے اپنی دوست کہہ رہے ہو۔“
”میں نہیں۔ جب تک میں تمہیں اپنا دوست نہ کہہ
سکوں۔“

”جیسے۔“ حیران پریشان کر کے اسے روکنا چاہا۔
”مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ طاہشکی ٹی پلٹی جاری
”جیل قفس چھوڑ آئی ہوں میں۔“
اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے قہقہہ کر
کے گاڑی کی چابی لے گیا جسے اس کے انکار کا راز ہو۔

پھر اسے جس دنیا میں تنگ و کلاں سلاہ دیں سے حوالہ
 دیا گیا تو افسوس میں دوستی کو یک طرفہ سمجھتی ہو؟
 ”ہاں۔ ابھی تک تو۔۔۔“
 ”گور تمہارے یہ بھی کہا کہ لڑائی سے میری محبت بھی
 طرف سے ہے۔“

2012 223

"ہاں۔۔۔ تو خیر ہے۔"

اس کی حالت دیکھ کے بیٹا کو اتار مارا آ رہا تھا کہ اپنی سکرابٹ اس سے چھپانے کے لیے منہ ہی پھیر لیا۔

"کیا تمہیں واقعی پتا لگتا ہے؟" وہ پرسش ہو اٹھا۔

"ہاں۔۔۔ تمہیں نہیں لگتا کیا؟"

اب بیٹا نے اس کے چہرے کے تاثرات جانچنا چاہے۔

وہاں چور ابھرن ہی تھی۔

"پتا نہیں۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید نہیں۔"

پھر اس کے لیے میں ایک استعارہ سا بھلا کر۔

"مگر مجھے یہ ضرور پتا ہے کہ میری تم سے دوستی ایک طرف نہیں ہے۔ نہیں ہونی چاہیے۔ تم کیا کہتی ہو؟"

"اوں۔۔۔ سوچوں گی۔" فنی دقت ہو رہی تھی اسے اپنے اندر کی خوشی چھپانے میں۔

"ابھی بھی سوچنے کی ضرورت ہے؟"

"ہاں۔۔۔ کم از کم ایک رات۔"

بیٹا نے خود کو زیادہ امتحان میں ڈالنا چاہتی تھی۔ نہ اسے اس لیے بس ایک رات کی معاملہ۔ گفتگو۔

"نہیک ہے۔ پھر صبح میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

اس نے سیف کا بیج کے بالکل ساتھ گاڑی رکھی۔

بیٹا بیڑیوں۔۔۔ تو تم جانا کے پورے جانے لگی۔ مگر مجھے یہ ماری کی گاڑی گل کا سونڈ مڑی۔ وہ انیسویں کی جانب جھاک گئی۔

"پسے روٹوں کو کتنا۔۔۔ کے کوں۔"

ماز کے ہونٹوں سے سارے راستے سکرابٹ جدا نہیں ہوئی۔ بیٹا کی سنگت میں گزارے گاتے اسے تھلی کے پورے حیرانہ جھکا کر رہے تھے۔ مگر کمر کے اندر وہ مہر تھی وہ حیران نہ کیا۔

زینتی اس کی فطرت تھی۔

"زینتی۔۔۔ تم۔"

"مجھ سے رہا نہیں گیا ماز میں نے سوچا بلا وجہ کی ضد میں تمہیں کھونٹ لال میں۔ اس لیے تمہاری

بات ماننے ہوئے کارا آئی سے سوئی کہنے لگی حیرت مگر چل رہی تھی وہ نہیں دیر میں تو صرف تمہارے لیے آئی تھی۔ تمہارا کتا کیسے ٹال سکتی تھی میں۔"

"کیوں نہیں ٹال سکتی تھی۔"

"کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

ماز کا سا سکرابٹ۔

"یعنی وہ ٹال نہ سکتی تھی کہ میری تم سے محبت یک طرفہ ہے۔"

"کوئی؟" وہ پوچھی۔

"کچھ نہیں۔ چلو میں تمہیں واپس گھر چھوڑ دوں گی۔"

اور راستے میں زینتی نے کچھ اور بیٹھی بیٹھی پائیں کر کے اس کے دل سے ہلکی کے سارے گلے بھی دھو ڈالے۔

"میں اتنی خوش ہوں۔ اتنی خوش ہوں۔ اتنی خوش کہ مجھ سے خوشی سنبھال نہیں جا رہی۔"

وہ دونوں ہانڈ کھولے گول گول کھوتے ہوئے سارا دل بھرے آسمان کو دیکھتی جا رہی تھی۔

اور وہاں اس کی آنکھوں میں جھلک کر کے کہوں کہ ایک بار باہر آؤ۔

"تو اس نے کہہ دیا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"

وہاں کے سوال پر کھوتے کھوتے رک گئی۔

"سچ نہیں تو نہیں کہا۔"

"تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ تو کہا ہی ہو گا۔"

"نہیں۔۔۔ یہ بھی نہیں۔" اس نے انتظار میں ہلایا۔

"اس نے پورے چار گھنٹے میرے ساتھ گزارے۔ وہاں۔۔۔ چورے چار گھنٹے۔ اور ابھی وہ اور بھی کچھ وقت میرے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ مجھ سے دوستی کو اور مضبوط کرنا چاہتا تھا۔"

"اور تم اس پر خوش ہو گئیں؟"

"ہاں! مگر اس خوشی میں بھی میں آپ سے باہر نہیں ہوئی۔ مجھے تمہاری ساری باتیں یاد تھیں۔ میں نے اس پر بالکل بھی غور نہیں ہونے کا کہ مجھے اس کا ساتھ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ وہ مجھ سے کل پھر ملنا چاہتا ہے۔"

"تمہارے تو فوراً" ہاں کر رہی ہو گی۔" وہاں کے لیے سے دوستی میں جھلک رہا۔

"میں اس قسم سے۔۔۔ مگر منع بھی نہیں کیا یہ کہا کہ میں اس فن کے تھوڑی سی۔"

"مگر تم اسے صبح بالکل فن نہیں کہو گی۔" وہاں نے تنبیہ کی۔

"مگر وہ میرے فن کا۔۔۔ میرے جواب کا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"کر لے۔۔۔ لیکن اسے انتظار اور بے چینی کا مڑا۔"

اسے کتا ہوا اور بیٹا کو حد سے زیادہ کنکور لگا۔

"کوئی نہیں جی۔ وہ مڑا نہیں۔" تکیف ہوتی ہے۔"

"محبت میں تکیف ہی تو مڑا ہوتی ہے۔"

"اوہ اوہ۔۔۔ کئے ہوئے۔" بیٹا نے اسے منہ چڑھا۔

"تمہیں کہیے پتا تم نے کی ہے محبت۔ تم نے کیا ہے۔ کبھی انتظار نہیں ہوتا ہے۔ تکیف میں مڑا؟"

بیٹا کے سوال کے جواب میں وہاں کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا درد اور ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکائی تھی۔

"میں تو کہوں گی اسے فن۔" وہ اپنی ضد پر اڑی تھی۔

"یہ مناسب وقت نہیں ہے بیٹا۔" وہاں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مگر اس پر اثر ہو تب میں۔"

"جی نہیں۔۔۔ یہی ہے مناسب وقت۔ کیا تب تمہیں اسے جب وہ مجھ سے باہر ہو کر کسی اور کی طرف۔"

"تو تب انہیں یہاں تھلا کا بیٹھن۔"

وہاں نے اس کی بات کٹ کر آگاہی سے کہا۔

بیٹا کو غصہ آ گیا۔

"کیا بولا تم نے؟"

"نہیک ہی تو کہا ہے ایک لڑکی کے ذرا الوہر ادھر ہونے سے فوراً" وہ سری جانب لا چکا جاتا ہے۔"

"خدا داں لڑکو کچھ نہ کہت۔"

"کہوں گا۔ سوچ کر ہی اس سے ناراض ہے۔ وہ بجائے اسے مٹانے کے اس سے اپنی غلطی کو دور کرنے کے لیے تمہارے ساتھ چار گھنٹے گھومتا پھرنا رہا۔"

"ہاں تو کیا اس فصول لڑکی کے لیے جوگ لے لیتا، اور بات سنو میں تو اب صبح تک کا انتظار بھی نہیں کرتے وہاں۔۔۔ ابھی اسے فن کر کے مٹانے وہاں ہوں کہ میرے دل میں بھی اس کے لیے وہی لہلہاؤ ہیں جو اس کے دل میں میرے لیے ہیں۔"

"یعنی تمہیں پتا چاہتی ہو کس سے کہ۔"

گاڑی کے پارک پر دونوں بات کرتے کرتے رک گئے۔

گیٹ کے نزدیک ماز زینتی کو اپنی گاڑی سے اتار رہا تھا۔ دونوں کے چہرے پر سکرابٹ تھی۔

(بلی آنیڈ ملان شاہ)

خواتین ڈائجسٹ

یہ طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور نیا



قیمت 550/- روپے

شمارے 37

کتبہ عمران ڈائجسٹ 37۔ محمد زاہد گروہ

مختصر و انجمن



سلیمان صاحب کے دیکھے ہیں۔ حیا اور بد میل۔ بد میل بدھائی کے سلسلے میں امر کا کیا ہوا ہے۔ حیا سلیمان کا ایک برس کی عمر میں تین پھپھو کے بیٹے جہان سکندر سے نکاح ہو چکا ہے۔ تین پھپھو ترکی میں رہتی ہیں۔ بائیس سال پہلے ہونے والے نکاح کو سب جیسے بھول چکے ہیں مگر حیا نے لیے وہ رشتہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آیا فرقان کے بیٹے داؤد کی مندی کے فکس میں حیا اور ارم (آیا فرماں کی بیٹی) کے خالوں کی بیٹی کوئی انگریز پر چلا رہا ہے۔ حیا پرانی کے خول سے ساجر کراٹم تل سے رابطہ کرتی ہے وہاں بھراہر اس کی شکایت پر وہ وہاں بھارت ہے۔ داؤد کی شادی میں سلیمان صاحب حیا کے نکاح کو بھول کر اپنے دوست کے بیٹے ولید بخاری سے شادی کی غرض سے تعارف کو دیتے ہیں۔ داؤد کے والے دن حیا سے بیہوشی کرنا ہے تو ایک خواجہ سراؤدی حیا کی عزت بچاتا ہے۔ فعلی اور اس کا دوست ہنگی حیا کو اکثر اہم مواقع پر ملتے رہتے ہیں۔ حیا پر پٹی بونین کی طرف سے ملنے والے اسکا رشب پر اپنی کان فیلو خود عرفی ہے کے ساتھ ترکی جاتی ہے۔ اسلام آباد جاتے ہوئے فلائٹ میں انیس عثمان شہر ملتے ہیں اور ابو طہس ایر پور میں پر ایک حبشی فون بوتھ پر ان کی دعا کرتا ہے۔ ترک لڑکی ہالے ان کو ہر جگہ گائیڈ کرتی ہے۔ ترک دواہست کے مطابق سر عبد اللہ حیا اور مڈی سے کی دعوت کرتی ہیں۔ وہاں حیا کو پاشا کے متعلق بتا چلا ہے۔ حیا جہان کے گھر جاتی ہے۔ جہاں سو مڑالی سے ملتا ہے تاہم تین پھپھو بہت محبت سے ملتی ہیں۔ جہان کے گھر میں حیا کو مفید پھوس ملتے ہیں۔ جہان تھا ہوتا ہے۔ جہاں کو حیا کے ساتھ

مکمل ناول



اپنے نکاح کا طم ہے۔ اپنے باپ کے خدام ہونے پر اسے شرمندگی ہے۔ وہ لڑائی کی رات حسب معمول حیا کو لے
 والے سید پھر مل کے ساتھ کاندھ پر حیا کے دوست کو تقسیم کر لیں گا اس کا محسوس ہونا ہے۔ وہاں جس کی ٹیلی جلا آکا کو
 پیش بھیجنا ہے تو وہاں "اے آر بی" لکھ ہوتا ہے۔ حیا جہاں اور ڈی ہے جڑ پر یہ ایک اونکی سر پر جاتے ہیں۔ وہاں ایک
 لنگے پر اسے آر پاش لکھ ہوتا ہے۔ ایک بچہ حیا کا پس چھین کر اسی لنگے میں داخل ہو جاتا ہے۔ حیا اس کے پیچھے پیچھے اس
 لنگے میں داخل ہو جاتی ہے۔ حیا اس کی ملاقات عبدالرحمن پاشا کی ماں سے ہوتی ہے۔ وہ حیا کو فاتی ہے کہ پاکستان میں
 ایک جڑی شہر میں پاشا نے پہل بار حیا کو دیکھا تھا اور اسی رات پہل مرتبہ سید پھر مل کیجے سے اور بھرا احمد سے پاشا نے
 کہہ کر ڈیوڑھی پہنا لی تھی۔ بھرا احمد کو عمل کیلانی کا مینا ہے۔ کچھ جہاں کے ادا پھسا کر ترکی لنگے لکھتے تھے پاشا حیا سے ٹکروں کا
 چاہتا ہے۔ حیا کہتی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ پاشا کی ماں وہ دہ کرلی ہے کہ وہ اب کبھی حیا کے راستے میں نہیں کہے گا اور
 اسے اس کا لنگے سے کر جائے دیتی ہے۔ حیا پاشا سے جہاں کے رہنمائی کے لیے دعا کرتی ہے۔ فوٹو کی ہی پر ہوا ہے
 جہاں کے رہنمائی میں توڑ پھوڑ کی خبر ملتی ہے۔ حیا سخت بھڑکتی ہے۔ ترکی میں ڈی ہے مرنی ہے۔ اس کی میت کے
 ساتھ حیا اور جہاں بھی پاکستان پہنچتے ہیں۔ جہاں سے حیا کی والدہ کے علاوہ تمام لوگ سو مری سے ملتے ہیں تاہم نر
 میں سلیمان صاحب کے محل میں بھی جہاں کے لیے پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

موسوں کی شادی والے دن ہنگی حیا کو ڈولی کی طرف سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈیوڑھا ہے جو ایک پہیلی سے بھرا ہوا اور
 بپ تک وہ کھوے کی ڈولی اس دنیا میں نہیں ہو گا۔ وہ جو حیا کو کھولنے کی حیا بہت کو پیش کرتی ہے جہاں سے بھی کتنی
 ہے پھر ترکی لے جاتی ہے۔ ذرا کھولنے کے لیے حیا تقسیم کی مدد لیتی ہے۔ سارے کاندھ پونا مل کر ہر نقاب طس کے کسی
 قلعے میں پوشیدہ ہے۔ سبز عبداللہ کے گھر سے نکلے ہوئے کوئی اسے احوال کر لیتا ہے۔ وہاں ایک روسی حیا کے سر پر گرم گرم
 ویکس ڈالتا ہے اور گرم سنڈوچوں سے اس کے بارڈر who لکھ دیتا ہے۔ حیا اٹھن شیر کے بیٹے سفیر کو فون کرتی ہے۔ وہاں
 کو اٹھن دیتا ہے۔ وہ حیا وہاں سے پاشا کے لنگے پر پہنچ جاتی ہے جہاں حال ہے اور ہمارے اس کی خدمت کرتی ہیں اور اس کی
 دوستی ہو جاتی ہے۔ مختلف پہیلیوں پر رکھے گئے کڈ والے ذبے فائنٹے اور ہمارے ہائی ہیں۔ حیا نے انھوں سے سب سے
 خبریں سوائے بھرا احمد کے۔ بھرا احمد حیا کو بتا رہا ہے کہ وہی ہنگی ہے اور ادا ہے پر پہیلیاں بھی وہی لکھتا ہے۔ جہاں حیا سے
 ملنے ہو کہ ادا آتا ہے۔ باتوں میں حیا کو ہنسا چلا ہے کہ جہاں اور وہاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ وہ وہاں سے
 تھوڑی دیر کرتی ہے۔ وہ اقرار کر لیتا ہے کہ جہاں کو کوئی بھی اور اس سے جہاں کی مدد کی تھی۔ اس کی پہیلی ہو جاتی ہے۔
 مانٹے اور ہمارے کی غیر موجودگی میں حیا پاشا کے کمرے کی ملاقاتی بنتی ہے۔ اسی وقت پاشا کا فون آتا ہے اور اس سے
 کمرے میں جانے پر حیا کو ڈال دیتا ہے۔

قسط 8

پاشا کے سپہ یہ حیا تھا۔ غیر متوقع تھا۔ گو کہ
 وہ عمل کے طور پر اس نے چہرہ فوراً پیچھے کیا تھا اس
 کے باوجود کافی اس کے رخسار کو جھک گئی تھی۔
 "چھپک چھپک۔" (جدی جدی) ہالے
 نے اس کا ہاتھ تھما کر دوسرے ہی لمحے وہ دونوں باہر
 بھاگ گئیں۔
 کل گرم تھی مگر اس نے پاشا کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔
 وہ ہلکا کر چہرہ انھوں سے صاف کرنے کی کوشش رہا
 تھا۔ دوسرے کا ایک اور بیڑا اس کی جانب لیے تھے
 یہ وہ آخری منظر تھا جو حیا نے باہر نکلنے سے پہلے دیکھا
 تھا۔
 وہ نہیں آ رہا جلدی چوہا! ہنگی میں لوگوں کے رش
 میں سے دستہ بٹانے ہوئے تیز قدموں سے بڑھتے
 ہلے بار بار گردن موڑ کر دیکھتی تھی۔

ہرگز رنگ سانسے ہی ہے جلدی سے اس میں
 چل جاتے ہیں اس سے کہے کہ وہاں ہر رنگ۔
 ہرگز نہیں اس پہ کلنی اٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟
 ہے مہربانی۔
 (کہہ کر اسے حیا بتا رہے تھے)
 "تم خود ہی تو میرے کپ کی طرف اشارہ کر رہی
 تھیں۔"

امیر اس طلب تھا کہ کب سے مہر لڑا ہوا ہو ہر رنگ۔
 وہ مزید بحث کیے بنا ہاتھ سے ہلے کو ساتھ کھینچتی
 تھیں رنگ کا کلاس ڈور وکیل کر اندر داخل ہوئی۔ وہ
 دونوں ایسے اندھا دھند طریقے سے دوڑتی آئیں اور
 استغیثہ کٹوٹ پر آکر دم بکا کہ وہاں موجود لڑکا قدرے
 بگڑ گیا۔

ہنگی ہو؟ جہاں نہیں ہے اور۔ "وہ سمجھا دیا وہاں
 جہاں کے لیے آئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حیا نے پھوٹے نظریں
 کے درمیان ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تمہارے بچن میں کوئی
 پانچ ہے جو پھیل گل میں کھتا ہو؟"

"بچن میں سینئر مگر جینری میں بیک ڈور ہے۔
 آپ میرے ساتھ تھیں۔" شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ

دونوں کسی سے پتہ چا رہی ہیں۔ سوچنا کوئی مزید سوال
 کیا۔ اس میں اپنی رہمائی میں جینری میں لے آئے۔

مینیجری سسٹم کی بھی اور اس میں استود جج
 شیفٹ نوو ہوسے ہوسے فریڈرو کے تھے۔ کچھ وہ سرا
 آتھ کہ ڈھکی تھلے۔

"وہ ہوا وہاں۔" اس نے ایک دوا زے کی جانب
 اشارہ کیا اور ایک سلکوک نظر اس پہ ڈال دیا۔ پلٹ

نے نے جینری سے بچن میں کھلنے والا دوا نہ بند
 کیا۔ انہیں پھر قدرے تذبذب سے پھیل گئی کہ دوا زے

"میں بھی باہر نکلنے کا فائدہ؟" گورو سل توڑ بڑھ بیٹھے آئے
 گائب تک بیس بیٹھتے ہیں۔ "وہ ایک گونے سے وہ

پلٹنگ کی کرسیاں اٹھالائی اور کمرے کے وسط میں
 فرش پہ آٹنے سانسے رکھیں۔

"وہیے لب میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے ٹھیکسی
 کیا اختلاف جسکی میں اکثر ایسے ڈرنگ لوگوں سے

نکرو ہو جاتا ہے جو عجیب حرکتیں کرتے ہیں۔"
 "تب ہی میں نے کلنی اٹھی تاکہ وہ فوراً"

وہاں سے پیچھٹ لے سکے۔"
 وہ کرسی پہ نہیں بیٹھی بلکہ دوا زے کے قریب ملی
 آئی تھی۔ دوا زے کے ساتھ ایک چوکور کھڑکی نما
 روشن دھن تھا۔ وہ بہت اونچی نہیں تھا بلکہ حیا کے
 چہرے کے بالکل برابر آتا تھا۔ اس نے روشن دھن کی
 شیشے کی سلائی ایک طرف کی تو ٹھنڈی ہوا اور چھٹی گلی
 کی آوازیں اندر سے نکلیں۔

وہ استقلال اسٹیٹ کی بظنی کل تھی۔ استقلال
 اسٹیٹ کی دونوں جانب بیٹھی ہی گئیں تھیں جو ذرا
 تنگ اور چھوٹی مگر دونوں اطراف سے عمارتوں سے
 گھری تھیں۔

"اب تم مجھے بتاؤ یہ منگنی کا کیا قصہ ہے؟" اور
 سکون کا سانس ملتا تو اسے گورو جوری بات یاد آگئی۔ وہ

پہنچوش ہی کر رہی تھی۔ آگے بڑھ رہی تھی۔
 حیا نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا دی۔ جو تازہ اور

پریشانی وہ تو لڑی رہی تھی محسوس کر رہی تھیں وہ
 جینری کی فضا میں کھیل رہا تھا۔

"قتالی ہے۔" وہ کر رہی۔ آٹلی اور گورو سل پہلی
 آئے تھے۔ ہمارا قصہ سنا رہی تھی۔ بس میں بھی سہرا

راستہ وہاں سے باہر نکلتی رہیں۔
 "مگر وہ جانتا تھا تو اس نے پہلے اعلان کیا نہیں

کہا؟"
 "اب گورو بھی بہت ہے۔ وہ بہت پریشانی اور کم

گورو اتنی ہے۔ اس سے وہ بہت تو قصات میں لے اب
 کم کر رہی ہیں۔" اس نے شالے اچکا کر کہا تھا۔
 کمرے میں آکر ہالے تو سونے چلی گئی۔ کل نور
 چری بھی تب تک سو بھگ تھیں۔ جبکہ اس نے پہلے تو

ایک میز کی ورازی میں اس ڈیبا کی تعریف کی جس میں
موبائل شاپ کے لئے کسی بی بی ایس ڈیبا لکھا گیا
تھا۔ ورازی میں ہی رکھی تھی۔ جملہ وہ چھوڑ کر گئی تھی
پھر پاشا کو کہتے پتا چلا کہ وہ کس سے ہے؟ ہو سکتا ہے اس کی
کسی اور شے میں بھی ڈیبا ہو یا پھر وہ محض اتفاق ہو
لیکن اس کے مذاقات تو کم ہی ہوتے تھے اتنا تو اسے
یقین تھا۔

ہو چکی ہے وہ ہر شے کو دہن سے جھٹک کر اپنا پیل
پاکس نکل کر بے قد سلا باہر آگئی۔ بالکونی کی بنی
اسے دیکھتے ہی جل اٹھی۔ وہیں پہلے رہنے پہنچے تھے گئی
اور پیل پاکس چرسے کے سامنے لگا۔
چاروں سیلیاں ایک چوکور کی صورت میں پاکس کی
چاروں اطراف پر لکھی تھیں۔ چوکور سکوائر نامی قسم
اسکوائر۔

وہ جتنے دل اور غم تھیلیوں کے ساتھ وہ سلائیڈز
اوپر نیچے کرتے تھی۔ Taksim کا آخری حرف
ایم جیسے ہی جگہ پہنچا۔ ملک کی آواز کے ساتھ پاکس
کی ورازی پر تنگ کی طرح جا ہر نکلی۔
وہ پناہ لگ جھپکے بے یقینی سے پاکس کے اندر دیکھ
رہی تھی۔ اس نے بھر بھر کا پیل جل کر لیا تھا۔ وہ
پاکس کھول چکی تھی۔

وراژی میں ایک سفید مستطیل کھڑا تھا۔ وہ کھڑ
پوری ورازی پر فٹ آ رہا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے پکڑ
کر کھڑ باہر نکالا۔ بالکونی کی بدھ صبح روشنی میں وہ کھڑ پہ
لکھی تحریر بنا کسی وقت کے پڑھ سکتی تھی۔

Two full stops under the key
(چابی کے نیچے دو فل اسٹاپس)
اس نے بے یقینی سے وہ سطر پڑھی جو کھڑ کے
اوپر ہی تھی۔ یہ لکھی تھی۔ کیا یہ کوئی مذاق تھا؟ پیل
فل؟ اس کھڑ کے کھڑے کے لیے اس نے اتنی سخت
کی؟

کھڑ کے چاروں کونوں میں چھوٹا چھوٹا سا جھ
(6) کا ہندسہ بھی لکھا تھا۔ اس نے کھڑ پلٹا۔ اس کی

بشت۔ بالکل وسط میں ایک بار کھڑا چھوٹا فٹ
ایک ایک کی لکیریں اور فن کے نیچے ایک میز پر
تھیں۔ ڈوشن اور فن کت۔ دوسری آسٹیا کے لعا میں اور
وہ اس کے کونوں میں اکثر ایسے ہی بار کھڑ چھپے ہوتے
تھے اس بار کھڑ کھڑ کیا کہے گی؟

مگر میں پاکس میں نہ اور کسی تھا۔
وراژی زمین سے ایک سو سے کی لمبی اور عریض
کی چابی چلی تھی۔ اس نے دو انگلیوں سے چابی کو
تو وہ جو کھڑ کے محض ایک قطرے سے چابی کی تھی
اکھڑ کر حیا کے ہاتھ میں آگئی۔ حیا نے دیکھا چابی کے
نیچے موجود لکڑی پر وہ موٹے موٹے نقشے لگے تھے اور
فن کے درمیان لکھا تھا۔ Emanet

پھر کوئی پیل؟ پھر سیلیاں؟ چابی تھو وہ فل اسٹاپ؟
وہ فل اسٹاپ اسے فل لگنے لگا اب وہ ان کا کیا
کے؟ کاش! وہ یہ سب اٹھا کر بھر احمد کے منہ پر
دے سکتی۔

چابی کس شے کی تھی؟
کسی کمرے، کسی گاڑی، کسی گھر کی؟ اگر پہاڑ
کھودے۔ یہ مرا ہوا چاہی لکنا تھا تو بھر تھا وہ اسے توڑ
کر ہی نکال سکتی؟ چھل اٹھ تھا۔

اس نے فٹ سے ورازی بند کی تو وہ پھر باہر نکل
آئی۔ اس نے دوبارہ ورازی کو بند دھکیلا اور اسے
پکڑے پکڑے سلائیڈز اوپر نیچے کھینچے۔ کھڑ بار بار
حتی لفظ بگڑ گیا۔ پاکس پھر سے لاک ہو گیا۔ اس نے
ہاتھ بٹایا تو ورازی باہر نہیں آئی۔

واپس بستر پہ بیٹھتے ہوئے وہ بے حد لڑھ رھ کر
ایک چابی سے کوئی اور پیل پاکس کھلے گا اس سے کوئی
اور اس سے کوئی اور...
کیلئے ساری زندگی مقفل تھانے ہی کھولتی رہے گی؟
اچھا! فل تھا۔

پھر ورازی سے یہ سوچیں جھٹک کر پاشا کے ہارے
میں سوچتے تھی۔ ایک مطمئن مسکراہٹ خود بخود اس
کے لبوں پر بکھر گئی۔

بہت اچھا کیا اس نے کافی ٹاٹ کر۔ وہ اسی قتل
حقیقت میں اپنے دو بار پاشا کو دیکھتے ہوئے اسے
تسلو پر سے بھر لگا تھا۔ اس کا تو کافی ہو گیا تھا۔ چہ فٹ
سے بھی اور اس میں بھی مناسب تھا۔ آنکھوں پر بند
لوہم کی گھڑاگا سے کور مارا اور اسی پر بھی شیو۔

وہ دو بار دیکھتے تھے اس ایسا تھا کہ متقابل اس کی
عزت کرے۔ مگر اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ پلٹ سم تو
وہ اسے بھی نہیں لگا تھا۔ وہ اس کی شخصیت میں کوئی
محر تھا جس کی باتیں ہمارے کرتی تھی اور دیکھنے میں
میں ایک درمیانی درجے کا کوئی لکھا تھا یا شاید
استقلال اسٹریٹ میں چل قادی کرنے کے لیے اس
نے خود کو ایک عام کوئی کی طرح ڈریس اپ کر کے کیمو
ڈن کر رکھا تھا۔ شاید یہی بہت ہو۔

وہ ان ہی سوچوں میں گہری کب خیر کے سمندر میں
لوب گئی تھی اسے علم ہی نہ ہو سکا۔



اس نے چابی کی ہول میں گھمائی اور پھر الداری کا
پٹ کھولا۔ سامنے والے خانے میں جہاں چند کھڑا فٹ
کے اوپر اس نے جلی ہوئی اطراف والا پیل پاکس رکھا
تھا۔ اب وہ وہاں نہیں تھا۔ اس کے ذہن نے کھوں
جگہ گزروں سے کڑواں مانیں۔ کھڑے ہی پیل وہ پٹ بند
کر کے باہر آیا تھا۔

”ہمارے گل۔“ سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑے
ہو کر اس نے توازی دی۔

ہمارے کافی دھول سے اس توازی کی سطح تھی ہر
عبدالرحمن کو اپنی مصوبیت میں الداری کھولنے کا موقع
شاید آج ملے تھا۔ اس لیے اب توازی سن کر وہ جوتی دی
ہوئے تھانے جینھی تھی۔ تہجداری سے اچھی اور سر
جھٹکے موبائل ورازی میں بیڑھیاں چڑھنے لگی۔

تیسری منزل کے دہانے پہ پہنچ کر اس نے جھکا سر
اٹھایا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی ہوئی

سے آیا تھا۔ سوئی کی ٹائٹ ڈھیلی کیے ٹوٹ کے بغیر
تھلا سے متوجہ پا کر عبدالرحمن نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔
”کیا ہمارے گل مجھے جانا پسند کریں گی کہ وہ پیل
پاکس کھلے؟“

”میں پسند کر رہی تھی۔“ ہمارے نے مدہ کی سے
اثبت میں گھٹنا دلی۔ ”میں نے وہ حیا کو واپس
کر دیا۔“

وہ چند لمحوں کے لیے ہی نہیں سکا۔ اس کا چہرہ
تازہ تھا۔ مگر ہمارے جانتی تھی کہ اسے چپکا گا ہے۔
”کس کی اجازت سے؟“

”وہ تمہاری چیز نہیں تھی عبدالرحمن! جس کی
تھی میں نے اسے دے دی۔“

وہ چند لمحوں سے دیکھا تھا۔ پھر اس کے سامنے ایک
بچے کے گل فرنگ پہ میٹھا اور سیدھا ہمارے کی آنکھوں
میں دیکھا۔

”کیا تم نے مجھ سے رازداری کا وعدہ نہیں کیا تھا؟“
”میں رحمن کے بڑے کو خوش کرنے کے لیے
رحمن کو باہر نہیں کر سکتی تھی۔ میں جموٹ نہیں
چلی سکتی تھی۔“ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھیک
کرتی تھیں۔

”جو جتنا اچھا جموٹ ہوتا ہے ہمارے! یہ دیکھا اس کی
ہوتی ہے۔“

”لیکن پھر اس کی آخرت نہیں ہوتی یہ ماننے گل
کھتی ہے۔“
وہ کھلی ابرو میں مسکرایا۔

”پھر تو مجھے تمہارے وہ سرے وہ دے گا بھی اللہ ہاں
نہیں کرنا چاہیے۔“
”میں! اہم واقعاتی چیز ہے؟ کسی سے تمہارے
بارے میں بات نہیں کر سکتے۔“

”میں! ایک اور وعدہ بھی تھا ہمارے درمیان
ہمارا الفل سیکرٹ۔“

ہمارے کے کندھوں پر ایک دم بہت بھری ہو جھ
سا آکر۔ اس نے اسی سے عبدالرحمن کو دیکھا جو

ظہر سال ہی دیکھ رہا تھا۔ ست پہلے عبدالرحمن نے اس سے حد لیا تھا کہ اگر وہ مر گیا تو اسے جتان بھی دے گی اور اس کی میت کو اس بھی کرے گی۔
 "تم کچھ بولے تو دل بہار سے گل پہ اعتبار کر سکتے ہو۔
 پورا دلدار بلکہ پورا ترکہ جس میں چھوڑ دے، مگر بہار سے گل جس میں بھی نہیں چھوڑے گی۔"
 "اور ہو سکتا ہے کہ ایک وقت یہاں آئے، جب تم مجھے پہچانے سے بھی انکار کر دے۔ تم کو کون عبدالرحمن کہیں گا عبدالرحمن؟"
 "تم ایسی باتیں مت کیا کرو، مجھ کو ہونا ہے۔"
 "اور اس بار سے میں بھی مانتے گل کی کوئی کھلوت ضرور ہوگی، خود را سا مسکرایا۔
 "اس کو چھوڑ دے تو بہت کچھ کہتی رہتی ہے۔ میں دوسرے کھن سے نکل دیتی ہوں۔" اس نے ناک پر سے کبھی اڑا کر گویا عبدالرحمن کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔
 "وہ تو مجھ سے اتنی خفا ہوئی تھی کہ میں نے تم سے شادی کی بات کہیں کی۔" لعل نے بھر کو رک کر ہمارے ذرا تشویش سے بولی۔ "تم مجھ سے شادی کو گے یا عبدالرحمن؟" ساتھ ہی اس نے گردن موڑ کر ارد گرد دیکھ بھی لیا۔ مانتے قریب میں کہیں نہیں تھی۔

وہ میرے سے نہیں ہو۔
 "مگر میں تمہاری نئی دوست میں دلچسپی رکھتا ہوں۔"
 "وہ تم سے شادی کیوں کرے گی؟ وہ اپنے کزن کو پسند کرتی ہے اور اس کا کزن بہت دیندہ سم ہے۔"
 ہمارے کو جیسے بہت فخر آ رہا تھا۔
 "اور تمہاری دوست کو عبدالرحمن جیسا کوئی بد صورت نہیں لگتا ہوگا ہے؟"
 "یہ کچھ ہے اسے تم بالکل پسند نہیں ہو مگر مجھے تم سے زیادہ کوئی دیندہ سم نہیں لگتا۔"
 مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہمارے نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"منو، حیا کے بدلے باکس ہے جو پہلی کھدی تھی، اس نے کبھی بھی؟" وہ جاتے جاتے ذرا چونک کر دیکھ پڑا۔
 "مجھے کبھی علم ہو سکتا ہے؟ میں نے تو اس کی عکس اس باکس پر عکس نہیں کیا تھا۔"
 "سیر اور اصل سے کبھی باکس کی پہلی کھدی کی پہلی بالکل ایک سی لکھی تھی، تب ہی جیسے مجھ سے پوچھا کہ میری پہلی کس نے لکھی ہے؟"
 وہ اٹھتا۔ "چونکہ اس نے یہ محسوس نہیں کیا کہ یہ بات نظر انداز نہیں کر گیا؟"
 "پھر تم نے کیا کہا؟ بلکہ تمہارا تم نے کہا ہو گا کہ عبدالرحمن کے پاس ہر کام کے لیے بہت سے ہندے ہوتے ہیں۔"
 ہمارے کانہ کھل گیا۔ "جس میں کیسے پتا؟"
 "ہمارے گل! میں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ اچھے طریقے سے جیسے جانتا ہوں۔" وہ کہہ کر کا نہیں۔ ہمارے نے آزدی سے اسے جلتے دیکھا۔
 اس سے خفا تھا، وہ جانتی تھی مگر مانتے کہتی تھی ہندو خفا ہو جائے بغیر ہے جس رخصت خانہ ہو۔
 "آؤ!" اس نے سر نہ ہلکا۔ "مانتے گل کی کہو عین!"

تو کاریم اسٹوڈنٹس سے کچھ کچھ بھرا تھا۔ اس کی بل کا بیج جاری تھا۔ کورٹ میں لڑکے ناراض کید اچھالتے اور حرا ہر بھاگ رہے تھے۔ مانتا ہوں کی تھیں بھی کینڈہ لگی تھیں۔ مخصوص شور، ہنگامہ اور رش۔
 حیا ان سب سے بے نیاز ہونا بیگ تھا۔ کرسیوں کی قطاروں کے درمیان۔ رستہ بتاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اچانک قریب تھے اور عین دونوں وہ اتنی مصروف رہی تھی کہ متعجب سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ابھی لطیف نے بتایا کہ وہ کئی روز میں ہے تو وہ یہاں

آئی ہوئی ہے ابھی ابھی فلسطینی لڑکوں سے بہت جیت میں ذرا احتیاط کرتی تھی۔
 "نہیں! تو یہی ہی ڈیفنٹ اور بھائیوں جیسے تھے۔
 مگر وہی نہیں رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا اس کا راز ہے۔ اس کے نام کے ساتھ کوئی لفظ بہت جڑی تو ہر نام اس کا اس کا راز ہو گا۔ اس لیے اس کی کوشش ہوئی کہ وہ متعجب یا حسین وغیرہ سے تخیل میں نہ ملے بلکہ کسی ایسی جگہ پہلے جہاں سب سانسے ہی ہوں۔
 وہ تیسری قطار میں بیٹھا تھا۔ ٹاپیں کھیل پہ مرکوز کیے ہوئے رہے ہو کر جیناں بھی کی طرف متوجہ تھا۔ اس کے بائیں طرف دو کرسیاں خالی تھیں۔ وہ ایک کرسی اپنے اور اس کے درمیان چھوڑ کر بیٹھ گئی اور ایک سے پہلے باکس لٹل کر اس کے سامنے کیا۔ وہ چونکا۔
 "میں نے اسے کھول دیا۔ اس کا کواڈ" مانتے تھا۔
 "کیا تم کے میری مدد کر سکتے ہو؟"
 "اس سال ماں تمہیں دیکھا ہوں۔" متعجب نے ہلکا کھولی اور کانڈ پہ لکھی تحریر پڑھی پھر اسے پڑا۔
 "بار کواڈ؟ بار کواڈ تو اس کے یہ کتھیں پہ لگا ہوتا ہے؟"
 اسے کوئی مشین ہی ڈی ٹیکٹ کر رہی ہے۔ یہ بار کواڈ بھی کئی مشین کے لیے ہے تاکہ وہ اسے پہچانے، مگر کواڈ؟ وہ سب شاید اس سطرے کوئی مدد ہے۔
 ہرست کا ہڈ پلٹ کر سطرے لگا پھر ہی میں سر ہل کر دوازے سے ہال انہیں۔
 "بھلا ہر لڑکی لگتا ہے کہ یہ سطر اس ہال سے لکھا ہے؟"
 "نہیں اور اس خط کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔"
 "اور یہ لفظ کسی نام کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟"
 "emancipate" کہتے کہتے ہیں؟" اس نے ذرا بھینچے سے پوچھا۔
 "یہ لائنٹ ہے نا ہمارا والد لائنٹ، ترک میں بھی اس کو لکھی کہتے ہیں۔ اس سے اختیار گیری سائنس اٹھ کر نکلتی۔"

ایک تو ترک اور اردو کی مماثلت ہے۔
 "مجھے لگتا ہے حیا کہ اس نے تمہاری کوئی امانت کہیں لاک لگا کر رکھی ہے اور اس کی چابی جس میں دی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی عظیم الشان سائنس ہو یا کوئی براؤننگ گاڑی۔" وہ اپنی بات پہ خود ہی دیر سے سے ہنس رہا۔
 "مجھے یہ پتہ بھی نہیں لگتا۔"
 "ہو سکتا ہے اس باکس میں کوئی تلوار لکھائی ہو اور لڑکی کھانے سے۔"
 "میں کوشش کر چکی ہوں۔ اس ایک لفظ لائنٹ کے سوا اس میں کچھ نہیں لکھا ہے۔" اس نے باکس میں ساری چیزیں واپس ڈالیں اور اسے بند کر کے جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ متعجب مزید اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا، جب بھی کرنا تھا اسے خود کرنا تھا۔
 "اتھاروں کے بعد کچھ سوجھ بوجھ کی تو اس قے کو بند ہی کر دیتے ہیں۔" جواباً متعجب نے مسکرا کر شائے اچکا دیے۔
 وہ گزرتے سے ٹکل رہی تھی جب اس کا موبائل بجلا۔ لہلہ اس وقت تو فون نہیں کرتی تھیں پھر؟ اس نے ایک سے موبائل نکال کر دیکھا۔ یہ وہی پاکستان کا نمبر تھا جس سے پہلے بھی میجر احمد نے فون کیا تھا۔
 "پہلو!" کرسیوں کی قطار سے راستہ بتاتے وہ آواز اوتھا بولی تھی۔ ارد گرد کے شور میں میجر احمد کی آواز بمشکل سنائی دے رہی تھی۔
 "اسلام! کیا کہی ہیں تب حیا؟" وہی نرم، خوبصورت، گھبراہوا، انداز۔ اس سے چڑنی نہیں تھی بلکہ ذرا احتیاط سے بات کر رہی تھی۔
 "وہیکم السلام! میری خیریت تو کپ کو چا چکی ہی رہتی ہوگی۔" وہ دیر کا ریشہ میں خیر خیر چاتی جا رہی تھی۔ جواباً وہ دیر سے سے ہنس رہا۔
 "اب ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ کو لگتا ہے مجھے آپ کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے؟"
 "مجھے لگتا تو حیرت کی ہے کہ آپ کو اور پاشا کو میرے

عدو کوئی کام نہیں ہے۔

”جیسے میں ہیں شریعت؟“

”کوئی مذاق کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ؟ میں کتنی پہیلیاں بوجھوں؟“ اس نے لہجے سے انداز میں کہتے ہوئے اپنا ٹیگ اتار کر سہانگی کی غماز کی بجائی میز میزوں پر رکھا۔

”میں معذرت خواہ ہوں۔ بعض چیزیں اتنی حساس ہوتی ہیں کہ انہیں بہت راز داری سے کسی کے حوالے کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ غلط فہم کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ ویسے ایک کہنے کا کام تھا آپ نے ہی اتنے دن لگائے۔“

”خیر! آپ کا پل تو میں حل کر ہی لیا کی فکر کیا کارنی ہے کہ ”خزم میں مجھے ”مہر پل قل“ کے الفاظ میں میں کے؟“ وہ وہیں میز میزوں پر بیٹھ گئی تھی۔ استنبول کی دھوپ ارد گرد بنو دار کو سنہری پن عطا کر رہی تھی۔

انتا خیر بنجیدہ سمجھتی ہیں آپ مجھے؟“

”کیوں؟ کیا آپ وہی نہیں ہیں جو خواجہ سرائین کر مجھ سے ملے تھے؟ کبھی شرمندگی نہیں ہوئی آپ کو اس بلستہ؟“

”شرمندگی کیسی؟ میں خواجہ سرائین کر آپ سے ملا ہی تھا خواجہ سرائین کر کوئی محفل تو نہیں رکائی تھی۔“ وہ شدید ہلکا ہوا تھا۔

”مگر خواجہ سرائین اے خود بہت عجیب ہے۔“
”کیوں؟ کیا خواجہ سرائین نہیں ہوتے؟ کیا وہ حالور ہوتے ہیں؟ میں نے ان کا طبع اپنا تھا مگر آپ کے لیے نہیں۔ میں تو اپنے کام سے وہ سب متاثر۔ اس اسی دور میں۔ آپ مل گئیں۔“

”آپ اپنے کام خواجہ سرائین کر نکلاتے ہیں؟“ وہ دم بخود ہو گئی۔ چھٹی دھوپ کوئی سولہ بجنے لگی تھی۔

”جی ہاں میرے آفس آئیے گا۔ میں آپ کو اپنے کام کی تفصیل بتاؤں گا۔“
”آپ کے آفس میں بھی نہیں آ رہی ہمدرد اللہ“

”کیسے دھوکا دیا؟“

”جو لکھا ہے میں پہ خود کریں۔ وہ اولیٰ کی امانت ہے اور وہ اسی کو لانی چاہیے جو اپنی حلقہ جیتوں سے خود کو اس کے قاتل ثابت کر سکے کیا آپ اتنی باصلاحیت ہیں؟“

”سرا لئی؟“ اس نے جتا کر کہتے ہوئے غل غل کر دیا۔ سہانگی کی دھوپ ابھی تک میز میزوں پر اس کے قدموں میں گر رہی تھی۔

کینٹ کی انتظار گاہ میں بعضی سی شکل چھائی تھی۔ وہ کھڑی پہ خاموش سی بیٹھی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی۔ پہلے کے تودے سے اس نے ایک ڈرائیو جسٹ سے وقت لیا تھا اس کے بل بظاہر ٹھیک نظر آتے تھے اور عاتقے کے ویسے گئے لوٹن کام کر رہے تھے مگر ہاتھ لگانے پہلے سے ذرا دیر لگتے اور سر کی جلد جو خراب ہوئی نہ الگ۔

حیات نے اپنا برس ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔ ڈرائیو ابھی دور میں ہی تھی اب وہ اسے استنبول میں اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتی تھی۔

تبھی اس کے ساتھ والی نشست پر ایک سیاہ عیلا والی لڑکی آئی تھی۔ بیٹھتے ہی اس نے چند گہرے سانس لے کر غصے سے بھری نظر سے غائب کے اندر جاہر تھپتھپاتے لگی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ پیدل آئی ہے اور بہت جلد چلی گئی ہے۔

دارالعلوم کی طور پہ لگا ہوں کا زور ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ جانے کیوں کن کل وہ وہیں اور غائب والی لڑکیوں کو بہت غور سے دیکھا کرتی تھی۔ استنبول میں ایسی لڑکیاں بہت کم ہی نظر آتی تھیں البتہ اسراف اور لڑکے اسکرٹس والی مل جاتیں۔ اکثریت ایسی لڑکیوں کی ہوتی جن میں سے ایک اس کے سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔ مختصر اسکرٹ بنا آستین کے بلاؤز اور خوب صورت جلی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھیں پہ پھیلا میگزین پڑھنے میں مگن تھی۔ استنبول کی

حیات لڑکی۔ اس کے اسکرٹ کارنگ نارنجی تھا ہاتھ لگے اور کراؤن فش جیسا ہواں دلوں کاؤچ کے درمیان رکھی ہوئی۔ سبے انکوریٹ میں جبر ہی تھیں۔ شخصی شخصی ی نارنجی پھیلیاں جن کی زندگی بہن کی سانس اور جن کی تو اس سبب لائی تھی۔

عیلا والی لڑکی اب پرس کھول کر کچھ تلہ لٹی کر رہی تھی۔ حیات ابھی تک اسے ہوں ہی دیکھ رہی تھی۔ دلتا اس نے جس سے ایک لورن جو اس کی بول نکلی اور اس کا مسکن اتار پھر ڈرائی اور حیات کی طرف بھاڑی۔

”جو تھیک ہو۔“ وہ ذرا سنبھل کر سیدھی ہوئی۔
”لڑکی سکرٹ پر تل میں اسٹرا ڈالنے لگی۔ سیاہ نقاب میں اس کی سرکسی نکلیں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔
”آپ جیسے یہ عیلا کرتی ہیں؟“ وہ نہیں سکی اور پوچھ ہی پڑی۔

”ہوں۔“ نقاب تلے ایک گھونٹ لیتے ہوئے اس نے لڑکائی میں سر ہلایا۔

”آپ کو کھن نہیں ہوتی اس میں؟“
”میرا دل اللہ نے اس کے لیے کھول دیا ہے سو کھن کیسی۔ اور ویسے بھی مسلمان لڑکی تو بہت مضبوط ہوتی ہے۔“ اس نے بول کاؤ مسکن بند کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر مجھے تو نقاب کا سوچ کر ہی کھن ہوتی ہے۔“

”مہو سکتا ہے یہ سب صرف آپ کے ذہن میں ہے۔“

”آپ کے ذہن میں بھی ایسی باتیں آتی ہوں گی۔“ وہ اس کی طرف رخ موڑے فیروز لوی طور پہ جھٹ رہی تھی۔

”عملاً بہت بڑے ٹکے ہمارے قسم کے لوگوں کے ہمارے بیٹھے آپ کو احساس کتنی نہیں ہوتا؟“ ساتھ ہی ٹانگ لگاؤ اس نے انکوریٹ کے سارے بیٹھے ترک لڑکی پہ لڑکھائی تھیں اپنے میگزین میں مگن تھی۔

”مہمت مارڈان قسم کے لوگ تو میرے جیسے ہی

ہوتے ہیں۔ مثلاً میری شریعت تو دنیا کی سب سے بڑا دن (جدید) شریعت ہے۔ احساس کتنی تو انہیں ہونا چاہیے جو جاہلیت کے نسلے کا تہنہ کرتے ہیں۔“
”جینج بھگت ہو؟“
اسے اندازہ تھا پھر بھی اس نے لٹی میں گردن ہلائی۔

”تہنہ جہ اول۔“ مجھے سمجھو؟“ اس لڑکی نے لمبے بھر کو سوچا۔ ”تہنہ یعنی کہ وہ اپنے اپنے طور پر تو دیکھے ہوں گے۔ بہت العرب بہت جہاد غلط ہے۔“
”پہل تصور میں۔“

”جس باسی بہن سے یہ تہنہ نکلا ہے۔ کسی شے کو اتنا نمایاں اور خوب صورت بنانا کہ دور سے نظر آئے۔ وہ صدیوں پہلے یوسف علیہ السلام کے مصر کی عورتیں تھیں جو تہنہ کرتی تھیں۔ وہ ابو جنبل کے عرب کی عورتیں تھیں جو لیب و نہنت کر کے عروں کے درمیان سے گزرتی تھیں۔ اگر استنبول کی لڑکیاں ان زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی بیوی کرتی ہیں تو وہ ہمارے تو نہ ہوں۔ مثلاً ہمارے تو میں ہوں۔ تم ہو۔ پھر کسی شرمندگی۔“ اس نے رمان سے کہتے ہوئے شلے لپکائے۔

”محمد اللہ! یہ اچھا؟“ وہ دم بخود ہو گئی۔ (حزکوں کا اثر تھا۔ وہ بھی اللہ اللہ کہنے لگی تھی۔)
”جیسے لکھا ہے تم بھی نقاب نہیں پہن سکتیں؟“ وہ اب نشے سے ڈھیلے پہ آئے بیٹھے کے اصرار سے تھپتھاپ رہی تھی۔

”شاید نہیں۔ میری دوستوں اور فرسٹ کزنز میں سے کوئی نقاب نہیں پہنک۔“ اسے شہلا یاد تھی مگر وہ اس کے سیکڑ گنت کی بڑی تھی۔
”تو تمہارے دل بڑا ڈھیلے والی ہے لڑکی بن جاؤ۔“
”میں سے کیا ہو گا؟“ جواب میں اس لڑکی نے

”سکرٹ ڈھولے شلے اچکائے۔
”مہو مار ڈور کے“ غری سولہ پہ اپنا پاس رکھ دیا ہے اور ساری رات ساتھ سے ڈھولے کے بلاؤز اف نہیں کرتا اس کی اس ایک رات کی نیکیاں عربین

خطاب کی زندگی بھر کی نیکیوں کے برابر ہوتی ہیں۔ مگر یہ شخص ابو بکر بن سلیم ابو بکر صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ پہلوں میں پھل کرنے والا۔

اس کی باری پکاری گئی تو وہ چوکی۔ پھر سلام کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اب اس لڑکی سے کچھ نہیں کہنا تھا۔ اس کا ذہن صاف تھا۔ ان کراؤن فٹس کے تاریخی بین کی طرح شفاف اور صاف ہنجرہ جاتی تھی کہ وہ بھی اپنا چہرہ نہیں لپیٹ سکتی۔ اس تصور سے ہی اس کا دم ٹھنکا تھا۔

انکو یہ کہانی میں اسی طرح چلے گئے اور مٹ رہے تھے۔ وہ نون چمیلیاں بن گئے ایک دوسرے سے پیچھے وائے میں دوڑ رہی تھیں۔ وائے جس میں آغاز اور اختتام کی تقریق مٹ جاتی ہے۔



استقلال جدیدی میں معمول کی چل پھل تھی۔ ٹنڈی سی دھوپ کی کی دونوں اطراف میں اسی قسم کے دروازے پر گڑھی تھی گویا سنہری رقبہ ہو۔ وہ جن کے ساتھ ساتھ چلتی گئی میں آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اتفاق ہوا تھا کہ اس نے سیاہ اسکرٹ اور سیاہ اسکرٹ کے ساتھ گرے بلاؤز پہن رکھا تھا اور جن کے سیاہ جینز پہ گرے تو مٹی آستین دلی فی شرت۔ کج جب وہ ادھر تک تھی تو اس نے خواہش کی تھی کہ وہ استقلال اسٹیوٹ کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اسے اس کی کانت دلنا تھا۔ اب وہ اسی لیے چلتے جا رہے تھے۔

”کچھ پیو گی؟“ جان نے رگ کر پوچھا۔ پھر جواب کا انتظار کیے بنا ایک کینے میں چاگیا۔ جب باہر آیا تو اس کے ہاتھوں میں وہ سپورٹیل گلاس تھے اور بھل میں بول شہد اخبار۔

”شکر ہے“ اس نے مسکراتے ہوئے گلاس نکالا۔ بھاگ سے بھاگنا کہ وہ ڈاک ٹارگیٹ اور انٹاس کی دیکھی خوشبو اور دور تا قسم اسکو اتر سے اٹھتی ہڈ پوس کی مسک۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سانس اندر

کھینچی۔ جان سکندر کا استقبال بہت خوب صورت تھا۔

”میں آچھا ہے۔“ وہ خود ہی تبھو کر ہنسونے لگا رہا تھا۔ جان نے اس کے گلاس پکڑے ہاتھ کو رکھ دیا۔ اس نے وہ ہلکے جینز نہیں پہن رکھا تھا۔ یہ اس کی مٹکی کے بعد پہلی ملاقات تھی اور اس میں اس کی انا تو تھی کہ اسے خود سے کبھی اس موضوع کو نہیں چھیڑنا تھا۔

”تم اس روز وہ دلہہ تلی تھیں؟“ بیکس ڈار کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟“ وہ سرسری انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ”اس کے دو گھر سے اسے پوری رپورٹ دی ہوگی۔“ ”تو اب اس کے پاس تمہارا تھا۔“ عائشہ کل نے یہ شک کہ تھا کہ کج سے بہتر جواب کوئی نہیں ہوا مگر اس وقت عائشہ کو یہ مارا کچھ رہی تھی

”کوئی جانے والا نظر آیا تھا۔“ ہالے اور میں نے اس سے گرائے سے بہتر سمجھا کہ وہ سری گلی میں ہے جائیں ویسے بھی شیش کے تے تک ہمیں انتظار تو کرنا تھا۔“

”مگر کبھی کبھی گلی میں کوئی جانے والا ملے اور ہمیں استقلال میں اتار دے تو بے شک ہر گز کنگ کے اسی دروازے کو استعمال کر لیں۔“ اس کے چھپی طرف کھٹی گئی ہے۔ ”گلاس خالی کر کے جان نے کچرے دھ میں اچھال دیا۔“ جیسا کہ ابھی آ رہا تھا اس بلتی تھا۔

”تم بتاؤ! ہمیں لندن کب جانا ہے۔“ وہ کافی ہنسے گاؤز میں بول رہی تھی۔ قریب سے گزرتے تاریخی صحن ڈرام میں سوار سیاہوں کا گروہ اور کئی اور گروہ بھاگ بھاگ تھا جس کے باعث کلن پڑی گاؤز سٹالی نہ رہی تھی۔

”اگے۔“ کا سوچ رہے ہیں۔ شب تک تم میں غاسا ہوگی۔ بلی اس صحن اسٹوڈیو میں کس مارے ہیں۔“ ”بہر مکی میں ہی گھومیں پھر میں کے نور پھر قطرہ ورس وغنی وہ فیہ جار ہے ہیں۔“ ”تو تم ہمارے ساتھ لندن چلو۔“ پھر بولی میں

پلیس اگر کیئر نس کو انا لو پنا کسٹڈی جلی جانا۔“

”میں اپنی دوستوں کے ساتھ ہو کر گاؤز میں رہنا چاہتی ہوں۔“ ”تو کہہ جان کے ساتھ لندن جانے کا خیال کلن پر کشش تھا مگر اس نے فوراً ہی بھرنا مناسب نہ سمجھا۔

”میں ڈیوٹ ٹیل می کہ تم ابھی تک وہی رپورٹ دے رہی ہو۔“

جان نے ہاتھ ہڈ کر گویا تاک سے کسی اڑائی۔ جی نے گروں پھیر کر اسے دیکھا۔ ہالے کی دوست چھپنے کے لیے تیار تھی مگر جان کے منع کرنے پہ اس نے وہ رپورٹ بند کر دی تھی۔ آج سکاٹل جہاں اس مارے میں سوچ رہی تھی تو اسے رکا اسے یہ سب کس با حلو شخص سے شیئر کرنا چاہیے اور پھر اچھے سے بد کر کسی اعتبار میں تھا۔ تب ہی صبح اس نے پھر احمد کو فیسٹ کیا تھا کہ وہ بات کرنا چاہتی ہے مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

”نہیں! میں نے اسے ذہن سے نکال دیا ہے۔“

”مگر کس؟“ ”وہ ایک دم اس کے بالکل مقابل آکر“ ”ا“ یوں کہ جیسا کہ اس نے کا سطر چپ کیا۔ وہ نا بھی ہے اسے کہنے لگی۔

”بعض دفعہ جو ہو سکتے ہیں وہ ہو نہیں رہا ہوتا اور وہ رہا ہوتا ہے۔ وہ ہو کچھ نہیں رہے ہوتے۔“

”کہتے ہوئے اس نے بول شہد اخبار کھولا اور پھر اسے لیٹے لگا یہاں تک کہ کون آکس کریم کی سنہری ٹون کی طرح اس نے اخبار کو بدل کر دیا۔ پھر اس نے جیسا کہ اس نے اپنے لیے ہاتھ پھیلایا۔ جیسا۔ نا بھی سے گلاس اسے پکڑ لیا۔

”ایک جج ہوئی ہے“ نظر کا دھوکا لوگ وہ نہیں تھے۔ وہ خطر آتے ہیں اور جو وہ ہوتے ہیں اسے وہ اور کہتے ہیں۔“ ”اس نے گلاس کون کے منہ میں چھل دیا۔“ ”جس دھار کی صورت اخبار کی کون میں پھیلے گا۔“ جان نے خالی گلاس جیسا کہ چھایا اور اخبار کی کون کو مزید پیشنا شروع کیا۔ پھر اس کا منہ بند کر دیا۔ وہ کالج صحت سے اخبار کھولنے لگا۔ ہمیں کھتی

گئیں اور پور اخبار سیدھا کھل کر سامنے آ گیا۔

”میں سوچے تھے اور جس غائب۔“

”نہی دست۔“ ”وہ مسکراتے ہوئے تلی بجانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کوئی ٹرک تھی۔ اس نے یقیناً کمال مہارت سے جس کیس میں اس پاس گر لیا تھا۔ پھر کچھ اور کیا ہو گا مگر حال اس کا انداز متاثر کن تھا۔

وہ دونوں پھر سے ساتھ چلنے لگے تھے۔ جان نے اخبار اب دور سے تھم کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

”وہ تھا“ جیسا کہ جان بھلا اس نے برس سے موبائل نکال کر دیکھا۔ پھر احمد کی کل آ رہی تھی۔ اس نے کل کلندھی اور فون رکھ دیا۔ جان اب منہ ہڈ تھا کہ کوئی سوال نہ کرنا تھا۔ خود بتانا چاہتی تھی۔

”پھر احمد کی کل تھی“ ”کچھ کام تھا ان سے۔“ ”وہ چلتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔ یہ سراسر جرات تھا۔ جان کے مونہ کا کچھ بھروسہ نہ تھا مگر اس پہ بھروسہ کرنا چاہتی تھی۔

”پھر احمد کون؟“ ”اس نے نا بھی سے جیسا کہ کھل۔“ ”پاکستان میں ہوتے ہیں“ ”ماہر کرائم سیل میں اعلیٰ جنس آفیسر ہیں۔“ ”تمہارے ابا کو بھی جانتے ہیں۔“ ”وہ درار کی۔“ ”نہیں ان سے بہت کھل تو نہیں برآ تو نہیں لگے گا نا؟“

”تک کورس نہیں۔“ ”اس نے شانے اچکا دیے۔“ ”کون کتنا قابل اعتبار ہے؟“ یہ فیصلہ تم خود کر سکتی ہو۔ کیونکہ میرے نزدیک تو سب لوگ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔“

”آئی بے یقینی بھی اچھی نہیں ہوتی جان۔“

”ترکی؟“ ”جیسے جیسے یقین ہے کہ تمہارا جوس میں نے کہیں گرا دیا تھا۔“ ”وہ پھر سے اس کے مقابل آکر“ ”ہو اور گلاس لکھ کے لیے ہاتھ پڑھیں جو چاہے کون ابھی تک وہ پکڑ۔“ ”کو؟“ ”تھی۔“

”یقیناً“ تم نے ایسا کیا؟“ ”اس نے گلاس جان کو چھایا۔ تب تک وہ اخبار کو دو دو کون کی شکل میں پیٹ چکا تھا۔ گلاس نے کس نے اخبار کی کون کا مٹا منہ گلاس میں الٹا۔ دینا کولاڈا ایک دھار کی صورت

گلاس میں گرے لنگ
وہ بے یقینی سے سائیکل کھڑی دیکھ رہی تھی۔
”یہ تم نے کیسے کیا؟ میں نے۔ میں نے خود کھا
تھا کہ اخبار سوکھا تھا۔ کچھ جوس کلاس سے آیا؟“
”مگر جیوگرانی ٹرک کے فوراً بعد ہی رانٹا دے
تو کیا قاعدہ؟ کبھی فرصت میں بتاؤں گا کہ یہ کیسے ہوا۔
البتہ اگر تم میری جگہ پر کھڑی ہو کر دیکھتیں تو جان پاتیں
کہ میں نے یہ کیسے کیا ہے۔ جب تک اسلحہ دوسرے
کی جگہ پر کھڑا ہو کر نہیں دیکھتا اسے پوری بات سمجھ
میں نہیں آتی۔“
”تم عجیب ہو جان! اس نے قہر سے سر جھٹکا
میں دو لوگ چنیل کوئٹس میں پیچھے دو مہینے پیاس
مر گئی ہے۔“
وہ اس پر دلا۔ ”نہیں! تمہاری پیاس ڈر گئی ہے۔“
پھر شہید باز نے وہاں چنیل ایک قہر میں پکڑے وہاں
میں اچھل دی۔
وہ سانسے کل کے اختتام پر ایک اور نیا طور تھا۔
جس نے گلی کا ہانہ بالکل بڑک کر رکھ دیا جیسے زمین
سے اگ گیا ہو۔ وہاں تو جیسے پاکستان میں کوئی گلی گول
سی اینٹوں کی بھٹی ہوئی ہے ویسا ہی سلسلہ رہا تھا اور جس
کا گتہ کون کی شکل کا تھا۔
”یہ وہ انتہا Galata ٹاور (ظلمہ ٹاور)
جسے جاننے کا تمہیں تجسس تھا۔“ اس نے غور کی
طرف اشارہ کیا۔
”گور اتھ جانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کیا
ہوتا ہے جان؟“
جان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
”اس کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔“ اس نے گہری
سانس لی اور پلٹ گئی۔ وہ شاید اپنے کارکن اس کے پیچھے
ہو گیا۔

”ترکی والوں کو سنا ہے“ وہ اسی پر گورسل میں بیٹھے
جب اس نے بھرا احمد کو کل بیک کی اور بولا ”احمد نے

کل نکلت کر خود سے قتل کیا تو اس کا بیلوٹنے میں بھی
کسی خوشگوار حیرت کے زیر اثر نہ تھا۔
”زندگی میں پہلی دفعہ آپ نے بھرا احمد کو خوشی دیا
ہے مگر جب آپ نے کل تمہیں اٹھائی تو میں سمجھا کہ
وہ ٹیکسٹ آپ نے غلطی سے کیا ہو گا۔“
”یہ بات نہیں ہے۔ میں اس وقت جان کے
ساتھ تھی۔ سوچا بعد میں تفصیلی بات کر لوں گی۔“
”جہاں؟“ وہ جیسے چپ ہو گیا۔ شاید اسے جہاں کا
ذکر گوار گزارا تھا۔
”میں نے جہاں کو آپ کے پاس میں قایم رکھا
تپ کو نہیں جانتا تھا۔“
”کیوں؟ آپ نے کیوں قایم کیا؟“ وہ مت حیران ہوا۔
”میں ہر کوئی مٹا ہوا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کسی سے
بات کرتی ہے۔“ وہ زور اڑاتا رہا۔ ”جانتی تھی کہ اس کا
استحقاق سے شہر کی بات کرنا احمد کو کتنا برا لگتا تھا۔
”میں یہاں کا بھروسہ نہیں ہوتا۔ احتیاط کیجیے گا آپ
پہنیں ہی نہ جائیں۔“
”کھانا کھانے کو نہیں کر رہی کہ پھنسون۔ ہر حال اہم
کام کی بات کریں؟“ اس کا لہجہ بے لگ ہو گیا۔ ساتھ
ہی جو کچھ ہو گا وہاں وہ جان پائی تھی اس نے وہ احمد
کو بتا دیا۔
”میں وہ رپورٹ شائع کرانا چاہتی تھی مگر جان نے
منع کر دیا۔“ وہ لانی میں وہ کہہ گئی پھر ایک دم خاموش
ہو گئی۔
”وہ تو منع کرے گا؟ اس کا بہت کچھ راز ہے۔ ہو گئے گا
خیر آپ بالکل وہ رپورٹ شائع کرنا نہیں مگر جہاں اس
سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“
”کیا مطلب؟“ وہ جہاں والی بات نظر انداز کر گئی۔
”وہاں کے غلو کے باعث کہہ رہا تھا قیدی۔“
”ایک رپورٹ سے اسے اور پی جیسے بڑے آیا
مگر اسے گا؟“ ان کے ایک ایک توی کے پیچھے پوری ک
پوری ٹیٹ ورننگ ہوئی ہے۔ عید الزماں ہے
”محبت نہ“ میرے تو صرف آپ کا کام کرتے ہیں
ایسے کہ اپنے دامن یہ کوئی چھینٹا نہ پڑے۔ سوچنے

خلافہ ثبوت ہونے میں نہ کسی فاعل مکتبی ہیں۔“
”مگر میں نے سنا ہے کہ اس کے عالمی رہشت گرد
تفصیلات سے بھی۔“
”کس سے سنا ہے؟“ وہ بات کٹ کر بولا۔
”میڈی کبریٰ سے۔ اور امارت میں۔“
”بہر حال یہ وہ سری دنیا کے لوگ ہیں۔ آپ ان
معاہدوں میں مت پڑیں۔“
”تو پھر یہ پشامیرے پیچھے کیل پڑا ہے آخر؟“ وہ
لہجہ ہو کر بولی۔
”مجھے تو لگتا ہے جہاں اس نے آپ کا بیچا ہوا
وہاں آپ صرف آپ اس کے پیچھے پڑی ہیں۔“
”ایک دم چپ ہو گئی۔ اس کے پاس کوئی جواب
نہیں تھا۔
”ویسے ضروری نہیں تھا کہ آپ جہاں سکندر کو
میرے بارے میں بتائیں۔ انسان کو کچھ باتیں اپنے
تک بھی رکھنی چاہئیں۔“
”بس باغیوں میں جہاں سے گزری تھی تو وہاں کوئی
سے باہر ملے ہوتا سمندر دیکھ سکتی تھی وہاں حسب
معمول ایک فیری تیر رہا تھا۔
”میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی میرے اور آپ کے
اس رابطے کو بھی غلط طریقے سے استعمال کر کے
مجھے سوا کر سکے۔“
”مگر آپ کو رسوا نہیں کرے گا یا؟“ جنت کے بچے
تھانے والوں کو ہتھ رسوا نہیں کرنا۔“
اسی لمحے وہ نیچے سمندر کے کناروں پر بگلوں کا
ایک عمل پھر پھر ”اوا“ تھا وہ نگاہیں ان کے
خوشے سفید پہلوں پر مرکوز کیے بالکل گھبرائی گئی
تھی۔
”آپ جنت کے بچے کہتے ہیں؟“
”جہاں سے گہری سانس لی اور کہنے لگا۔
”آپ جانتی ہیں؟ جب آدم علیہ السلام اور حوا
جنت میں رہا کرتے تھے اس جنت میں جہاں نہ عموک
تھی نہ پیاس نہ وہ صوبہ لود نہ ہی برائی۔ تب اللہ نے
انہیں ایک ترغیب دلائے دولت کے قریب جانے

سے روکا تھا۔ تاکہ وہ دونوں صحبت میں نہ پڑ جائیں۔“
وہ سانس لینے کو رکھا۔
”بس اب آپ کے آخری حصے پر تھی۔ بگلوں کا غفل
فہمی کے طور سے پھر پھر ”اوا“ اگر وہاں تھا سمندر پیچھے
کو جا رہا تھا۔
”اس وقت شیطان نے ان دونوں کو ترغیب دلائی
کہ اگر اس کو فحش کے درخت کو چھو لیں تو فرشتے بن
جائیں گے۔ یہ پھر جنت رہیں گے۔ انہیں بھی نہ ہر ہل
ہو نہ لال بہر شاہت سے کی۔“
”بل پیچھے نہ گیا۔ گورسل لب پر لے کر اٹھو لایا
ایٹھائی تھی اس میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ ہر شے سے
سے باز نکلتی تھی۔ من رہی تھی۔
”مساہتوں نے درخت کو پکھ بیا۔ حد پار کر لیا۔ تو
ان کو فوراً سے لہاں کر دیا۔ اس پہلی رسوائی میں جو
سب سے پہلی شے جس سے انسان نے خود کو ڈھکا تھا
وہ جنت کے بچے تھے ذوق الخبت۔“
”لے لے شہر کی سڑک پر کوئی نرنگ جام تھا گورسل
بہت سست دھڑی سے چل رہی تھی۔ سڑک کنارے
چلتے لوگ اور وکلاء پہ نگار تھے کتے کچھ دکھائی نہیں
دے رہا تھا۔ بس من رہی تھی۔
”آپ جانتی ہیں؟ انہیں نے انسان کو کس شے کی
ترغیب دی کہ اللہ کی حد پار کر لائی تھی؟ فرشتے بننے کی اور
بیش رہنے کی۔ جانتی ہیں جہاں فرشتے کیسے ہوتے
ہیں؟“
”اس نے فلی میں گھول دلائی گو کہ وہ جانتی تھی کہ وہ
اسے نہیں دیکھ سکتا۔
”فرشتے خوب صورت ہوتے ہیں۔“ وہ لمحے بھر کو
رک گیا۔ اور بیش کی ہر شاہت کے فانی ہے؟ کون بیش
کے لیے امر ہو جاتا ہے؟ وہ جیسے لوگ بھونٹ سکیں بھو
انہیں سمجھ کر اسے ان کے اہل پر قبضہ کر لے۔
خوب صورتی اور امر ہونے کی چھانیدہ دونوں چیزیں
اخلاک کو دھوکے میں ڈال کر مسموم حد پار کر لیتی ہیں اور
پھل کھانے کا وقت نہیں ملتا۔ اخلاک جیتے ہی عمری
دنیا میں رسوا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اگر وہ طرز کو ڈھکے تو

اسے اچھلنے والے جنت کے جے ہوتے ہیں۔ لوگ اسے کپڑے کا ٹکڑا نہیں یا کچھ نور میرے نزدیک۔
 دلی اجنتہ ہیں۔
 اسے شہر کی قدیم اور عجیب عمارتوں پر سے دھوپ رنگ مٹی تھی اور اب پھاؤں کی نیلا ہٹ لون پچھا دی تھی۔ وہ سانس روکے موہاں کل کھن سے اگلے دم سلوٹے بھی من رہی تھی۔
 "ہنست کے جے صرف اسی کو جتے ہیں جس نے قرطبہ کو جیتنے کی کوشش کی ہوئی ہے اور اس کا سر اس کو خود پگالینے کے بعد قسم نہیں پڑتا کہ اس کو قہانے سے پہلے انسان جنت میں ہوتا ہے۔ قہانے کے بعد دنیا میں آکر دیا جاتا ہے۔ انکسٹنٹ مل جاتی ہے مگر دنیا شروع ہو جاتی ہے اور پھر۔"
 وہ جیسو جبر سے مسکرایا۔
 "دنیا والوں نے جنت تو نہیں دیکھی ہوئی نا، سوال کو معلوم ہی نہیں ہو گا کہ جنت کے جے کیسے دیکھتے ہیں۔ سورہ لون کے ساتھ سلوک بھی دی گرتے ہیں جو کسی شے کی اصل جانے بغیر اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ آپ دنیا میں اترنے کے بعد دنیا والوں کے مدیے سے پریشان مت ہوئے گا۔"
 وہ خاموش ہوا تو کوئی ظلم لوہ سحر کا ایک جابلہ جو اس کے گرد تن چکا تھا پھٹ کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔
 "تھو سکنس میجر احمد" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ اس وقت وہ کچھ زیادہ کہنے کے قائل نہیں تھی۔
 "آپ ایجنے انسان ہیں؟" چھی بائیں کرتے ہیں۔"
 "شکر ہے! میں اب فون رکھتا ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے فون کل سے ہٹا دیا۔ اس کا فون من ہو چکا تھا۔
 قدیم شہر کی عمارتوں سے اس کو ابھی تک مجرا احمد کی باتوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔
 "مناطولین شی میں ایک سپینار ہے" چلوگی؟
 ہلے نے فورم کے سداڑے سے جھانک کر اسے مخاطب کیا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھی میز پر پھیلی کتابوں میں منہمک تھی چونک کر بولی۔

میں بھی تو ممکن نہیں ہے میرے پورے دو چھٹوڑے لگے ہیں۔" چیلے نے منے آگے پلٹ کر دیکھا اور پھر نفی میں گھٹن ہلاتی۔
 "کار میں پڑھ لیتا کتاب ساتھ لے چلو۔"
 "تو ضروری کیا ہے؟"
 "ہتم پچھاؤ کی نہیں۔ لکھ کر دے لو۔" ہلے نے منہ تھپی سو اس نے کتاب ساتھ رکھ لی۔ پیل ہاؤس میں بیگ میں ڈال دیا اور بھی سوئچ بھی گاؤشٹو کل ہی دیا اسٹور سے اپنی تھی ہاتھ میں پکڑ لیا۔
 "پکڑے ٹیک ہیں؟" اس نے گروں جھانک کر صبح کے پتے لباس کو دیکھا۔ گرسے اسکرت کے ساتھ لگم مگرین باؤر نور لوپ مگر سے اسکارف جو ابھی ابھی آپ کیا تھا۔
 "ہاں ٹیک ہیں پلو۔" ہلے نے پرس نور چائی سنبھالی۔ اس کا خوش قسمت دن تھا کہ آج اس کے پاس کار تھی۔
 وہ سپینار ہونٹس کے جس ہل میں تھا وہ ہل سب سے اوپر والے فلور پر تھا۔ اس کی دو متوازی بریڈا ریں گلاس کی تھیں۔
 سچ بھرا تھا۔ لڑکیاں عورتیں اور بے حد سحر خواہشیں خالص نونائی باحول تھا۔
 ان دنوں کوشش کی دیوار کے ساتھ جگہ ملی۔ جیابی کرسی تھار کی پہلی کرسی تھی سو اب اس کے دائیں طرف گلاس والی تھی اور بائیں جانب ہلے کے درمیان میں اس نے سوئچ پہلی کا پکٹ کھول کر رکھ دیا تھا۔ وہی ڈی ہے کے ساتھ بیچ گلاس میں کھانے کی حالت۔
 رو شمس کے عتب میں دیوار اس خوب صورت در سے ڈھکی تھی جس پر انگریزی میں چھپا تھا۔
 Face veil mandatory or recommended
 (چہرے کا حجاب واجباً مستحب)
 اس نے دو انگلیوں اور انگوٹھے کو پکٹ میں ڈال کر چند دانے نکالے اور منہ میں رکھے۔ وہ اسکارف کر لے یہ اس کے تقویٰ کی انتہا تھی۔ سو اب چہرے

کا حجاب واجب تھا یا مستحب کیا فرق پڑتا تھا؟
 سپینار انگریزی میں تھا۔ سو اس سنبھلے کھڑی بیوی اسکارف والی جلی خاتون انگریزی میں ہی کہہ رہی تھیں۔
 "واجب چیز ہوتی جو کریں تو ثواب نہ کریں تو مکمل ہے۔ جبکہ مستحب وہ کام ہے جو کریں تو ثواب نہ کریں۔ کرتے یا مکمل نہیں ہے۔ لب اس بات پر تو سب راضی ہیں کہ لڑکیاں کار لوپ جسم ڈھکنا واجب لیکن کیا چھو بھی ڈھکنا لازمی ہے؟"
 حیا کے دائیں جانب گلاس وال پہ ایک دم سے کوئی پردہ آ کر اٹھاس ہو گئی۔ وہ بھی کی چڑا تھی تو شیٹے سے گرا کر نیچے گر گئی تھی۔
 "جب میں کھتی ہوں کہ چہرہ ڈھکنا واجب نہیں۔ صرف مستحب ہے تو اس کی وجہ نہ حدیث ہے کہ جب حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان کا لباس ذرا ہاریک تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ما جب لڑکی جوان ہو جاتی ہے تو سوائے اس اور اس کے (چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے) کچھ نظر نہیں آتا چاہیے۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چہرہ ڈھکنا واجب نہ نہیں ہوتا۔"
 گری ہوئی چڑا لب سبھل کر فرش پر پھک رہی تھی۔ چہرہ ایک بار اس نے شیٹے کی دیوار پر پہنچے مار کر چڑھنے کی کوشش کی مگر ناممکن رہی۔
 "گور بھر جب رخ کے موخ۔ ایک لڑکی جو لونٹ نہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیچ کے بیچ کے دوسے میں پونچ رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے۔ لڑکیوں کی طرف اس لڑکی کے چہرے کو دیکھ رہے تھے تو آپ نے ہاتھ پکڑ کر کے کھل "کا چہرہ سری جانب پھیر دیا جبکہ اس لڑکی کو چہرہ اٹھنے کا نہیں کھلے۔ وہ سری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اندراج مطرا ت اور مصیبات جو قلب کو اڑتی تھیں۔ مستحب کے درجے کا تھا۔
 حجاب کا نہیں۔ سو جو آیت سورہ نور میں ہے کہ وہ اپنی

نفس کو چھپائیں 'سوائے اس کے کہ جو خود ظاہر ہو جائے تو اس "جو خود ظاہر ہو جائے" میں سورہ انکو بھی وغیرہ کے ساتھ چھو بھی شامل ہے۔"
 چڑا پھر بھڑکی ہوئی کب کی اڑ چکی تھی۔ وہ مونگ پھلی چباتے ہوئے سرایت میں ہلاتی مقررہ کون رہی تھی۔ وہ مزید چند دال دے کر اپنی کرسی پر واپس جا چکی تھیں نور تب تک وہ مطمئن ہو چکی تھی۔ اسے اس کی ساری بات ٹیک لگی تھی۔
 "میں لا انز فریج سے اختلاف کی بسارت کہوں گی۔" ڈاس۔ سنے والی کرے اسکارف والی مقررہ اپنی بات شروع کر چکی تھیں۔ وہ اصل بحث تھی۔ حیا نور ہلے یاری باری ویکٹ میں انگلیاں ڈال کر سوئچ پہلی نکالتے ہوئے پوری طرح لون کی طرف متوجہ تھیں۔
 "رہی اس بات ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث اس کی تشریح تو مجرم رشتوں کے لحاظ سے بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سہل تھیں اور اسی حدیث سے ہم سبیل پیتے ہیں کہ بہنوئی سے چہرے کا رخ نہیں ہوتا اور حضرت فضل والا واقعہ حج کے موقع کا تھا اور حج پہ کپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سے نقاب یا وستائے پہننے سے منع فرمایا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نقاب کرنا اس زمانے میں ایک کام پر نہیں تھی۔"
 وہ لگتا تھا کہ تیزی سے اڑتی آئیں اور شیٹے کی دیوار سے ٹکرائیں۔ چیلے نے اس کی گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ اب گرا کر نیچے جا گری تھیں نور اگلے ہی ہل اٹھ کر اڑ چکی۔
 "خاتونہ رضی اللہ عنہا کھتی ہیں کہ جب گریہوں کو ڈھانپ لینے کا حکم نازل ہوا تھا تو مدینے کی عورتوں نے حکم سننے ہی اپنی لوز حیاں حصول میں پھاڑیں اور سر سے پاؤں تک خود کو لون سے ڈھانپ دیا۔ یہاں ڈھانپنے سے مراد چہرہ ڈھانپنا ہی ہے۔ سو وہ خود ظاہر ہو جائے۔" میں انکو بھی 'سورہ' بھوتی تو آتی ہے۔ مگر جو نہیں۔ پھر جب ابن عباس سے آیت حجاب کی

تفسیر ہو چکی تھی تو آپ نے اپنی چادر سر پہ لپیٹ کر
 بال مار کے رکھائی ہیں کہ بس ایک آنکھ واضح تھی۔
 اہمیت بجانب اللہ نے اسے ایمان والوں کو کہہ کر علم
 دیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے ایمان کا
 واسطہ دے کر عزم دیتا ہے تو وہ عزم بے حد اہم ہوتا
 ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف سر اور جسم
 اعلیٰ واجب نہیں بلکہ جہاں چلتا بھی واجب ہے۔
 وہ گردن اور اس پچھلے شیشے کی دیوار کو دیکھ رہی
 تھی جس کی تھوڑی سی دیر میں بہت سے پردے
 کرائے تھے۔ کیا فرقی کہتے تھے کہ پردے ہوں اس
 لیے کرتے ہیں کیونکہ وہ پچھلے سال جب یہاں سے
 گزرے تھے تو وہ عمارت وہاں نہیں تھی۔ اب وہ
 راستے پر اپنی دیو میں الٹے جا رہے ہوتے ہیں تو مگر
 لگتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ راستہ ٹھیک ہے۔ معلوم
 نہیں تھا کہ کیا کسی کشتی پر دست تھی مگر وہ ٹکیا
 تعمیر شدہ ہی تھا شاید وہ واقعی پر عمل کی گزر گاہ کے
 درمیان بن گیا تھا۔

”مستحب اور واجب بحث بہت پرانی ہے۔“
 واکس یہ اب ایک سیاہ عہلو اور سیاہ اسکارنسوالی دراز
 قد شدہ رنگ آنکھوں والی خاتون آہنگی تھیں۔ خوب
 صورت، شفاف چہرہ نرم سی مسکراہٹ سب بہت
 توجہ سے انہیں سن رہے تھے۔

”آپ نے مستحب والوں کے دلائل سنے آپ کو
 لگا ہوا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ نے ہم کو واجب والوں
 کا بیان سنا تو لگا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب آپ کہیں
 گے کہ وہ لوہی ٹھیک کہہ سکتے ہیں؟ تو وہی علیحدہ ہو جائے
 گا کہ آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔“

ہل میں بے اختیار تھم رہا ہوں شیشے کی دیواریں
 بھی مسکرا رہی تھیں۔

مجھ پر ہے کہ میں ان دونوں میں سے کسی گروہ کی
 حمایت یا مخالفت کرنے کے لیے نہیں تلی۔ میں کچھ
 نور کھانا چاہتی ہوں۔“

وہ لکھے بھر کوڑا لیں۔ پورا ہل بہت دھیمی سے سن رہا
 تھا۔

”ہم عموماً دینا اور آخرت کی مثال کسی کلمہ انجیل
 سے دیتے ہیں۔ رائٹ اتودی مثال لے لیتے ہیں۔ دینا
 اور آخرت کے کسی بھی اسکول یا کلمہ کا جب بھی پتہ
 کیا جاتا ہے تو اس میں چند سوال بہت تسلسل رکھے
 جاتے ہیں جو کوئی اوسط درجے کا طالب علم بھی حل
 کر کے 33٪ سے زیادہ نمبر لے کر پاس ہو سکتا ہے۔
 پھر چند سوال اور مشکل ہوتے ہیں جو صرف اچھے طلبہ
 حل کر کے سترہ فی صد نمبر لے جاتے ہیں اور آخر میں
 ہر پچھلے میں کچھ سوال بہت پیچ دار۔ اور مشکل
 دیکھے جاتے ہیں۔ وہ سوال پوزیشن ہولڈرز کا فیصد
 کرتے ہیں اسی لیے عموماً پوزیشن ہولڈرز کے کہیں
 میں چند نمبر پر پہنچنے کے ذریعے سے مستحب کا فرق ہوتا
 ہے۔ یہ سوال مستحب ہوتے ہیں۔ ہم عموماً کہتے
 ہیں کہ مستحب وہ ہوتا ہے کہ جب پانچ میں سے چار
 سوال حل کرنے ہوں تو چاروں میں سے کوئی غلط
 ہونے کے ڈر سے باقیوں میں بھی الجھٹ کر دیا جائے۔“
 ایکسٹر سوال جبکہ مستحب نہیں ہوتا۔“

وہ لب کر رہی۔ ذرا آگے ہو کر ٹھیک غور سے سن
 رہی تھی۔ انتہیوں کی خوب صورت صورتوں کی خوب
 صورت باتوں کا بھی ایک اپنا عرصہ تھا۔

”اب ہوتا ہے کہ۔“ شفاف چہرے والی انگریز
 شائستہ کہہ رہی تھیں۔ ”کہ میں مسئلے پر واجب
 والے مستحب والوں پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ اپنی
 مرضی کا دین چاہتے ہیں اور خواہشات کی پیروی
 کر رہے ہیں۔ جبکہ مستحب والے انہیں کہتے ہیں کہ
 آپ شدت پسند ہو رہے ہیں۔ الزامات کی اس جنگ
 میں ٹکیوں کے پاس بہانہ آتا ہے کہ ہمیں حجاب کی
 ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے ٹھیک ہیں کیونکہ یہ تو
 ثابت ہی نہیں ہے کہ اسلام میں چہرے کا پردہ ہے مگر
 یا نہیں۔ جبکہ یہ غلط تاثر ہے۔ بحث نقاب کے
 مہوئے کا مزہ ہونے کی نہیں ہے بلکہ بحث اس
 کے واجب یا مستحب ہونے کی ہے۔ آسان الفاظ میں
 کہتی ہوں ہمیں یہ سب راضی ہیں کہ نقاب کرنے پر
 ثواب ہے جبکہ اختلافی نقطہ یہ ہے کہ کیا نقاب نہ

کرنے پر گناہ بھی ہے نہیں؟“
 اس نے اسکار کے چہرے کو دیکھتے انگلیاں پکٹ
 میں ڈالیں تو پوروں نے خلی پلاسٹک کو پھونک موند
 پکلی کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے انگلیاں نہیں
 نکالیں وہ دیکھ رہی تھی پوری ٹکھوٹی سے اسٹیج کی طرف
 دیکھ رہی تھی۔

”میں سوچتی ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے اگر ہم
 اختلافی نقطہ بھی گناہ ہے یا نہیں۔“ چھوڑ دیں اور
 صرف ”مطلق نقطہ“ پر غور کریں تو اس مسئلے کا حل
 نکل سکتا ہے۔ گناہ کو چھوڑ دیں۔“ اس نے پراکت
 دیکھیں کہ نقاب کرنا ایک سنگی ہے بہت بڑی سنگی۔ تو
 کیا جو چیز مستحب ہوتی ہے اسے گناہ سمجھ کر چھوڑ دیا
 جاتا ہے؟ جیسے مستحب والے کرتے ہیں۔ وہ نقاب کو
 غیر واجب قرار دے کر اس کی تردید کو تبلیغ کرنا ہی چھوڑ
 دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف 33 فی صد
 والے جواب دے کر کسی غلط سوال کے بغیر ہی ہم پاس
 ہو جائیں گے؟ کیا ہمیں یقین ہے کہ ہمارا 33 فی
 صد کا جواب سترہ فی صد درست لکھا گیا ہے؟“

ان کے سوال پر ہل میں خاموشی چھا گئی تھی۔
 مروجہ سی خاموشی۔

”اگر ہم سب خود میں نور لڑکیوں ہی موند ہیں۔
 ایک بات کھول گپ سے؟ ہم میں یہ چند باتیں ضرور
 ہوتی ہیں۔ ساری نہیں تو کچھ تو ضرور ہیں۔ ہم جلد
 جھلس ہو جاتی ہیں کسی کے پیچھے ہل کی پرانی بھی
 کھینچتی ہیں۔ منہ سے جھوٹ بھی پھسل جاتا ہے۔
 لاف پھینک کر پوری پڑھتی نہیں۔ جو بڑھیں ہمیں بھی
 دھمکیاں لگتی ہیں اور ہوتا ہے۔ ان کا بھی پتا نہیں کتنا
 پانچویں گواہ یا دسواں حصہ لکھا جاتا ہو گا۔ رمضان
 کے دنوں کے رکھ میں تو چھوٹے روزوں کی قضاں تا حصول
 طہارت ہیں یہ تھا وہ 33 فی صد پرچہ ہے کتنا اچھا ہم
 حل کر رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ پھر بھی ہمیں لگتا
 ہے کہ ہمیں کسی ایکسٹرا عمل کی ضرورت نہیں؟ بلکہ
 فیروز لڈیو یا جنت صرف خواہش کرنے سے نہیں مل
 جاتی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ نوم کی اولاد میں ہر ایک

ہزار میں سے 999 جنم میں ملے جائیں گے اور
 صرف ایک جنت میں داخل کیا جائے گا؟ یہ میں نہیں
 کہہ رہی یہ بخاری کی حدیث ہے۔ کیا ہم اس اہل
 علم کے ساتھ اس ”پک“ میں شامل ہو سکتے ہیں؟“
 وہ بالکل سناکت ٹھیک ٹھیک ”بلکہ“ ٹھیک مقررہ گواہ
 رہی تھی۔ ”جنم“ کے لفظ اس کی آنکھوں کے سامنے
 ایک فلم چلا رہی تھی۔

ہر اللطیس کی واقعی ایک بھرپور آتش دان دہکتے
 انگارے۔

”ترج ہم بحث کرتے ہیں کہ نقاب واجب ہے یا
 نہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ قل کو قیامت کے دن جب
 ہم ایک ایک سنگی کی تلاش میں ہوں گے تب ہم شاید
 روٹ کر کہیں کہ آخر میں سے کیا فرق پڑا تھا کہ حجاب
 واجب تھا یا مستحب تھا تو ٹیک عمل۔“ غارتو ثابت ہی بنا
 تو ہم نے کیا نہیں کیا؟ انہوں نے رک کر ایک گہری
 سانس اور کو کھینچی۔ ”یقین کریں! میں واجب والوں
 اور مستحب والوں ہمیں کسی کی حمایت یا مخالفت نہیں
 کر رہی۔ میں بس ایک بات کہہ رہی ہوں کہ حجاب
 کرنا سنگی ہے سوچا ہے آپ اسے واجب سمجھ کر کریں
 یا مستحب سمجھ کر اسے اسے کریں ضرور نور اسے
 پھیلا میں بھی ضرور۔ ہمارے جھوٹ خیانتیں اور
 دھوکے ہمارے لیے جو آگ تیار کر رہے ہیں اس سے
 دور ہو سکتے ہیں جو کرنا پڑے کریں نور ایک آخری
 بات سنو پھر سانس لینے کو رکھیں۔ ہل میں اسی طرح
 عمل خاموشی تھی۔

”ناب نقاب کے جس بھی درجے پر ہوں صرف
 اسکار لے لیں یا عہد یا بھی لیں یا ساتھ میں نقاب بھی
 کریں نہ ہو بھی کریں ہمیں یہ قائم ہو جائیں۔ اس سے
 بچنا بھی نہ ہا میں اور پھر اس کے لیے لڑنا پڑے تو
 لڑیں۔ مہا پڑے تو مریں مگر اس پر سمجھو تا بھی نہ
 کریں۔ مجھے نہیں معلوم کہ حجاب واجب ہے یا
 مستحب ہمیں بس یہ جانتی ہوں کہ یہ لہو کو پسند ہے تو پھر
 یہ مجھے بھی پسند ہونا چاہیے۔“

وہ اسٹیج سے اتریں تو ہل تھیں سے گونج اٹھا۔

مگر اسے اسکارف دلی اور میون اسکارف دلی دونوں
خواتین تنہا انداز میں مسکراتے ہوئے سر ہلا کر تلخ بجا
رہی تھیں۔

”بالکل چپ خاموشی میں جیسی تھی بدل و بدل
جیسے بالکل خالی ہو گئے تھے۔ جیسے ہی وہ سیاہ مہلبا دلی
ڈاکٹر شائستہ ہونے لگی وہ ان کے کی طرف بڑھیں۔ ایک
جینکے سامنے اور من کی جانب لگی۔

”میں؟“ غیر ذمہ سے پوچھنے ہوئے وہ من تک آئی۔

”ہیں؟“ پوچھیں۔ ساتھ ہی وہ ایک ہاتھ میں اپنا
دول پکڑے تیز چلے گئے۔ چپ کر رہی تھیں۔
”نہ۔ میں بھی۔ میں بھی کرنا چاہتی ہوں
غائب۔ مگر۔“ اس کی سمجھ میں نہیں تھا تھا کہ وہ
کیسے اپنی بات سمجھتے تھے۔ ”تو میں کیسے کروں؟“
”ہمت کہہ کر۔“ ڈاکٹر شائستہ نے موبائل بیک میں
ڈال کر پھر آگے بڑھ کر اس کے اسکارف کا سامنے کو گرا
دیا۔ نکال کر اٹھایا۔ اسے پیسے یا نہیں کل کے ساتھ
اسکارف کے ہالے میں اڑسا پھر کچھ حصہ دیا۔ اس کل
کے اس طرف اڑسا رہیں کہ اس کے چہرے کو ایک
قبض سے غائب لے کر لے رہی تھیں۔
”جیس۔ اتنی سی بات تھی؟“ مسکراتے ہوئے اس کو
زور اسی جیش دے کر وہ موبائل نکالنے کے لیے پرس
کھولتے ہوئے لپٹ گئیں۔

”اتنی سی بات تھی؟“ وہ اپنی جگہ ٹھہر سی کھڑی رہ
گئی۔
”بس؟ اتنی سی بات تھی؟ اس کا سانس گھٹا نہ دلی
تک۔ ہوا نہ ہی نکالوں کے سامنے اندھیرا چھایا۔ سب
وہ سی بات تھی؟ اتنی سی بات تھی؟

ایک طرف کے بازو میں چل دی کرتے ہوئے اس کی
نشست سے کھڑکی کے باہر دیکھتے ’سہاگنی کے کیسے ہیں
میں دلہن اس سے اترتے ہر جگہ اس نے لوگوں کو
دوڑوں کو متاثر کر رکھا ہے کی سنی کی۔ کیا کوئی فرق پڑا
تھا؟ مگر اسے احساس ہوا کہ سب ویسی ہی تھیں۔ اس میں
ہمت نہیں تھی کہ وہ ڈاکٹر شائستہ کا پہلو کیا تھا۔

کتنی سونے مشعل میں اسی غائب کے ساتھ لے جاتی
رہی۔ یہ کہیں کوئی غصہ کوئی غمی نہ تھی۔ انسان دنیا
اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ نہ کہ وہ خیار ناک مٹھوئی
یہ جینکے سے سونے کے ڈھکے ہونے کے بعد خود مٹھو
وہی رہتا ہے۔ پھر کسی پریشانی؟

لیکن پھر بھی اسے عجیب سی نفرت ہو رہی تھی۔
بہرحال اس کو ہلے کا انداز ویسی تھا جیسا پہلے تھا۔
اور م کی بیڑیاں چمکتے ہوئے اسے سمجھیں اور
مستحکم اترنے دیکھائی دے۔ ”خیر میں لے بھر کو
خدا تھا پھر وہاں مسکراتے سلام کرتے کیے تھے
میں سب سے صاف تھا۔

”اے نئی صلی بند علیہ وسلم آپ کہہ دیں اپنی
بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور اہل ایمان کی
خورتوں سے کہ وہ لپے لپے لپے لپے لپے لپے لپے لپے
تاکہ وہ پھولیں جائیں اور وہ مثالی نہ جائیں۔ بے شک
نہ۔ مجھے تو معلوم ہے۔“

وہ اپنی کرسی پر بیٹھی کتاب چھلکی ہوئی طور پر بھی
تک اس کی ہاں میں تھی۔ جہاں جیسے کی دیا اسوں سے
پہلے گرا جاتا کرتے تھے۔ جب وہ جیسے کے وقت
پس منظر میں کسی نے لپٹ لپٹ چلا دی تھی تو اس کے
خواس سے باہر ہی نہ آسکی۔ اسے گاؤں بھی اس کے
اثر سے نہیں نکل سکے گی۔ لے بھر میں اس کی کچھ
میں آگیا تھا کہ وہ تیر تک غائب یا غائب نہیں
پس کی تھی۔ وہ اس کے کہ لپٹا ہوا اور وہ چل بھی
اسے ہمت نکال دیتے تھے۔ وہ نہیں کر سکی۔ اس
لپے کی کہ اسوں نے جیت اپنی کی۔ کبھی اس کی ہمت
نکال دیتی تھی۔ جہاں طرح اپنی بات مسلط کی ہو
اور انہیں پھینک دیتی تھی تو کہتے ہیں۔ اپنی ہی کہنے رہے
ہیں پھر شکایت کرتے ہیں کہ بیجاں مانی کیوں نہیں
ہیں؟ کبھی اس کی سنو کر تو دیکھتے پھر ملے ہو کہ مسلط
لڑکی چھوٹی ہوئی تھی۔ نرم تھی ہو یا سخت کھڑکی اس کا
ایک ہی ہونا ہے۔ چل جو غصہ کی من کر جھک سی ہا
بے پھر کسی وعدہ تقریر یا اس کی ضرورت نہیں
رہتی۔

ایک آہستہ ایک آہستہ زندگی بدل رہی ہے۔
ایک آہستہ۔



یہ کہ اس کے ساحل پہ لپٹیں پھولیں سے سرخ رہی
تھیں۔ اس کا شور اس کو لپٹے سفید قہر مٹانی کے اندر
تک سنائی دے رہا تھا۔ کل اندھیرے میں وہاں تھا زار
داروازا تاریک تھیں۔ صرف وہ سر کی منظر کی مسدودی
میں نیم رو تھی ہی چھلکی تھی۔ اندر ایک دم ہم سب لب
جل رہا تھا۔ پھر میں۔ کھانا پھر میں کا لپٹ چپ۔
البتہ اسکرین کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ وہ رج الوتک
چیز کی پشت پر سر کرانے سوچتی تھیں۔ اس سے ہمت کہ
دیکھ رہا تھا اس کی دونوں سونے کی انگوٹھیاں اور
موٹے فریم کے گھڑی میں۔ لپٹ چپ کے ساتھ ساتھ
تھے۔

بے خیال میں اس نے ہاتھ پھرا کر سگریٹ کی ڈیا
اٹھائی۔ اسے دیکھا اور پھر زور کوشت سے واپس میز پر
پھینک دیا۔ اس سگریٹ نوشی سے اسے ہلکا سا لے بیٹا
چاہیے تھا۔ ایک ہلکا اور بھی ہمت چنوں سے۔
اس نے آنکھیں بند کر لیں اور انگلیوں سے
کینٹھیں کو دھیرے دھیرے مسنے لگا۔ اس کے سر میں
کافی دیر سے وہ تھا شاید ہمت سوچنے کے باعث
اصحالی رہا۔

نکل ہوئی۔ اس نے لٹی میں سر جھکا۔ اس کے
اصحاب بہت مضبوط تھے اور وہ کسی بھی اس قسم کے
دھوکے سے نہیں ہار سکتا۔ اس نے خود کو نہیں ڈرایا۔ وہ
بھی سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا۔ ہر شے حسب مشا
طاعت تھی۔ جو ناشی کے چوسا کر اس نے ہمارا کھا تھا
وہ لپٹے آخری موڑ میں تھا۔ کھانا بہت سرد یک
تھی۔ وہ نہ چاہتا تھا۔ سب ویسے ہی ہو رہا تھا۔ مگر اب
سے زیادہ توانائی اور زیادہ اعتماد کی ضرورت تھی۔
مکمل دلہ کھیل آخری مرحلے میں بڑ گیا تھا۔ ہر شے
رجب سے اس پہ آگری تھی اور وہ بھی اس دست
کے کھیل ”دست“ دھوکا دے اس سے بڑھ کر

تکلیف دہ شے کوئی نہیں ہوتی۔ کچھ ہل کے لیے وہ
لذت ناک دل میں کی نگاہوں کے سامنے لہرائے تھے۔
اسے قتل سے قتل۔ ستوں اور جانے والوں کو چھوڑ
کر وہ اس قتل نفرت کوئی کے پاس کیا تھا۔ وہ کہہ لے
اور اس نے جو کیا وہ بہت برا تھا۔

عبدالرحمن نے کچھ سے سر جھکا۔ اس وقت کم از
کم اس دانتے اور اس شخص کو یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔
جس نے اس کی ہڈی میں چھرا کھنچا تھا۔ وہ غصہ و حسرت
میں دے گا۔ وہ اس سے اپنا احتیاط اور وہ بھی وہ
میں قتل نہیں کرے گا۔ اس نے قسم کھا کر رکھی تھی
مگر اس وقت اسے وہ سب یاد کر رہی تھیں۔ تو وہ
مکرور مٹی تھی جو اس کے سامنے تھی۔ عبدالرحمن
نے کبھی سو نہیں کا انتظار نہیں کیا تھا۔ اس نے سونے
بیشہ خود پیدا کیے تھے اور پھر اپنے کام نکوائے تھے۔
اب بھی وہ کیا کر رہا تھا۔

مگر اس سب سے پہلے اسے اس سے چھو لے سنے
کو پاپہ تک پہنچنا تھا۔ جو چار پانچ۔ کل اس نے
خود کھڑا کیا تھا۔ گو کہ ہر چیز ویسے نہیں ہوتی تھی جیسے اس
نے سوچا تھا۔ بڑی غلطی ہوئی اس سے ہاتھ پہ اعتبار
کر کے مگر پھر بھی اس سب کا انتقام ویسے ہی ہو گا۔
جیسے اس نے سوچا تھا۔ جیسے اس نے پلاں کیا تھا جیسے
دہشت گرد اس نے مشورہ دیا تھا۔

ایک اضافی موقع اسے مزید پورا کرنا تھا۔
اس نے میز پر کھانا ڈال دیا اور فن بیک کھولی۔
وہ غصہ بھی لوگوں کے اصل نام سے محفوظ نہیں کرنا
تھا۔ پھر بھی اس نے ایک ہیج اسٹولنٹ کے نام سے
محفوظ کر رکھا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ مسج لکھنے لگا۔



چھبیس مٹی سے سانچی میں اشتیاقات کا موسم چھا
گیا۔ اس شخص موسم کو لوگوں تک جاری رہا تھا۔
ناگم کا محترم۔ اشتیاقات جسکی کے چکر بواہر کی
شاہجہاد ہل ہا کس کی بیسیاں اسے سب بھولی گیا

تھ اور اس میں رہنے کے باعث ہوتے والے نقصان تو وہ پورا کر چکی تھی مگر یہاں صرف پاس نہیں ہونا تھا بلکہ ڈسٹنکشن بھی تھی اس کا وزٹ براہ راست پاکستان کی پہنچ اسٹوڈنٹس کی ہٹا کر ہوگی اور وزٹ اچھا لگتا تو پاکستانی اسٹوڈنٹ کی کھال ہونے والی حیا سلیمان کو بھلا کر صرف اور صرف پاکستانی اسٹوڈنٹس کو ہٹا دیتی تھی۔

اکتیس مئی کی صبح اتھوڑ پھر کسی قدر طبع ثانیل ہوئی تھی۔ وہ رات میں تک رہنے کے بعد فجر کے قریب سوئی تھی کہ آج پچھلی مئی کی صبح ہی صبح ہونے لگی تھی۔ کسی آواز میں طبع کی طبع ہونے لگی تھی۔ "حیا۔ حیا۔ حیا۔ حیا۔" وہ ہلنے کے بعد اور سے پکارنے پر بڑا کراٹھ بیٹھی۔

"کیا ہو؟" نیچے اپنے بیک کی سیڑھی کے ساتھ کھڑی ہونے کے حوالے سے حیا نے چہرے کو دیکھ کر اس کا دل جیسے کسی نے مٹی میں لے لیا۔ وہ لطف پھینک کر حیرت سے نیچے اتری۔

"حیا۔" ہلنے کی آنکھیں جھٹکے کو بے تاب تھیں۔ حیا نے بے اختیار اس کے ہاتھ پکڑے جو صوبہ ہونے لگے۔

"حیا۔ فریڈم فلوئڈ جیوز جابا تھا۔ اسے روک دیا گیا ہے اسرائیل نے اس پر انکے کرنا ہے۔ پتا نہیں کتنے فلسطینی اور ترک مارے جا چکے ہیں۔"

"لہذا؟" اس نے بے اختیار دہرایا۔ ہاتھ رکھ کر مگر وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ ان کی جہالتوں میں تو غور رکھ کر بھی تو انہیں سمجھتا۔

"وہ کہتے ہیں کہ ان میں اسکا تھ تو دور بہشت گرد بھی ہے۔ انہیں پوچھنا تو کون ہے؟"

"خدا یا! اسٹوڈنٹس دھوکے پریشان ہوں گے۔ ان کے تو دوست بھی تھے مسافر بردار جہاز میں۔" اسے بے اختیار یاد آیا۔

"میں ان کے پاس جانا چاہیے جو جلدی کرے۔"

اس نے جلدی جلدی ہل چوڑے میں لپٹے اور پھر لباس بدل کر مسکارت پینٹ کر اور قلب طاقت سے سین کر کے وہ ہلنے کے ساتھ باہر آئی۔ کاسی روم کے راستے میں اس نے سہاگل چپک کیا تو حیرت کے کسی ایک پر ترک سہاگل ممبر سے پیغام آیا ہوا تھا۔

"میرے پاس آپ کے لیے ایک سربراہ ہے"

اس نے جواب دیا۔ "اس وقت اس پریشانی میں اسے آرہی کاسی روم کے بارے میں کون سمجھتی۔"

کاسی روم میں بائیں فلسطینی ٹو کے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ سبز پینٹیں کھلے چہرے سے نور سہاگل ہاتھوں میں ہے۔ وہ سب اپنی ڈنڈوں کے خطر تھے۔ اس کے چہرے دیکھ کر وہ دھوس کے سارے الفاظ بھول گئی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کہے۔ وہ اور ہلے خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔

"مئی ایم سووری معتمد اس کے کہنے معتمد نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ہلکی سی ہانسی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی اور وہ ہلنے لگی۔ جو توں کو دیکھنے لگا۔ وہ اس کی تکلف دھوس کر سکتی تھی بلکہ نہیں دیکھے دھوس کر سکتی تھی سوائے اس کے کہ وہ خود اس کی جگہ پر رکھے۔ وہ تصور کرے کہ اس نے لگے بھر کو آنکھیں میچ کر سوچا۔ اگر خدا اتنا سست اسلام آباد میں جنگ جاری ہو پورا اسرائیل اپنے گھروں میں محصور ہو۔

اس کے کہنے والے بنا اور ڈنڈی، وہاں اور پھر وہاں ہر ترکی سے ایک فلوئڈا۔ انہیں وہ انہیں اور نور اک جیسے فکر وہ فلوئڈا کراچی کے ساحل پر روک لیا جائے اس میں سوار کچھ لوگوں کو مار دیا جائے اور اس کے کہنے والے جڑتے رہیں۔ ہل کر اس نے تکلیف سے آنکھیں کھولیں۔ (لب وہ دھوس کر سکتی تھی۔ جب تک اسے ملک اور اپنے گھر پہنچتا کہے کسی دوسرے کا دھوس ہی نہیں رہتا۔)

کاسی روم کا دروازہ کھول کر علی اندر داخل ہوئی۔

حیا اور ہلنے کے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ایک دھیرے کو ہل چوڑی ہوئی سامنے آئی۔ وہ ٹوکل کورنگ رہی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"معتمد کیا اہمیت کر سکتے ہیں؟"

معتمد اپنے دونوں کو دیکھا۔ اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"حسین۔" وہ حسین کے قریب صوفے پہ بیٹھی اس کا پینٹ کیا کسی کر سٹ کا بڑا قلم حسین کیڑی سے اٹھا۔ ساتھ ہی چاروں لڑکے اٹھے اور وہ سب ہانچے باہر نکل گئے۔

ہلکی لپٹ کھٹے ہوئے انہیں جاتے دیکھتی رہی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں اس کی اور فلسطینیوں کی مشعل ہستی کا آخری دن تھا۔

ان کے نکلنے ہی وہ سری طرف سے طیف کرے میں داخل ہوا۔ آہستہ ہلکی اور ان دونوں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ طیف نے جینز پر سفیدی شرت پہن رکھی تھی جس پر کالے مارکر سے فلیماں کر کے لکھا تھا۔

"ہشیم ان یو اسرائیل!"

ہلنے کے غور رہی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ہلنے کے زیر لب مسکرائی اور حیا کو دیکھا۔ وہ بھی ہلکا مسکرائی۔

"ہل۔" ٹرسٹ یو یہ صرف۔" طیف ہاتھ انکار کر کے دھیرے انداز میں اب ہلکی کو سمجھا رہا تھا کہ اس کی یہ تحریر صرف اسرائیلی حکومت اور اسرائیلی فوج کے لیے تھی۔ اسے ہل سے کوئی مسئلہ نہیں تھا اور وہ اس سے ناراض تھا۔ ہل کی ہانسی مسکراہٹ کے ساتھ سہلائے ہوئے دیکھنے والے انداز میں ہلکی۔

طیف کہہ سکتا تھا۔ لائق تھا۔ وہ یہ سب کہہ سکتا تھا۔ مگر فلسطینیوں کی بہت اور تھی۔ جو انہوں نے ہلکی کے لیے اور حیا کو ہلکی دست لگا تھا۔

وہ نام کا ہل تھا۔ گو کہ پونڈرشی میں سارے کام حمل کے مطابق ہو رہے تھے مگر وہ دیوار پر چھایا

سوگ اور تختہ دل کو کاتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، کس سے انصاف لگیں۔

"ہنٹر کتا تھا میں چاہتا تو تمام سواریوں کو مار دیتا مگر میں نے بہت سہل کو بھول دیا تاکہ وہ جاں بچ سکے کہ میں نے ان کے بھائی زندوں کو کھلا رہا تھا۔"

لوہ اس جیسی دھیری بہت سی دھکوتیں۔ اسٹوڈنٹس اپنی اپنی شرتیں پہ لکھ کر پہنے گھوم رہے تھے۔ وہ اور ہلنے کی سارا دن اساتے میں ذہنی راہ داریوں میں ہے مقصد پتہ ہی نہیں۔

پاکستان میں اسے انہوں میں پتہ نہ ہو سکتا پکڑے لڑکی پر فریڈم فلوئڈا کی خود کھانا اور دھوس کر کے ہلکی ہلکی نا اور بہت تھی مگر ترکی میں وہ کراس ساری انصاف تھا۔ کاحر ہٹا دھیری بہت تھی۔

وہ لپٹ کر پرن طلعت حسین کا شو بھی بھی نہیں دیکھتی تھی مگر یہ بہت کہ وہ بھی ان سیکڑوں لوگوں کے ساتھ قید تھے بہت دل دکھانے والے تھے۔ وہ جہاز تھے۔ انہیں کار کو اور تین مسافر بردار۔ یہ سب مختلف جگہوں سے آکر مر مراش ایک مقام پر اکٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے یہ پورا فلوئڈا غزہ کی جانب گھوم رہا تھا۔ تاکہ غزہ کے محصورین کو اور وہ پتا نہ سکے۔ جب فلوئڈا غزہ کے قریب پہنچی تو اسرائیلی فوج نے جہازوں پر حملہ کر دیا۔ کتنی ہی لوگ شہید کر دیے اور ہلکی سب قید۔

وہ سہر میں وہ اور ہلنے باہر سہاگل کے کیلئے کے فوارے کے ساتھ کر سیں پہنچی۔ چاروں اور پلے کارڈز تار ہی تھیں۔

انہوں نے سنا تھا کہ پورا اسرائیل سڑکوں پہ نکل گیا ہے۔ سہاگل شرتیں نہیں لکھتا۔ وہ مصالحت میں واقع تھی۔ اس کا ارادہ بھی آج جا کر اس احتجاج میں شامل ہونے کا تھا۔

مئی کے آخر کی دھوپ فوارے کے پانی سے لٹل رہی تھی۔ وہ کینیاں سبز تھکائے مری حاکمے پونڈرشی رنگ کر دی تھی۔ اس کا دھکے ایک پلو سے طاقت سے کیا گیا تھا۔ اس کے چہرے کا حصہ بن گیا تھا۔ صرف بڑی بڑی سیاہ آنکھیں نظر آئیں جو پہلے سے

نواہ عجیدہ ہوگی تھیں۔ اٹھان ایک ہی دوا میں دو مرتبہ نہیں اتر سکتے۔ بھی سب دواں جی سلیمان نہیں رہی تھی جو چارہ کھل ترکی آئی تھی۔ وہ کہتے آہستہ آہستہ محسوس طریقے سے بدلتی جا رہی تھی۔ ایک ٹائیپ کو اس کا ذہن صبح آئے پیغام کی جانب بھٹک گیا۔

”کون سا سربراہ؟ کیا سربراہ؟ خیر عبدالرحمن کی ہر بات ہی سن اترتی تھی۔ اس تو اس نے حیران ہونا بھی ترک کر دیا تھا۔

بے کار ذرا دور پوٹو لیت کر جب وہ اس دہم میں آئی تو سینٹر راہی جی اور سارہ کناپس کو دیکھ کر بے چارہ دیکھ رہی تھیں۔ ہلکے میز پر رکھے اپنے ایک مٹی پر چھ چھڑیں ڈال دی تھیں اور فلسطینی لڑکے بھی افراتفری کے عالم میں آ جا رہے تھے۔ سب کو احتجاج کے لیے اٹھیں جانا تھا۔

”کیا تم لوگ تو کے ساتھ؟“ اس نے فی دی میں مکن تھیں لڑکیوں کو قاتل کیا۔

”نہیں۔“ سارہ نے اسکرین پر نگاہیں جمائے بے نیازی سے شالے اچکائے۔ جی اور سینٹر رائے تو اسے دیکھا تک نہیں۔ وہ اسی طرح کھڑی فکر کر رہی تھی۔

ہالے اور فلسطینیوں کے ساتھ سالن بیک کرانے اور احتجاجی شرٹس پہن کر اس کاروبار میں شامل ہونے کے لیے بہت سے ترک اسٹوڈنٹس بھی آگئے تھے۔ وہ لڑکیاں تھیں جو گری سرور ہر موسم میں مٹی اسکرٹس میں ملبوس ہوتی تھیں۔ وہ لڑکے جن کا دین مذہب سے کوئی دور دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کانوں میں بالی اور فکل اعتراف تسلیم والی شرٹس اور جینز پہنے والے لڑکے اب سب ایک ہو گئے تھے۔ مگر وہ لڑکیاں جی سارہ سینٹر رائے کی تھیں جن کے ساتھ دیا اور ڈی۔ جی رات کو کھینچا ہوا تھا۔ انہیں کئی تھیں جو ساتھ کھائی جاتی ہوئی مائی آہستہ آہستہ تھیں اس کے لڑکیاں مائی کی تھیں۔

”یہ لوگ کہاں نہیں چل رہے؟“ سب دواں تو پھر بھی اس نے الجھن بھرے انداز میں ہلکے سے دھیرے سے پوچھا۔ ہلکے سے سارہ کوئی بے نیازی سے شالے اچکائے۔

”کیونکہ مسلمان نہیں ہیں جی!“ وہ بالکل جپ کھڑی ہو گئی۔ من چارہ میں انہیں ترک پاکستانی فلسطینی نامزد جین فنی چاہیے۔ اور ایسی ہی دو جین فنیات میں پائا گیا تھا۔ مگر ج تو میت کے سارے فنی مٹ گئے تھے۔ یہاں جیسا کہ دھشت سب ایک طرف ہو گئے تھے اور مسلمان اسٹوڈنٹس ایک طرف۔

اور وہ بھی کن سراپوں کے پیچھے دوڑا کھل تھی؟ اسے بھی کن بکوں کا لباس کن کارکن سن اپنا تھا؟

انجم ہائی اور جیوید بھائی سمیت وہ سب جب تاہم پہنچے تو وہ پانچ منٹ کے لیے معذرت کر کے کھڑی سے انتظار اسٹوڈنٹ کی طرف چل آئی۔ اسے جہاں وہ بھی اپنے ساتھ لیتا تھا۔ جتنے زیادہ مسلمان ہوں جتنا تر تھا۔ بڑا رنگ پہ محسوس کی گئی تھی۔ وہ ریٹورنٹ کی میزوں سے ہٹ کر اندر جانے والے دوڑانے میں داخل ہو گئی۔ مکن میں ایک ترک لڑکی اور ایک نیا لڑکا کھڑے تھے۔ وہ دونوں شیفت تھے۔ ”سسام! جہاں کہاں ہے؟“ اس نے اندر گدگدائیں دوڑاتے ہوئے لڑکے کو مخاطب کیا۔

”وہ ابھی تو نہیں تھا۔ گوشت کھت رہا تھا۔ اب شاید“ لڑکے نے مڑ کر ایک دھیرے دور والے کی طرف دیکھا۔ ”شاید ڈسٹنگ دوم میں ہو یا چارہ“

اسی مل ڈسٹنگ دوم کا دورانہ کھا۔ جی بے اختیار گروں موڑ کر دیکھا۔ جہاں اندر داخل ہو رہا تھا۔ یوں کہ سر جھکائے۔ آنکھوں کو اٹکیوں سے رگڑا تھا۔

میں اس نے پکارا تو جہاں نے چونک کر گرنا

الٹتی۔ اس کی تھیں بھل لور سرخ سی ہو رہی تھیں۔ بھٹک مسکرایا اور سیب کی طرف آیا۔

”اسلام علیکم! ام کب آئیں؟“ اس سے نظر ملائے بغیر گرنا جھکا کر ٹوٹے سے گوشت کے ٹکڑے اٹھانے لگا۔

”بھئی۔ تم۔ تم لکھو؟“ وہ غور میں کچھ دیکھ رہی تھی۔

”اے! اس بازار کائنات سے آنکھوں میں تھوڑی جہن ہو رہی تھی تو ابھی منہ دھوئے کیا تھا؟“ اتنی لمبی وضاحت؟ یہ بھی جہن دے؟ لود پال۔ اس نے اندر گدگدائیں لڑکیوں کی تھیں۔

”تم؟ ہم اسٹوڈنٹ پروٹسٹ کے لیے جا رہے ہیں۔“ لڑکی نے غصے سے کہا۔ ”تم چلو گے؟“

”نہیں؟“ اس نے جہاں کو دیکھا۔ کیا وہ لگا ہے خیر تھا؟

”یہ تو تم کہہ رہی ہو۔۔۔ اسٹوڈنٹ ہو تو اسرائیلی لڑکیوں کو کتے لے؟“ وہ لاپرواہی سے کہتے ہوئے گوشت کے قتلے کھانکھٹ کھاتا تھا۔

”جہاں! کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں کو کسی وجہ کی ضرورت ہے؟“

”یہ من کی تھیں کی جنگ ہے جیسا کہ فلسطینی بھی سب سے پہلے نہیں ہوتے۔ یہ جہاد ہے۔ یہ جہاد ہے۔ یہ سب دھشت گردی کی قسمیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ قتلہ کو واقعی باجائز روک لیا ہو مگر انہیں فلسطینیوں سے زیادہ فلسطینی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ اسلام میں ہے۔“

”جہاں! یہ کیسے ہمارا مسئلہ نہیں ہے؟“ اس نے کہا۔ ”جہاں! یہ ضرورت ہے۔“

”ہمارا دشمن ہمارے پیروں سے پیسے بھی

تھا اور ہمارے مرنے کے بعد بھی رہے گا۔ اسے ہماری قسط ضرورت نہیں ہے۔ لود پال۔ اتن میں محمد بن قاسم ایراکے دھاس سے نکل آؤ۔“

وہ بہت بے زاری سے گردن جھکائے کلم کرتے ہوئے کمر دھاتا تھا۔

”یہ کیا جہاد ہے کہ یو لڈ میں باپ کو چھوڑ کر بدلتی اٹھائے نکل رہے۔ جہاد تو وہاں ہے جو ایک توئی اپنے گھر والوں کے لیے مشقت کر کے روزی کھاتا ہے۔ جو میں کرتا ہوں جو میں ریٹورنٹ میں میرے درگزن کرتے ہیں۔“

”جسم میں کیا تھراوار ریٹورنٹس۔ ہر حال میں تم سے حلق نہیں ہوں۔“ اور اگر تم ملاد ہو کر اسے پراکھو ہو سکتے ہو تو میں صبح ہو کر پراکھو کیل نہ ہوؤں؟“ وہ بھی ہے کہ کہہ گئی۔

جہاں نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر کلم کرنے لگا۔

مسلمان اسٹوڈنٹس کا دھیرے ترک ہاسیوں کے ساتھ اسٹوڈنٹ پروٹسٹ جاری قتلے کا لڑا لڑا رہا۔ پھر ایک اٹھائے حوتے بلند کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک شخص لود سے پکارا تھا ”ڈاؤن ڈاؤن؟“ تو باقی لوگ ہم تو اڑ ہو کر ”سراٹل“ چلائے۔ ہر طرف ”Down with Israel“ کے نعروں کی گونج تھی۔ پاکستان میں ایسے مظاہروں میں ”معا“ مولوں محو رتوں کے درمیان تفریق سی ہوتی تھی مگر ترکی میں دونوں صنف اکٹھے ہی رہتی ہیں۔ چل رہے تھے۔ یوں بہت سی کچھ چٹا پڑا لیکن اس کاؤن ابھی تک جہاں میں تھا۔

ہر ایک کے سیاسی تجربات الگ ہوتے ہیں۔ سب کو اپنی رائے رکھنے کا حق ہے۔ ہمارے کہیں بار بار دہنا۔ آہا ہے لور۔ کہیں بار بار لپٹے آئسو بھٹک رہے ہیں۔

اسرائیلی ایجینسی کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔ مستقیم کلونیاں پورے ہو سکا مگر ان کا احتجاج شان

اسکارف سے کیے گئے نقاب میں رچی تھی اور لب اسے اپنے اسی چہرے کی عورت ہوتی جا رہی تھی۔ کندھے پر بیگ لٹکائے اور سینے سے فائل لگا کر باند لپیٹ کر سر اٹھا کر بہت احمق سے وجہ سہانگی کی رہا داری میں چلتی تو اسے ٹال اور اس کی دوستوں کی توانفل کی پروا نہ ہوتی۔

ابھی ابھی بھی ایسے استغرابہ انداز میں "Arap" "baci" کہتی تھی۔ عرب بلی "یہ اردو والا بلی" ہی تھا کہ ترکوں "C" "جیم کی تواز سے پرصاحا تھا۔" البتہ علی اور فلسطینی لڑکوں کے گھر وہاں فریڈم فوڈ کی بیچی گئی لکیر، نوز گام بھی کو کہ ڈی۔ بی۔ ائی۔ بی۔ خواہش کی کھیل دیکھنے کے لیے زندہ بیس تھی۔

لوہوں کو اٹھل ختم ہوئے تو انہوں نے رعبوں کا آغاز ہو گیا۔ پچاس ممالک کے انچینچ اسٹوٹس میں سے کچھ آخری مینے میں دوسرے ممالک جا رہے تھے۔ جبکہ کچھ ترک میں ہی رہ رہے تھے۔ عاتضے کے پاس بیوک لوا جاتا تھا۔ اچھی تھی۔ محمد علی عبدالرحمن تھا اور ابھی کافی توازیے یاد ہوئی۔ وہ بدل بھی لے گا۔ کمرے پر دھکیں تھیں۔ بس چند دن ہیں پھر وہ پاکستان چلی جائے گی تو نہ وہاں عبدالرحمن ہو گا نہ توازیے کئے والی ٹال۔ وہاں اس کے قباب کی عزت ہوگی۔ پہلی دفعہ اسے کیا فرقان کے نظریات سے نہیں لگے تھے۔ ٹھیک ہی لڑ رہے۔ وہ کچھ لوگ کہتے تھے۔ لہو دیکھا کتنے خوش ہوں گے اس کے قباب پر۔ مگر میں اسے اس کی خوشی سے فرق نہیں دیتا چاہیے۔ کسی کی ستائش کے لیے تو یہ سب نہیں کر رہی۔

ستائش کے لیے اگر کوئی قباب لے تو جلد ہی چھوڑ دے گی۔ کہ یہ وہ کام ہے جس میں رہا ہو ہی نہیں سکتی۔ "عاتضے نے اس کی بات پر ہنس کر کہا تھا۔ وہ اپنے دونوں بعد رنج ہو کر ادا آئی تھی اور اسے چھٹی سال کے کنارے ایک لڑکی ایئر کیٹے میں بیٹھی تھی۔

اس سے قبل وہ ان دونوں بیٹوں کے ساتھ حلیہ

آئی کی طرف بھی ہو آئی تھی۔ آئی "میں انکل اور سفیر کے ساتھ کیس نکلی رہی تھیں۔ بس وہاں سے ہی کھڑے کھڑے سلام دعا ہو سکی۔ "میں انکل دینے ہی تھے بھاری بھر کم اور خوش مزاج۔ ڈی۔ بی۔ کا السوس کرنے لگے تو علوانا بولتے ہی چلے گئے اور ہمارے گل پرے پرے منہ بنا کرنے لگی۔ ایک ہی تھی جو اپنے تاثرات میں چھپا کر لگی تھی سفیر سے البتہ ہمارے اور عاتضے دونوں پر ہنس ہوتی تھیں۔ وہ اکثر اس کا ذکر کرتی تھیں اور لب جیانی سفیر سے حرمی سی طاقت بھی ہو گئی تھی۔ وہ تھیں پھر ہیں۔ اس کا خوش مزاج سالز کا تھا جیسا کہ یورپ میں پاکستانی لڑکے ہوتے ہیں۔

اس کی شہری اس کے وہ ملک میں پاکستان میں زمین دہی کرنے کے خوابیں تھیں اور یہ قصد ہمارے اتنی دفعہ دہرا چکی تھی کہ وہ جاکے لیے اہمیت کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہلپ جٹا ہوئی گریڈ میں ہم کہتے تھے اور اس دس مہل کی طاقت میں بھی چند ایک ہمارے سفیر کے ہیں۔ "عبدالرحمن بھائی" حضور نظام تھا۔ وہی ستائش غرے ہم لینے کا انداز جو ان دونوں بیٹوں کا بھی غار۔ قباب ہمیں ان سب کو عبدالرحمن میں کیا نظر آتا تھا۔

جانے سے قبل اس نے ایک دفعہ سر جاکر حش شیر سے بوجھ لے کر جہاز میں انہوں نے کئی نشست پر بیٹھی رنگ عورت کو کیا کہا تھا کہ وہ خفگی سے دلہن مڑ گئی تھی مگر پھر اس نے جانے دیا۔ بعض باتیں لوحدی ہی رہیں تو بھر ہو گئے۔

محمد علی کارکی کی ایک بچہ چان ہوتی ہے حیا۔ عاتضے کہہ رہی تھی۔ "بعض دفعہ بندے کو خود بھی علم نہیں ہو گا کہ وہ کدوا کر رہا ہے مگر ایسے کام کی بچیاں۔ وہی ہے کہ قہ اس پر بھی ثابت قدمی عاتضے رکھتا تھا۔ سال کے کنارے پر سیاہیوں کا خنسا رشتہ تھا۔ چوک لوا" استیوں والوں کا "مری" قہ موسم کا شہنا ہوتی سیاحوں کا رشتہ لگ جاتا تھا۔

بھروسے "مر مٹی ہونے والے سندھ دی بگے بھی ساحل کی پٹی کے ساتھ ساتھ اڑ رہے تھے۔

ہمارے کے ہاتھ میں بھٹی تھی اور وہ اس کے کھڑے کھڑے کر کے بگلوں کی غرق اپھیل رہی تھی۔ ایک کھلا بھی زمین پر نہ کرنا بگے فضا میں ہی اسے چوڑی میں دالیتے۔

"ثابت قدمی و قہی مشکل ہوئی ہے عاتضے! میری ساتھی اسٹوٹس اکثر مجھ پر توازیں کس کر رہی تھیں ہیں کہ میں نے اس بندے سے اسکارف کے اندر کیا چھپا رکھا ہے۔"

"تم آگے سے کہا کہ خود کش ہم چھپا رکھا ہے۔" ہمارے نے اس کی طرف گریں بھا کر انداز کی سے کہا تھا مگر اس کی سن نے اس پر۔

"میری بات ہمارے ا" عاتضے نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جب ابھی لڑکیوں کوئی مصلحت بات سنتی ہیں تو اسے بہت بدکار طریقے سے نظر انداز کر دیتی ہیں۔" ہمارے نے اتنی ہی خفگی سے سر جھٹکا اور بھٹی کے کھڑے توڑنے لگی۔

"خیر ہے ہمارے! اس جہاں میں ہمیں دالیں چلی جاؤں گی اور وہاں نہ ترک حکومت کی کٹی ہوئی نہ ہمارے اسی طے میں اور ہر پوری "زانی کے ساتھ قباب لے سکوں گی۔"

"حضور غرق حش کی جنگ میں ایک سو قہظہ دل ہی جا رہے ہیں۔"

"مضب" اس نے نا کھی سے ابرا اٹھالی۔

جواباً عاتضے اپنے خاص انداز میں مسکرائی جیسے اس نے پاس اٹھانے کے لیے کوئی خاص جواہر ہو۔

"تم نے کھی سوچا ہے حیا کہ آیت قباب سورہ جواب میں ہی کہیں آئی ہے؟ اس نے جواب دینے سے بچنے ایک یا سو۔"

اس سلفظ میں ہندو رہا چھٹی میں سر دیا۔

"شاید اس کے لیے کہ یہ ہم غرق اڑتے کے قہہ ہی اڑا تھا۔"

"یہ تو سب کو نظر آتا ہے حیا۔" میں حشیں

بھائی جو سب کو نظر نہیں آتا؟ حشیں کو نہ تھی تمہارے پٹل باکس کی پٹیلیوں سے نیاہ وکسپ ثابت ہوگی۔"

حیا لا شعوری طور پر کرسی پر ڈرا آگے ہوئی۔ ہمارے پرے پرے منہ بتائی بھٹی کے کھڑے اپھیل رہی تھی۔ وہ بول نہیں سکتی تھی کہ عاتضے سن لیتی اور سب کے سامنے وہ ہمیشہ عاتضے کی رفتار رہتی تھی۔ لیکن اس نے ایک قدم نوک کمانی میں پرہی تھا کہ حرم کے بگے میں بھی سن لیتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں ان پٹل پڑتے بگلوں کو مخاطب کیا تھا۔

(عبدالرحمن ٹھیک کہتا ہے میری سن کو بچھو دینے کے لیے وہ کچھ بھی نہ کیا تھا۔ سن میں نے کہا کہ اس) "تمہارے چہتا تو کسی اور سورہ میں یہ شعر ملاں کر دیتا یا اس سورہ اڑتے کا نام کچھ اور رکھتا تھیں کی ہم کہیں۔"

ایک چھوٹے بگے نے فضا میں ہی ہمارے کا پیچھا کھڑا کیا اور پھر پھر پڑتے ہوئے اڑ گیا۔ ہمارے نے گریں اندر کر اسے غور سے دیکھا۔ کیا اس نے سنا تھا جو وہ اس سے کہہ رہی تھی؟

"میںیں چاہے" اڑتے کہتے ہیں گروہوں کو اور "غرق اڑتے" دراصل غرق حش کا سرانام ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہ سارا واقعہ جانتی ہو کہ کس طرح مسلمانوں نے حش کو دی "مگر پھر بھی میں حشیں یہ وہاں سنا تھا اچھی ہے۔"

(میری بہن حیا کو یاد کر رہی ہے اگر عبدالرحمن اوپر ہو تو یہی کہتا کیا تم نے سنا؟) مگر بگے میں بھٹی جو نہیں میں جا کر اڑ جلتے۔

"میںیں چاہے بندہ میں سورہ کے ساتھ موشوں کا مصلوب تھا کہ بندہ۔" حشہ ہوا تو ل کر قہ کر س کے مگر یہ وہ تو پھر ہوا ہونے میں سو قہظہ میوہ کے گروہ نے اہل کہ سمیت گئی گروہوں کو جلیا کر اکسلا کر بندہ۔ حشہ کہیں وہاں کے ساتھ ہیں۔ ہوں جب ہمارے گروہوں نے شکر کی صورت بندہ کے کیا ہر اڑا تو ل ہوا

لو بنو قہطلہ آپ کا حضور ذکر مکرر ہوں گے ساتھ جا
 لے۔ "عائشہ سانس لینے کو روکی۔ ہمارے بچوں کو
 بھولی کر بدلتی تو زنا چھوڑ کر عائشہ کو دیکھ رہی تھی۔
 "تب مسلمانوں نے اپنے اور دشمن کے مکر ہوں
 کے درمیان ایک بہت ہی بہت گہری خدق کھودی
 تھی۔ سووی اور بھوک کی تکلیف واحد تکلیف نہیں
 تھی۔ اصل اذیت کسی حریف کے دھوکے کی ہوتی
 ہے۔ باہر والے تو دشمن ہوتے ہیں مگر جب کوئی اپنا بچ
 جنگ میں چھوڑ کر چلا جائے وہ بہت تکلیف دہ ہوتا
 ہے۔ اسی لیے جب یہ "مکر" کا حصہ سے تنگ آکر
 ایک عرصے بعد واپس پلے گئے اور بنو قہطلہ خوف کے
 مارے اپنے قلعوں میں چھپ گئے تو ان کو سزا یہ ملی کہ
 بنو قہطلہ کے ایک ایک مرد کو جن جن کر مارا گیا کہ یہ
 لوند کا حکم تھا۔ جانتی ہو میں نے نہیں اتنی ہی کمائی
 کیوں مثال؟
 "کیوں؟" حیا کے بھائے ہمارے کے لیوں سے
 پھلا۔ وہ اب ساری جنگی بھلائے عائشہ کی طرف
 پوری گھولی بیٹھی تھی۔
 "کیونکہ تھاب پہننا جنگ خدق کو دعوت دینا
 سب سے گہرا ہونے کی جنگ کی پہلی لڑکی کو دیا۔ پھر وہ کر
 اپنے گرد خدق کھودنی پڑی ہے اتنی گہری کہ کھلی پائے
 کی جڑا نہ کر سکے۔ اور پھر اسے اس خدق کے بار
 محسوس رہتا پڑتا ہے۔ اس جنگ میں اصل دشمن اہل
 مکہ نہیں ہوتے بلکہ اصل تکلیف بنو قہطلہ سے آتی
 ہے۔ یہ جنگ ہوتی ہی بنو قہطلہ سے ہے اور خدق کی
 جنگ کبھی بھی بنو قہطلہ کے بغیر خود میں نہیں آتی۔"
 عائشہ خاموش ہوئی تو کوئی حیرانہ نہ ہوا۔ چاہے سمجھ
 کر سر ہلایا۔ قرآن کی سیلایاں نہ وہ پکچھپ ہوتی ہیں۔
 "تم صحیح کہہ رہی ہو مگر شکر ہے میری فیملی تھاب
 کی بہت بڑی حاجی ہے۔ میرا ان سے ساری زندگی نقطہ
 اختلاف ہی یہ رہا ہے۔"
 "ہو سکتا ہے تمہاری اس جنگ میں کوئی بنو قہطلہ
 نہ ہو۔ لہذا کہے ایسا ہی ہو۔" عائشہ نے مسکرا کر دوا
 دی تھی۔

"مگر عائشہ۔۔۔؟" ہمارے بچے کہتے کہتے الجھ کر
 رک گئی۔ ان دونوں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے
 دیکھا۔ وہ قہر سے مہم سے تاثرات کے ساتھ بڑھ
 سوچ رہی تھی۔
 "کیا ہو اہلکار؟"
 "کچھ نہیں۔ ہمارے سنبھل کر مسکرائی۔ اسے
 حیا کے سامنے عائشہ کا بیٹا بھلا رہتا تھا لیکن بعد
 میں خیال میں وہ اسے تھانے کی کہ اس نے ابھی پوری
 پہلی حل نہیں کی وہ اہلکار کی پٹری میں کچھ مس کر
 گئی تھی۔ وہ اصل نتیجہ نہیں جان سکی تھی اور وہ تو
 تھانے کے سامنے کی بات تھی۔ ہمارے نے ذرا سا غور کیا تو
 اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس نے دل ہی دل میں وہ بات
 بتلوں سے سوچ لی۔
 (کیا تم نے اب سنا؟ کیا تم نے سنا؟)
 قریب ہی ساحل پر پچھلے کتے بگنے رات میں کچھ
 ڈھونڈنے کے لیے گھٹاں جو کالی تھی۔ کیا یہ لہبت کا
 اشن تھا؟ ہمارے گل سمجھ نہیں سکی۔
 * * *
 اختلاات کا موسم ختم ہوا تو اہلکار اور حیا کا سلسلہ
 شروع ہو گیا۔ اسٹوڈنٹس نے اب آخری صفحے کی
 مباحثہ کے لیے روانہ ہونا تھا سو سبھی میں ایک دلد
 پھر سے وہی ماحول چھا گیا جو اس وقت بریک سے پہلے
 چھایا تھا۔ وہ ان کی تیاریاں پہنائیں۔ "میری شاہینگو
 تھنے گھر پر بس۔ صرف وہی تھی جس نے اس کی کوئی
 حقی فیصلہ نہیں کیا تھا۔
 اس رات ان کے ذہن میں پوٹ پوٹ لکھتے Potluck
 اور تھا۔ سب ایک ہی اسٹوڈنٹس اپنے ممالک کی پوشش
 تیار کر کے لے رہے تھے۔ کسی کھانوں میں برائی کے
 علاوہ اسے صرف چکن کزن ای مثال آتی تھی سو اچھی ہوتی
 کے لپار ٹنٹ پھلن کے ساتھ مل کر اس نے وہی مثال۔
 تنگ مرچ البتہ ذرا تیز ہو گیا تھا۔
 "چلو خیر ہے تم نے یہ تو کم ہی کھائیں گے سب
 اچھی لپائی نے اسے سلی دی۔ ابھی وہ دونوں ان کے

کمرے میں بیٹے آئیے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی
 تھیں۔ حیا اپنا سیاہ اسکارف خود ہی تانے میں اپ کر
 رہی تھی۔ انجیلا انجم ہائی تنی شیڈنگاری تھیں۔ انہوں
 نے سلک کا بارٹل سا جوتا پہن رکھا تھا۔ جو ڈا اچھا تھا۔
 مگر انہیں کالی بھولی گور شووار علی تھی۔ تو انہیں ہائی ڈرا
 کوٹ ڈنٹھ تھیں یا انڈیا میں ابھی تک پیالہ شلو اور گور
 چھوٹی لپیں کالیشن چل رہا تھا پاکستان سے تو وہ عرصہ
 ہو انا تب ہو چکا تھا اس نے سوچا مگر کہا نہیں۔
 "تم کج تو غائب مت کرو کج تو پارتی ہے۔" اسے
 غائب اڑتے دیکھ کر انجم ہائی ڈرا بے چینی سے بولی
 تھیں۔ بعد ازاں کج پھو جیسے سے مسکرائی۔
 "پارتی تو ہے انجی ہائی انکر ہوگ تو وہی ہیں جن سے
 سارا دن غائب کرتی ہوں۔ اب تار اتو کتنا رانگے گل۔"
 اس نے بے حد رمان سے سمجھایا۔ تو انہوں نے سر ہلا
 دیا۔
 "ہاں یہ تو ہے۔"
 "ہے کسی لوگ کہتے اچھے ہوتے ہیں نا تھاب۔
 آپ کو ویسے اذیت نہیں دیتے جیسے مٹی جیسے لوگ
 دیتے ہیں۔"
 "شکر ہے انجم ہائی نے وہاں اعراض نہیں کیا۔ کرنا
 بھی نہیں چاہیے۔ وہ بھی تو ان کے پرانے فیشن۔ کچھ
 نہیں بولی تھی۔ اس نے پتہ مٹی سے اسکارف ہینک
 کرتے ہوئے سوچا تھا۔
 آج اس نے سیاہ سلک جلاؤز اور اسکرٹ کے ساتھ
 سیاہ اسکارف لیا تھا۔ پورا لباس سیاہ تھا۔ بس آستین پہ
 گل ٹیوب کے گرد سفید موتیوں کی دہری لڑی گئی تھی۔
 جود ہم سی چکتی تھی۔
 ڈورم جاک کے کلاس روم میں روشنیوں کا سا
 ہل تھا۔ کرسیوں کے پھول دیکھے ہی بنے تھے جیسے
 چھن کی سالگرہ کے دن ہائے گئے تھے۔ (کو اس کا
 خیر یہ ہاؤس اور ڈی ہے؟) پوریون ٹریکس بہت دور
 سے تیار ہوئی تھیں۔ شوڈر لپیں دیو سلت جو گھنٹوں
 سے اوپر آتے تھے۔ جیسے وہ کوئی ہوم ٹاٹ ہو۔
 لیکن وہ سب سے الگ تھا ایک کھانے میں خاموش

سی چلی تھی۔ فلسطینی لڑکے اور بچے اپنے اپنے
 کھانوں میں مصروف تھے سو میں آسکے تھے۔ خود کو
 بہت تنہا محسوس کر رہی تھی۔ مٹی میں عجیب سی دہریالی
 پھائی تھی جیسے کسی ملا جلی جگہ آئی ہو۔
 اگر وہ پہلے والی حیا ہوتی تو ایسے تیار ہوتی کہ کوئی
 اسے نظر انداز نہ کر پاتا۔ وہ صبح کی مناسبت سے
 ساڑھی کو نچا ہوا اور ہل بھلا پستی اور اس نے سر
 جھکا کر نہانہ جاہلیت کی کشش ٹھٹھل آخر مٹی کیوں نہیں
 ہے؟ وہ کیوں اور ہمار چھپتی رہتی ہے؟ مالا مکر وہ تھا۔
 واپس اس دور میں نہیں لوشا جاتی تھی نہ تو اس ہارڈی
 یہ قدم بہ قدم اور چھٹا جاتی تھی مگر اب وہ بچے کھیں
 دیکھ رہی تھی؟ بچے تو کھل تھی۔
 کھانا شروع ہو چکا تھا۔ اسٹوڈنٹس جتنے مسکراتے
 باتیں کرتے تھیں لے اوپر نو حرم گھوم رہے تھے۔ مٹی
 اپنی ڈش اٹھائے لے تکی تھی۔ پنا نہیں گوشت اور
 گاجر کا کیا ملتا تھا جس کا ایک بہت مشکل سا مہر لپتی
 ہم لے رہی تھی۔ اس نے دست خوش ہل سے حیا کے
 آگے ڈش کی توجہ دے شکر کہتے ہوئے ذرا سا پلیٹ
 میں ڈالا۔ مٹی مسکرا کر آگے بیٹھ گئی۔ حیا نے تمام
 سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے کھٹے میں گوشت کا کڑا
 پھنسا یا پھر ایک دم گھبرا گئی۔
 وہ تو تھاب میں بیٹھی تھی۔ تھاب کے ساتھ وہ کیسے
 کھا سکتی تھی اسے کیوں بھول گیا کہ وہ تھاب کے
 ساتھ نہیں کھا سکتی؟
 اس نے بے بسی سے ارد گرد کھل کھلی اس کی
 طرف دھجھ نہیں تھا مٹی بہت سے لڑکے تھے۔
 تھاب نہیں اتار سکتی تھی ہم اڑ کم مٹی کے اس لمبے
 کے لیے تو نہیں۔
 اس نے بے دلی سے کٹا پلیٹ میں گر دیا۔ مٹی کی
 دہریالی بیٹھ گئی تھی۔ اتنے سارے ایک جیسے لوگوں میں
 ایک ہی مختلف سی لڑکی بتائیں کہیں سے آئی تھی۔
 وہ ان سب میں بالکل مس فٹ تھی۔ اجنبی اطمینان۔
 کسی اور دنیا سے تعلق رکھنے والی ہے اس کی دنیا نہیں
 تھی۔ آگے پاکستان میں بھی تو دعویں اور تقریبات

ہوں گی۔ وہ تو ادھر بھی مس فٹ لگے گی۔ یوں اس لہوے میں خود کو کیلے 'انگ تھلک' خاموش سی ہو گئی تو اسے پھر کب تک ایسے اجنبی نہیں گئے۔ اسے لوگوں کی باتوں سے فٹ نہیں چڑھا تھا مگر خود اس کو سارا منظر بہت اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ وہ جیسے انگریزی میں کہتے ہیں "او فون ٹوٹ" وہ وہی سی تھی جس کی طرف سے مٹی تھی۔ اسے لگا اگر وہ کچھ دیر مزید بیٹھی تو روے گی۔ اسے یہاں سے کہیں بہت دور بے حاشا چلے گئے کسی جگہ میں 'جس' وہ اجنبی نہ ہو۔ وہ تیزی سے اٹھی اور دو دانے کی طرف بڑھی۔ راستے میں تل 'لو لڑکیوں کے ساتھ گڑی فٹ فٹ کر رہی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ شرارت سے مسکرائی۔

"حیا! تم نے اپنے اسٹارٹ میں کیا چھپا رکھا ہے؟" اور ٹاب سمھاتے ہوئے حیا نے پلٹ کر دیکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

"خود کش بم! کیا رکھاؤں؟" اس نے سوالیہ ایمہ اٹھائی۔

تلی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ اس کے سنبھلنے کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی۔

اپنے ڈورم میں آکر اس نے زور سے دو دانے بند کیا اور پھر دو دانے سے کمر لگائے آنکھیں بند کیے متیز چیز سانس لینے لگی۔ چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ کمر خالی تھا۔ چاروں ڈائل اسٹوری جنس غاصت سے بچے پڑے تھے۔

وہ اسی طرح دو دانے سے مٹی لٹکی پہ چلتی مٹی۔ اسٹارٹ کی پین ٹوچ کر آماری اور اسے اپنی میسر کی طرف اچھالا۔ وہ کرسی پہ جا کر ایک لمبا ٹکٹا ہوا زمین کو چھوئے لگے۔ اسے اٹھانے کے لیے نہیں اٹھی۔ اس نے فٹ آنکھوں سے اسے دیکھ گئی۔

وہ تو کبھی محفلوں کی جان ہوتی تھی ساتھی سحرانگیز کہ اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اب؟ اب وہ کیسے ایک دم سے اجنبی بن گئی تھی؟

بہی کی توار کے ساتھ پاکت میں رکھا فون جلا۔ اس نے فون نکال کر ڈیٹائی آنکھوں سے دیکھا۔ مگر احمد کا مہم چل گیا تھا۔

"کیسی چن کپ؟" اس میں عین الفاظ۔ شاید اس کے دل نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ بہت لمبی ہوئی 'بھری' ہوئی سی ہے اس وقت یہ کوئی بل کی نہیں نہ کھنگ نہ نہیں تھی۔ وہ جداں کا تعلق تھا خیال کا رشتہ۔

وہ جولا "تپ کر نے تلی۔"

"مجھے حشر لگے ان چوں نے دنیا والوں کے لیے اجنبی بنا دیا ہے۔ مگر احمد!"

پیغام چل گیا۔ آنسو اسی طرح اس کے چہرے پہ ٹوٹتے رہے۔ اسے رات کی زندگی یاد نہیں آ رہی تھی۔ اسے نئی زندگی مشکل لگ رہی تھی۔ اجڑا کی جگہ کی یہ خدشہ تو بہت کبھی بہت تریک تھی۔ اس میں تو دم تھا تھا کہ اسے اس سے قاتل رہے گی؟

احمد کا جواب آیا تو اسکرین حشر کا اٹھی۔ اس نے پیغام کھولا۔

ﷲ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اسلام شروع میں اجنبی تھا۔

عقربہ بن ابی معیط ہو جائے گا۔

وہ سلام ہو ان اجنبیوں پہ!

اسکرین پہ شپ اس کے آنسو گرے لگے۔ وہ اللہ اس نے بے اختیار وہ بول باتوں میں سرگراں کیا۔ وہ کہیں نہیں سمجھ سکی کہ یہی اجنبی بن تو اسلام تھا۔ ایسی ہی تو ہوئی ہیں اجنبی لڑکیاں۔ عام لڑکیوں سے ایک منفرد مختلف۔ وہ دنیا میں کم ایسے ظہری سے قیام رکھتی پھر وہ کھوتوں اور دُراصلوں میں گمن لڑکیوں جیسی تو نہیں ہوتیں۔ اجنبیت ہی ان کی شناخت ہوتی ہے۔ وہ ساحل کی کچھڑ پہ چھکنے والا انگ ساسولی ہوئی ہے۔ اجنبی سولی۔

وہ دھیرے سے مسکرائی وہ ہتھ کی پشت سے آنسو رگڑے۔ وہ ایک مضبوط لڑکی ہے اسے اتنی جلدی ہار نہیں مانتی۔ وہ اسی اجنبی طریقے سے اس کا

میں سر ہٹ کر سب کے درمیان چنے کی اور وہ دنیا والوں کو یہ کر کے دکھائے گی۔ آئندہ۔ وہ کوئی پارٹی چھوڑ کر نہیں آئے گی وہ پورے اٹھوے سے ان میں بیٹھے گی۔

وہ اٹھی اور اپنا اسٹارٹ اٹھایا۔ پھر فون پہ مانتے کا نمبر دے لگی۔ ابھی لڑکیوں کو اپنے جیسی اٹھوے سے لوہ سے لوہ ان ٹیچ رہا ہے تاکہ جب خدشہ کھوتے کوئی اپنے دل پہ رکھا ایک پھر کھائے تو آپ اسے اپنے وہ پھر گنا سکیں۔

"اسلام طیکم جی! وہ سری جانب ہمارے چکی تھی۔ میں ابھی تیار رہے ہرے میں ہی سوچ رہی تھی۔"

"اتھام کیا سوچ رہی تھیں؟" وہ تینے کے سامنے کھڑی باتوں کا جواڑا کھولنے لگی۔ نرم ریشمی بل کھل کر کرتے کرتے چلے گئے۔ وہ اب بھی اتنی ہی خوب صورت تھی جتنی پہلے تھی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ میں نے تم سے پوچھ ہی نہیں کہ تمہارا کس کھلا جیس؟"

"ارے ہاں! وہ کھل گیا۔ مگر اس میں صرف ایک چالی تھی۔"

"وہ کھل گیا؟ تم نے پہلے پوچھ ہی؟ ہمارے ایک دم سے بہت پر جوش ہو گئی۔"

"ہاں میں نے پوچھ دی۔"

"تو اس پاس کی 'کی' کیا تھی؟ کون سا لفظ تھا؟"

بہارے کو بہت بے چینی تھی۔ اس نے بھی حیا کے پاس پہ زور آزمائی کی مگر سب اس کے اوپر سے گزر گیا تھا۔

"اس کی Key تھم ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ مانتے پور ہمارے پاس کے کپڑے کو ہوا۔

"کیا کرتی تھیں۔ منتقل پاس کی چالی۔"

بہارے میں برش چلائی وہ ایک دم ہالک شرمکی۔ اس نے اپنے ذہن میں روشنی کا کوہ اسرا پا تھا۔

"کی؟" اس نے بے چینی سے دہرایا۔ "ہمارے! میں جیس بعد میں کھل گئی ہوں۔ ابھی کچھ کام کن ہے۔" اس نے جلدی سے فون بند کیا اور اپنے

دراز سے پل داکس ۱۸۰۔ بہت تیزی سے اس نے سلائیڈز کو دیکھ لیں تھیں تاہم کا لفظ سامنے آیا تو منتقل پاس کھل پڑا۔ منتقل پاس کی کٹی تاہم تھی۔ احمد روٹھے کا لفظ۔ لکھی مگر واضح تھی۔

چالی کے نیچے دل اسٹاپس۔

چالی! وہ خدا یا۔ اسے پہلے کس کچھ میں نہیں کیا۔ چکی نے کھا تھا تو زور کھولنے پہ کسی کام کا نہیں رہے گا۔ اس نے وہ تحریر توڑ کر کھولنے والے کے لیے لکھی تھی تاکہ وہ سمجھ کر "چالی" سے مراد وہ ہے کی چالی ہے جبکہ پہلی پوچھ کر کھولنے والے کو علم ہو گا کہ چالی سے مراد "تاہم" ہے۔

تاہم کے نیچے وہ دل اسٹاپس لگانے سے کیا ہوا تھا؟ وہ سوچتا چاہتی تھی مگر لڑکیوں واپس آئیں تو اس کی یکسوئی متاثر ہونے لگی۔ اس نے پاس یہ اسٹارٹ لپینا اور اسٹڈی روم میں آ گئی۔ وہاں ان کے ڈورم بلاک کی وہ ترک اسٹڈی فٹ بیٹھی پڑھ رہی تھیں۔ وہ بھی ایک کرسی پہ آ بیٹھی اور ایک کا لفظ لکھا "تاہم" پھر اس کے نیچے کئی جگہوں پہ نقطے لگا کر دیکھے مگر کچھ نہیں بن رہا تھا۔ انگریزی حروف میں لکھا تب بھی کچھ نہیں بنا۔

"سو۔" اس نے ان دونوں لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تاہم کے نیچے آئی میں تاہم اسکو اڑ کے نیچے اگر ہم فٹ اسٹاپس لگائیں تو ہمیں کیا ملے گا؟"

ایک لڑکی ابھ کر اسے دیکھنے لگی۔ جبکہ دوسری نے بہت سے نیاری سے شے اچھانکے۔ "لگاتے سے اگر تمہارا مطلب یہ ہوا کہ اسے تو بھر سکتی!"

"کیا؟" حیا کو بچھ نہیں آیا۔

"تاہم کے نیچے اگر تم یہ لکھو گے۔"

اسٹاپس ہول کر تو سسلی کا شپ آئے گا۔"

وہ بالکل سناٹے میں رہ گئی۔

"اور وہ تاہم لفظ کی بہت کد رہی ہے؟ صلی والے اسکو اڑ کی نہیں۔" وہ سری لڑکی نے اپنی ساتھی کو ٹوکا تھا جولا "اس لڑکی نے سوالیہ نگاہوں سے حیا کو

جواہر سے ذرا سی شاپنگ کرنی ہے میں سوچ کر اٹھ گئی۔ جس کی تواریش واضح ہو چکی تھی۔

"اجھا اب جواہر جا رہی ہیں؟ تو پھر کب ملان دیں رکھو اور جیتے گے۔" "نہ ذرا سار کا۔" جواہر میں لہکتا دل کرتا ہوتا ہے۔ "نہ شہر نس کے قریب علی ہے۔"

"واقعی؟" "جیتے سے، واپس پٹی تھی۔" "المت لا کر؟" "جو چاہیے سے کہتے ہیں؟"

"ارے کم، نہ لے لے گئے، سب لا کر نہ چلی سے کھا کر رہے تھے۔ سلطنت ترکہ لب بہت تری کر چکا ہے۔" "ترک یوز سے لے کر سے تہوں انھا کر گے۔"

"مارے لہانت لا کر نہ بار کڑا سے کہتے ہیں۔"

"کک کورس؟" "جیائے گہری سانس لی اور مسکرائی۔" "انہ تری پانچ سلطنت ترکہ کو سلامت رکھے بار کڑا اس نے بچھتے ہوئے سر ہلایا۔"

بار خرا سے سارے برید کر رہے جارہے تھے۔ نسلی کے اسٹاپ سے ایک ڈائریکٹ ایگزٹ تھی جو جواہر ہل میں کھتی تھی۔ وہاں میں آئی اور تیزی سے اون لا کر نہ کی طرف لپکی ہو کر اٹھ گئی جس کے قریب ہی بنے تھے۔ ایک دیوار پر پیچھے تار لگی لا کر نہ جیسے کچن کیبٹس ہوں۔ سب ایک ایک نمبر لکھا تھا۔ اس نے پرس سے چال اور ہار کوڈ سلپ نکالی اور پورے اٹھو سے چلتی لا کر نہ کے قریب آئی۔ وہیں کھڑا گاڑا بے اختیار اسے دیکھنے لگا۔

جیائے وہی لا کر نہ کی مشین کا طریقہ دیکھا۔ اسے پہلے لا کر نمبر پات کھانا تھا۔ وہاں سے کی پیڈ اس نے 6 کا ہندسہ دیا۔ یہی ہندسہ اس کی بار کڑا کی رسید کے چار کونوں میں لکھا تھا۔ یہی لا کر نمبر ہوتا تھا۔

مشین کی سیاہ مسکریں۔ چم لکھا تھا پھر اس نے بار کڑا لا۔ جیائے بار کڑا والی طرف سے کتہ شناخت کے لیے مشین کے سامنے کھڑی تھی۔ ٹیڈ کی توڑ آئی اور اسکرین پر سرخ عبارت اٹھری۔ بار کڑا غلط تھا۔ اس نے بے چینی سے رسید کو دیکھا اور پھر مشین کو شاید کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ گاڑا اب پوری گھنٹا موڑ

کر محلوک لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیائے جلدی سے مشین ری سیٹ کی اور 6 یہ انگلی رکھی پھر بار کڑا سامنے کیا سرخ عبارت پھر سے ابھری۔ یہ کچھ غلط تھا۔

گاڑا کی نظر میں لوہے کی بھری پریشانی۔ وہ کھپاتی انگلیوں سے تیسری دفعہ مشین ری سیٹ کرنے لگی تو رسید ہاتھ سے پھسل کر فرش پر جا گری۔ وہ تیزی سے اسے اٹھانے کے لیے تھکی۔

وہ سب کا کتہ لٹا کر اٹھا ہوں کہ الفاظ سر کے بل لے کر نظر آ رہے تھے۔ چاروں کونوں میں لکھا 6 اب لٹا ہوا کر ڈاک رہا تھا۔ کتہ انھا کر اس نے گہری انھا کر دیکھا۔ 9 نمبر لا کر پورے دل تھا۔ اس سب سے آخری تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے مشین کے کی پیڈ پر 9 پر انگلی رکھی۔ پھر بار کڑا سامنے کھلا۔ یہی کی توڑ آئی اور سبز رنگ کی عبارت اٹھری۔ 9 نمبر لا کر کھل گیا تھا۔

وہ جلدی سے آگے بڑھی اور 9 نمبر لا کر کا دو واہ کھولا (جیسے کچن کیبٹ کو کھولتے ہیں) اندر ایک چوکور سی بخوری رکھی تھی جو پیچھے کہیں سے چکی تھی۔ (بیوہ بخوری تھی جس کی وراثت کی تھوں میں سے کسی کی تہ ہوتی ہے اور اگر اسے غلط طریقے سے کھولنے کی کوشش کی جائے تو اندر دانی شیشہ ٹوٹ کر بخوری کو جا کر گرتا ہے۔) اس نے بخوری کے کی ہول میں وہ چالی ڈال کر کھمبلی۔ بخوری کھل گئی۔ جیائے جلدی سے اسے کھولا۔ اندر ایک پھولی سی سیاہ پھلیں ڈال رکھی تھیں جیسے انگوٹھ کی ڈال ہوتی ہے۔ اس نے وہ ٹیل منہ میں ڈال اور اس اعتبار سے لپٹے کھلے بیگ کے اندر گر ادا کر پیچھے کھڑا گاڑا نہ دیکھ سکے۔

"مست بعد وہاں کے باہر کھڑی تھی۔ اس نے بیگ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ ترکی اور ترکی کے اینڈ سٹورز۔ کبھی وہاں پہ ایک کتاب ضرور لکھے گی اس نے غور کرتے ہوئے سوچا تھا۔ ٹیل اٹل اسے ایک ایسا بیگ کی تلاش تھی جس میں بیٹھ کر وہ آرام سے غائبی کھول سکے۔

دلنا اس کا سہاگل تھا۔

"آپ کا سر پر انڈیز گر کنگ کی پیٹری میں کپ کا انتظار کر رہا ہے۔ اے آر پی۔" "مہر کا وہ مختصر سا پیغام اس کو سن کر گیا۔ کہیں عبدالرحمن، جہان کے پاس تو نہیں چلا گیا؟" اس کی نگاہوں کے سامنے جہان کا ٹوٹا پھوٹا ریٹورنٹ کھانا تھا۔ وہ نہیں۔

وہ انہیں ریٹورنٹ میٹرو کی طرف بھاگی تھی۔ پر گر کنگ میں مہر کا کاشور اور رش تھانے قریب۔

"ڈیٹی ہوئی کچن میں آئی تھی۔"

"جہان کہاں ہے؟" اس کے حواس باختہ انداز پر وہاں شیفٹ لڑکے نے ہاتھ دوک کر اسے دیکھا۔ "وہ پیٹری میں ہے۔" "مگر تمہیں؟" "آپ اور نہ جاؤ۔" "پیٹری کی طرف بڑھی تو وہ لڑکا سامنے آ گیا۔

"مگر۔"

"میم پلیز اس کا کوئی مسلمان آیا ہے؟" "نہ اندر ہے۔" اس نے کہا ہے۔ کسی کو اندر نہ گئے ہوں۔

ورنہ میری نوکری چلی جائے گی۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔" "نہ دیکھتے ہو۔"

"پلیز مجھے سسٹرن فیس دیں ہے۔ آپ لوہر مت جائیں۔" "مجھے واقعی جان سے ماروے گا۔ اگر آپ کو اندر ملتا ہے تو آپ پچھلی گلی سے چلی جائیں۔ پیچھے دو دروازے کی تختی بجائے گا۔ لوہ۔" اس کی بات مکمل ہونے سے مکمل ہی وہاں ہر ٹھل بھکی تھی۔

دس منٹ بھی نہیں گئے تھے اسے پچھلی گلی سے پیٹری کے دو دروازے تک پہنچتے۔ اگر عبدالرحمن کو حرا کو تو وہ اسے جل سے ماروے گی اس نے سوچ لیا تھا۔

پیٹری کا روش واپس کھانا تھا۔ جیائے چہرے برابر آتا تھا۔ اس سے اندر کا منظر اور تواریش صاف سنائی دے رہا تھا۔ وہ کھتی بجائے ہی لگی تھی۔ سبے اختیار رک گئی۔

جہان پیٹری کی جھول میں ہاتھ ڈالنے لیا کی طرف پشت کیے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"تواریش پچی رکھو۔ یہ تمہارا والد نہیں ہے جہاں

میں تمہاری ساری بکواس چپ کر کے سنا رہی ہوں گا۔ یہ میری جگہ ہے۔"

اس کے چاہنے لے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ سر مٹی پر سائی۔ "تھوڑے عینک لوہو، نا قتل فراموش چوڑی سے چند روز قبل اس نے کافی اتنی تھی۔ سچا شاکا چوڑی تھی۔ بھولی کتنی تھی۔"

"ہا! تمہاری جگہ! امت بھولو کہ یہ جگہ میں نے تمہیں دی تھی۔ سب تمہیں یہ کہہ لو کہ اسے فرار ہو کر چھپنے کی جگہ ہے۔ یہ تھی مگر تمہارے سب سے بڑے احسان فراموش ہو گیا۔"

وہ دیوار سے لگی پتھر کا مجسمہ بنی ہوئی۔ اشتغال اسٹریٹ کا شور عتاب ہو گیا۔

"میرا بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے۔" "وہ جولا" مکمل بے نیازی سے شالے اچکا کر بولا تھا۔

"مہر میرے کام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" "کیا انڈیا میں کھتے ہیں ہو جائے گا؟"

"نہیں۔" "جہان اسی رکھتی سے بولا تھا۔ "کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں تمہارے باپ کا ملازم نہیں ہوں اور وہ میری یہ کہ تم اپنے لالچ کے ہاتھوں بے مہرے ہوئے کے بجائے خود انظار کرو تو بہتر ہو گا۔"

"لالچ؟" "پاشا نے بے یقینی سے دہرایا۔ "میرا سب کچھ راویہ لگا ہے۔ لوہہ تم کہتے ہو کہ میں لالچی ہوں؟"

جہان نے لالچ والی سے شالے اچکا کئے۔

"تمہارے اپنے جراثیم کی مڑا ہے میرا کیا قصور؟"

"لوہہ تمہیں تمہارے جراثیم کی سزا کب ملے گی جہان سکندر؟" "وہ سب پیچھے اتنی تھی سے بول رہا تھا کہ خڑے کی رکھیں تھیں۔" "یاد رکھنا جس میں نے لالچ کھلی اس میں تم سیدھے پھانسی چڑھو گے۔"

جہاں سے انہیں دھن دھن۔

"اور تمہیں لگتا ہے کہ میں پھانسی چڑھ کر تمہیں ڈولار میں پیش کرنے کے لیے چھوڑ جاؤں گا؟" "نہی فنی ٹیل تھی کھڑے ہو پاشا ہے۔"

بے ترک میں صاحب باسٹر کے لیے استعمال ہونا

پشامت نامہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 "تم ایک دفعہ پہلے بھی مجھے دھوکا دے چکے ہو میں
 اس دفعہ تمہارا اعتبار نہیں کروں گا۔"
 "تو نہ کرو!" اس نے بے یاری سے کندھوں کو
 جھبش دی۔ "جنم میں جو میری طرف سے۔"
 پاشا چند لمحے بہت غصہ کیے اسے دیکھتا ہوا پھر کچھ
 کہنے کے لیے سب کھولے ہی تھے کہ نگار وشن دن
 سے بھونکنے لگی۔ بڑی سیاہ لہرے میں سے صرف
 اس کی بڑی جھکی تنگیوں نظر آ رہی تھیں۔ جس میں
 مارے مارے کی سہل بھی تھی۔ ۱۰ جبرے سے
 مسکرایا۔
 "تمہاری بیوی ہر گزری ہے جملہ اسے اندر
 میں لادے گا۔"
 وہ جو چہرے پہ ڈھیلے بے لاری لیے کھڑا تھا
 کرنٹ کھڑک رہا تھا۔ جیسا ہی طرح ساکت سی روشن دھن
 کھار کھڑی تھی۔
 "جبرے ۱۱ جملہ نے بے یقینی سے ہرایا اسے شاید
 لگ رہا تھا کہ اس کے غلط متا ہے۔ پاشا زرب لب
 مسکرایا۔
 "تمہاری بیوی سب باغی ہوئے ہوئی کی ایک پہنچ
 اسٹوڈنٹ ٹیڈروم غصہ بھی پتاؤں آہیران مت ہو جملہ
 تم نے پشامے کو انڈر اسٹیمٹ کیا ہے۔ میں تمہاری
 بیوی کو ابھی طرح جانتا ہوں بلکہ کچھ دن پہلے ہی ہماری
 ملاقات ہوئی ہے۔ کیوں وہاں ہمیں ٹھیک کہہ رہا ہوں
 ۱۲ اس نے اس کے پیچھے کر پشامی کا دوا دھکوں نور
 اسے جیسے اندر لے کر استیلا۔
 "ملا کھٹ ۱۳ جملہ کے چہرے کا رنگ الٹ چکا تھا۔
 اس نے شدید نگاہوں سے جیا کو دیکھا۔ وہ اتنی ہی
 بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بے یقینی سب
 اعتبار کی غریب۔ بھونٹ۔
 "جیسا ہے یہ۔ تم اس کو جانتی ہو ۱۴ وہ حقیر سا تھا
 جیسے اسے یقین ہی نہ آیا ہو کہ وہ اس سب سے بے خبر
 تھا۔" یہ یہی کہہ رہا ہے ۱۵

اس نے بے یقینی لبابت میں کھٹن ہلائی تو اس نے
 بے اعتبار نگاہوں سے بلیک جھپکے بنا جملہ کو دیکھ رہی
 تھی سنا کون تھا تو نہیں جانتی تھی۔
 "سب پتاؤ جملہ امیر اکام از تالیس مکتوں میں ہو
 جائے گا یا نہیں ۱۶ وہ مسکرا کر پوجو ہوا تھا۔ جملہ سے
 اسے دیکھا پھر اس کی پشامی کی رنگیں تن گئیں۔ ۱۷
 آگے بڑھا ہوا ہے سنا بھی تو کر رہی تھی سے پکڑ لیا۔
 "میری بات کھن کھن کر سن ہو۔ میں تمہارا لہجہ
 کھن کا از تالیس مکتوں سے بھی پہلے لیکن اگر تم
 نے میری بیوی کو سنا تھا تو ابھی وہ کھن تو اسٹیل سے
 کھن کو صاف کے لیے تمہاری تلاش بھی نہیں سٹیک
 ایک مکتے سے اس نے پشامی کا گریں پھوڑا۔ اس
 کی نگاہوں میں نا نون اترتا تھا کہ جیسا وہ ہم پہلے ہلی
 اس نے وراثت طور پر محسوس کیا کہ پشامی مسکراہٹ
 سمٹ گئی تھی۔
 "مجھے تمہاری بیوی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے نہ
 میں نے پہلے اسے کچھ کہ نہ اب کون گھٹتے صرف
 اپنے کھم سے غم میں ہے۔"
 "ہو جلت گا پلائیٹ ٹاسٹ ۱۸ وہ بہت غصہ سے
 پرا تھا۔
 پشامی نے اپنی برساتی کا کار ٹھیک کب پور پھوٹا کسی کو
 دیکھے باہر نکل گیا۔ جیسا بھی بلیک بغیر بلیک جھپکے جملہ
 وہ پہنچ کر دوا دھ سے میں کھڑی تھی۔
 "تم اسے کیسے جانتی ہو میں سمجھ نہیں رہا ہوں۔"
 اس کے قریب آکر وہ بے اختیار وہ قدم مزید پیچھے ہٹی
 دوا کہ یہ۔
 "میں نہیں جانتا کہ تم نے کیا بنا کھڑے ہو ۱۹ وہ جملہ
 ہاتھ سنی ہیں۔ جیسا اس کوئی سے کوئی تعلق نہیں
 ہے۔ جیسا۔ تم جیسے کچھ پہ اعتبار ہے نا میری بات
 سنو ۲۰ وہ بے کسی سے کہہ سنا ہوا تھا مگر سب سے متور
 ہو چکی تھی۔ اسے اب جملہ سکندر کی کسی بات کا
 اعتبار نہیں رہا تھا۔
 وہ آپم مری اور اسکو اتاری جانب دھکیں دھکیں

اسے پار رہا تھا پشامی سے۔ بے کسی سے مکتوں کو
 بھی سے بغیر دوا جی جاتی تھی۔
 "میری لینڈرینڈی نے خوب ہنگامہ کیا۔ میں آج
 کل اس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ میں کوئی
 عیدالرحمن پشامی سے۔ پوجی کسی نے اپنے بارے
 میں افواہیں پھیلائی ہوں گی۔"
 "بھونٹ۔ بھونٹ تھا۔ سب قریب تھا۔ ۲۱ آنسو
 اس کی آنکھوں سے گرتے تھے جلت کو بھگورے تھے۔
 ایک لمحہ اس "ایک لمحہ لگتا ہے اعتبار نونے میں اود
 سب مکت ہو جاتا ہے۔
 وہ اسے مسلسل غن کر رہا تھا۔ مکتوں میں سن رہی
 تھی۔ سہاٹی واپس تکتے تھے وہ بعد کر چلی گئی۔
 اسے معلوم تھا کہ اسے جملہ کی بہت سن لگی کا ہے
 مکتوں سے اسے صاف سے کاموں میں پھا ہے مکتوں
 کھٹ بے اعتباری کے دکھ سے پرا تھا جواسے اپنی
 لیٹ میں لے جانا تھا پشامی اسے ہرے کے طور پر
 استعمال کیا۔ ایک بلیک سٹیک بھجوار کے طور پر۔ یہ
 سب جرم کی ریت کے سا بھی تھے کھٹو۔ اسے غن
 کے دور میاں میں رہتا تھا سب اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔
 اس کی دلہن سے استیلا سے بہت دور کا تھا اسے جملہ
 جلت واپس پاکستان پہنچا تھا۔ اس کا گھروں میں ان کی
 واحد محفوظ پناہ گاہ تھی۔
 جملہ اس سے پوچھ رہی تھی مکتوں کو کچھ بھی بتائے
 مگر مسلسل بے قرار دوا سنن بیک کر رہی تھی۔
 وہ جھوک دوا نہ لگتا "اسے اپنا خفیہ سہا پشامی
 کی گزارا تھا۔ پھر جملہ کی میں دوا کے لیے آکر
 پشامی کو اسے۔
 وہ لگاتار رات کی کی عورت تک ہر مرتبہ اپنے
 سے اس کی مستعدی۔ سہاٹی کو اسے پھونٹے کی
 اس نے بھی نہیں سوجھا تھا۔ سب کچھ لو عوارہ کیا
 تھا تو اس کی کسی میں مل جوازی سب کے تدار تک
 سب کو کر تھا۔ عوارہ کی یاد میں۔ پور سے دکھ
 اس سے ہا کو حقیر سا بتا کر فون آف کر دیا تھا۔ وہ
 بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔ اسے اس جلت از جلت وہاں

سے لگتا تھا۔ ابرجوت پہ بھی وہ مت پریشانی اور
 چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ جب آپس سے اسے لپ
 ٹاپ پنڈ کیڑی میں رکھنے کو کہتا تو اسے ہاتھ
 "مجھے اتنا بھاری پنڈ کیڑی نہیں اٹھاتا بس۔" یہ
 اس کا ڈی ہے کو آپ آخری غراج تھا۔
 جب لائنٹ نے استیلا سے نیک تک کر لیا اور
 عوارہ کے قدموں سے لپٹا تو اس کے کھن کو اسکو
 ملا۔ پلا آخر۔ وہ اپنے کھ واپس جاتی تھی۔ اس بہت
 ہو گیا ایڈو عورت بہت ہو گئے ریل۔
 "پل ۱۱ نا چو کی اور پھر جلدی سے پرس کھولا۔
 مجلس سیاہ دلی اندر محفوظ پناہ تھی۔ وہ سارا دن اپنی
 پریشانی کی کہ اسے بھول ہی گئی۔ جاسے اس میں کیا
 تھا؟
 دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ایک ہاتھ میں دلی
 پکڑ کر دھڑکتے ہاتھ سے اس کا ممکن کھولا۔
 (دلی آنکھوں میں شواہد)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
 سے بہنوں کے لیے خوبصورت تاول



مکتبہ عمران ڈائجسٹ
 فون نمبر 32735021
 37، ۱۱۱۱، ۱۱۱۱

گھوم پھر کراچی کو بچے کی طرف آئیں گے
 دل سے نکلے بھی اگر ہم تو کہاں جائیں گے
 ہم کو معلوم تھا، یہ وقت بھی آ جائے گا
 ہاں مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ بہت میں گے
 یہ بھی طے ہے کہ جو لوہے میں گے وہ لڑیں گے
 اور یہ بھی کہ جو گھوڑے میں گے، وہیں پائیں گے
 کبھی فرصت سے ملو تو نہیں تفصیل کے ساتھ
 امتیاز ہوس و عشق بھی سمجھائیں گے
 کہہ چکے ہم، ہمیں اتنا ہی فقط کہنا تھا
 آپ فرمائیے، کچھ آپ بھی فرمائیں گے
 ایک دن خود کو نظر آئیں گے ہم بھی اجنبی
 ایک دن اپنی ہی آواز سے ٹکرائیں گے
 اہل سرتاج

محبت اک روگ

غراب بننے کی رست گزر گئی
 وہ سیلابی عمر بیت گئی
 تو کھلا
 محبت زندگی کی مجلسی ڈھوپ میں
 تپتے سودج کی مانند ہوتی ہے
 محبت فقط دائیگانی ہوتی ہے
 محبت اک روگ ہے ایسا
 جو دلوں کی بستیاں تاراج کر کے
 سوائے دکھ کے کچھ نہیں دیتا
 پوری زندگی کے ہوا
 اور کچھ نہیں لپٹا...
 نوشین اقبال نوشی

ایک میری رہی کمی مجھ میں
 اور کوئی نہیں کمی مجھ میں
 کھر بناتے ہی میں نے دیکھی ہے
 ایک عدوت ڈی ڈی مجھ میں
 تیرے جانے کے بعد ایسا ہوا
 ناجتنی خاموشی رہی مجھ میں
 تیرے بارے میں نوشتے والے
 اب وہ دیوانگی نہیں مجھ میں
 کوئی احساس جاگتا ہی نہیں
 بھف کیسی ہے آجی مجھ میں
 اک قیامت ہی سپا کر ڈالیں
 تیری یاد کی کبھی کبھی مجھ میں
 رانس تو اک ڈھکوسلہ ہے نندا
 زندگی کب کی مرچکی مجھ میں
 دن نندا

ختم گزریں نے کیا ہے تو بتایا جائے
 ایسے چپ چاپ نہ سولی پہ چڑھایا جائے
 یہ عداوت کی فضا اس کیسے آئی ہے
 کیوں نہ اک دیپ محبت کا بجایا جائے
 میں نے بھی آبلہ پانی کا کربھی ملے
 میرے بھی نام پر اک محل بنایا جائے
 دل کی نگری میں تو انبار لگے ہیں غم کے
 تم بتاؤ کیسے اشکوں میں بہایا جائے
 روہ ہوش کی میرے اندک کی اداسی تو
 دل کے ایوان کو ایسا نہ سمجھایا جائے
 نازیکہ کنول نازی

رپورٹ

ایک امریکی اخبار کی انتظامیہ نے اپنے ایک رپورٹر کو سمندر کے سفر پر بھیجا۔ جس دن جہاز جاپان کی بندرگاہ پر ٹکرانہ اڑا ہوا اسی دن بڑے نذر کا طوفان آ گیا جس سے بڑے پیمانے پر جانی ہوئی۔ اخبار کا ایڈیٹر بد پرورش تھا کیونکہ صرف اسی اخبار کا رپورٹر موقع پر موجود تھا۔ ایڈیٹر کو رپورٹ کا شدت سے انتظار تھا۔ بلاخر رات گئے رپورٹر کا پیغام موصول ہوا۔

”میں بالکل خیریت سے ہوں سر! آپ فکر مند نہ ہوں۔“

سیدنا قیصر بنی ہاشم

علاج

ایک عورت نے اپنی سسلی سے سردی کی شکایت کی تو سسلی نے مشورہ دیا۔

”جب میرے سر میں درد ہوگا تو میرا شوہر بڑے ہمارے میرا سر دیا ہے اور انہی محبت کا اظہار کرتا ہے کہ دھتے ہی دھتے درد ختم ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں تم بھی یہ کوشش کرنا کرنا چاہئے۔“

”ہاں ہاں ضرور۔ تمہارا شوہر کب تک ٹھیک ہو گا؟“

”عورت نے ناشکیبا سے پوچھا۔“

سیدنا علی رضا اور

حسب توقع

ایک نوجوان ایک منگے اور فیشن ایبل ملے کے بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا اور سٹیز کرمل سے بولا۔

”میں اپنی عکیر کے لیے کوئی اچھا سا عقد خریدنا چاہتا ہوں۔“

”سٹیز کرمل گاؤں لے جائیں۔ چار ہزار روپے کا ہے۔“ سٹیز کرمل نے مشورہ دیا۔

”نہیں نہیں یہ تو بہت سستا ہے۔“ نوجوان بولا۔

”تو پھر یہ میک اپ کٹ لے جائیں ڈھائی ہزار روپے کی ہے۔“

”یہ بھی سستی ہے۔ اس سے کم قیمت کوئی چیز دکھائیں۔“

”یہ پرفیوم لے جائیں سات سو روپے کا ہے۔“ سٹیز کرمل بولا۔

”یہ بھی میری گنجائش سے زیادہ ہے۔ اس سے بھی سستی کوئی چیز دکھائیے۔“ نوجوان نے فرمائش کی۔

”پھر آپ یہ کریں۔ یہاں سے کوئی چیز خریدنے کے بجائے گونے والے سوچی سے اپنی عکیر کے بوتل میں نئی اڑیاں لگواویں۔“

سٹیز کرمل نے بیروں سے منگوا کر پیش کیا۔

سٹیز کرمل اسی التوالہ

پرانی فرم

نئی ملازمت کا ایک امیدوار اپنی پرانی فرم گیا۔ انتہائی پشیمانی سے کہہ کر

”پرانی فرم اپنے ملازمین کو بچوں کی تعلیم کا ایک خرچہ دیا کرتی تھی۔ قیامت کا کہنا یہ میڈیکل کے اخراجات اور چھلہ کا بونس بھی دیا کرتی تھی۔“

”پھر آپ نے وہ نوکری کہاں چھوڑ دی؟“ ممبر نے پوچھا۔

”میں نہیں چھوڑی جناب! امیدوار نے اس لیے مجھے میں کہہ۔“ وہ فرم ہی وہ فرم ہی تھی۔“

نیشنل ہارمی۔ سرگودھا

تسل

ملو سات کی دکان پر سٹیز کرمل ایک خاتون کو ٹکٹ قسم کے ملو سات دکھا کر ٹکٹ لے گا۔ خاتون کے سامنے کپڑوں کا انداز لگ گیا مگر اس کی لباس پسند نہ آیا۔ آخر میں سٹیز کرمل جھگڑے کے لیے میں بولی۔

”مجھے افسوس ہے“ آپ کو کوئی ڈریس پسند نہیں آیا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ خاتون نے تسلی دینے والے انداز میں کہہ۔ ”تم مل چھوٹا نہ کو۔ میں تو ویسے بھی فریج خریدنے کے ارادے سے گھر سے نکلی تھی۔“

شائستہ جلیوہ۔ ایف بی ای

خطرے کا نشان

سیلاب کے دنوں میں ایک ملالہ آئینہ لے کر

”دو بوائے جناب میں پانی کا زبردست رول آیا ہے اور پانی خطرے کے نشان سے ڈھٹا کر آیا ہے۔“

لوگوں نے ریشم ہو کر پوچھا۔ ”اب کیا ہو گا؟“

آئینہ نے انہیں ان سے جواب دیا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم نے انتظام کر لیا ہے۔ خطرے کا نشان پانی سے ہمارے گھر پر لگا کر دیا ہے۔“

ملو طاہر۔ مجبوروں

مناسب مشورہ

ایک مقدمے میں استغاثہ کے بیانات سننے کے بعد جج نے ملزم کو سزا سنائی۔

”اگر آپ چاہیں تو ملزم کو الگ لے جا کر اسے مزید پھرنے کی کوشش میں مناسب ترین مشورہ دے سکتے ہیں۔“

پہ من کو کیل ملزم کے ساتھ ایک طرف چلا گیا۔ چند لمحے بعد اکیلا وہیں آیا تو جج نے اس سے پوچھا۔

”ملزم کہاں ہے؟“

”کیل نے جواب دیا۔“

”وہ تو بھاگ گیا۔ میں اسے مناسب ترین سزا سناتا ہوں۔“

نور زلف بنی ہاشم

سرکاری ملازم

ایک سرکاری ملازم ہاشم کرنے کے لیے میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھر تک اخبار ہی پڑھتا رہا۔ پھر اخبار سے نگریں ہٹائے بغیر اس نے آواز دی۔

”ہائے خداؤ۔“

”جائے تو میں نے آئی ہوں۔“ اس کی بیوی نے کہہ۔

”لیکن کیا آپ جو دفتر میں جائیں گے؟“

”دفتر۔“ وہ چونک کر بولا۔ ”یہ اللہ ایش تو اپنے دفتر میں جانے منگوا رہا تھا یہ گھر کیسے پہنچ گیا۔“

غزالہ شہباز۔ اجرت کالونی

غیر شادی شدہ؟

نیو یارک کے ایک ہوٹل میں ہوٹل کا سرائے رہا ایک کمرے میں داخل ہوا جس میں ایک نوجوان جو ڈائیم خد اس نے ہوٹل سے پرہیز کرنا تھا کہ غیر شادی شدہ ہیں اور ان کا ہوٹل ایسے جوں کو قیام کی اجازت نہیں دیتا۔

”اگر آپ اس کمرے پر قیام چاہتے ہیں تو شادی کر لیں۔“

”تم مجھے غیر شادی شدہ کہہ رہے ہو ناگہ میرا شوہر یہاں موجود ہو تو تمہارے وائٹ توڑتا۔“

کول عدیل۔ گلستان جوہر

نی الحال

دوسری عالمی جنگ میں جب لندن میں بمباری ہو رہی تھی تو ہوائی جہاز سے بچاؤ کی ایک پناہ گاہیں بنائیں وائٹن نے چلا کر پوچھا۔ ”ہاں پناہ گاہ میں ایسا



کی صورت تو نہیں جو میں بننے والی ہوں۔" تھوڑی دیر
سوئی چھٹی رہی پھر کہیں سے ایک عورت کی کواڑ
میں۔
"فی الحال کچھ بیٹا مشکل ہے جناب! ابھی ہمیں
بہانہ لینے ہوئے چند منٹ ہی تو ہوتے ہیں۔"

نئی بکری

ایک سیاح افریقہ کے چڑیا گھر میں۔ دیکھ کر حیران رہا
کہ شیر اور بکری ایک ہی بنجرے میں بند ہیں۔ گھنٹہ
نے کہا۔

"جناب! یہ باہمی اخوت کا ایک عملی مظاہرہ ہے۔
فارے ہاں شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے
ہے۔"

سیاح پر جوش لیجے میں بولا۔ "میں اس کے بارے
میں اپنے وطن جا کر لکھوں گا۔ مگر اس کا سیلابی کارڈ کیا
ہے؟"

"بیس روزانہ ایک نئی بکری بنجرے میں دھانی پڑتی
ہے۔ گھنٹہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
صاحب! یہی میرا آزاد کشمیر

ایسا داری

ایک مجبور شخص نے ایک آدمی سے کہا۔
"میں سخت بھوکا ہوں۔ اگر آپ مجھے کھانا کھا دیں
تو میں اس کے بدلے میں آپ کا کوئی ایک کام کروں
گا۔"

آدمی نے کہا۔ "مگر مجھے یقین ہو جائے کہ تم ایمان
دار ہو تو میں تم سے مرغی خالے میں اٹھنے سے جمع کرنے کا
کام لوں۔ مگر تم شکل و صورت سے ایمان دار نہیں
لگتے۔"

مجبور شخص نے کہا۔ "میں آپ کے اطمینان کے
لیے بتاؤں۔ شاید ہی کوئی مجھ سے زیادہ ایمان دار ہو

گا۔ میں نے ایک حمام میں پانچ برس نوکری کی مگر اس
حمام مرے میں ایکہ دفعہ بھی غسل نہیں کیا۔"

کوشش

ایک بے وقوف اسکیم والی بوقت کا زمین پر بار
کھوں کر بند کر رہا تھا۔ کسی دوست نے پوچھا۔
"کیا ہوا؟"

بے وقوف نے پیر کیا کہوں جب بھی زمین کھول کر
دیکھتا ہوں تو اس کے نیچے لکھا نظر آتا ہے "کوشش
جاری رکھیں۔"

(ظالمہ ظاہرہ کاغذیں)

مشغلہ

ایک سینہ صاحب سے اشتراک لینے والے نے پوچھا۔

"آپ غارِ نو قات میں کیا کرتے ہیں؟"

"پینٹنگ کرتا ہوں۔" سینہ صاحب نے جواب

دیا۔
"بہت خوب انداز میں بھی اپنے شاہکار دکھائیں؟"
اپنے گھر سے کہا۔

سینہ صاحب خوش ہو کر بولے۔ "جو آپ
دروازہ دیکھ رہے ہیں نا! یہ میں نے ہی پینٹ کی ہیں"

بہت اچھا لگتا



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"سب سے بہتر بنی عین یہ ہے کہ تم غرباء اور مسکین
کو کھانا کھاؤ اور ہر شخص، خواہ وہ مشائخ ہو، اسے
سلام کرو۔" (بخاری 2-5)

مہر و قناعت

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
ایک انصاری بہت مروت مند اور عزیز تھا اس
کے گھر والوں کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ گھر سے باہر چلا
گیا۔ اس کی بیوی نے اپنے دل میں کہا۔ اگر میں بھی چلاؤں
اور تندہ میں مجھ کی ہڈیاں ڈال کر ایک جلاؤں تو میرے
بڑے کی بیوی کی آواز سنیں گے اور حواں دیکھیں گے۔ اس
سے وہ یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ ہے اور
ہمارے پاس حق و قناعت نہیں ہے۔

پھر اس نے آٹھ کر تندہ میں آگ جلائی اور کئی
جلائے گی۔ اس نے اس کا غور کیا۔ اس نے باہر سے
بجلی کی کڑی سنی، پھر دروازہ کھٹکھٹا۔ بیوی نے دعا
کہو لا خاوند نے پوچھا۔
"تم کیا ہیں سنی ہو؟"

بیوی نے ساری کارگزاری سنائی۔ جب وہ داخل
اندھے گئے تو دیکھا کہ خود بہ خود پل مٹی ہے اور اس کے
پیر سے آٹا نکل رہا ہے۔ بیوی نے حویلی میں آگیا بھرنے
کی ٹوکھ کے سارے برتن آئے سے بھر گئے۔ پھر اس نے
باہر جا کر تندہ کو دیکھا تو وہ مٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔
خاوند نے جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ کہہ
سنایا۔

سب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہفت فرمایا۔

پھر نبی کا کیا ہوا؟
خاوند نے کہا: میں نے اسے اٹھا کر جھاڑ دیا تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نبی کو اس
کے حال پر رہنے دیتے تو وہ میری زندگی تک یہی
چلتی رہتی (یا فرمایا تھا کہ تمہاری زندگی تک یہی
چلتی رہتی۔)

(حیۃ الصحابہ، جلد سوم)

وقت ضائع کرنا،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا ہے
اس آدمی پر بہت غصہ آتا ہے جو مجھے فارغ نظر کرتا
ہے نہ اخوت کے کسی عمل میں لگا ہوا ہے اور نہ دنیا
کے کسی کام میں لا

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا،

حضرت عبد الرحمن بن زید بن ہارثہ کہتے ہیں۔
حضرت ابو امامہ کی ایک بائیس نے (جو کہ پہلے بیانی
تھیں) مجھے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو امامہ
کو دو مرد پر خرچ کرنا بہت پسند تھا اور وہ اس کے
لے مال جمع کیا کرتے تھے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس
نہیں کرتے تھے۔ کچھ نہ ہوتا تو ایک ہار یا ایک کھجور
یا کھانے کی کوئی چیز ہی دے دیتے۔

ایک دن ایک سائل ان کے پاس آیا۔ اس وقت
ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں تھی۔ صرف
تین دینار تھے۔ اس سائل نے جب مانگا تو انہوں
نے ایک دینار سے دے دیا۔ پھر دوسرا یا تو ایک

پاک، سوسائٹی ڈاٹ کام آپکو تمام ڈائجسٹ
ناولز اور عمران سیریز بالکل مفت پڑھنے کے ساتھ
ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک کے ساتھ
ڈاؤنلوڈ کرنے کی سہولت دیتا ہے۔

اب آپ کسی بھی ناول پر بننے والا ڈرامہ
آن لائن دیکھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ
لنک سے ڈاؤنلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔

For more details kindly visit
<http://www.paksociety.com>

پہنچاؤ کبسا۔
یہ طوطی میری بیوی ہے۔
میرے لئے کہا کہ تھوڑے عرصے میں کام لو۔ یہ میری بیوی
ہے۔ اس کا رنگ آواز غرض کوئی بھی چیز غم سے
نہیں ملتی۔
انور نے کہا: بھلاؤں والوں سے اس کا انصاف
کر دیتے ہیں۔ گاؤں کے بچے نے فیصلہ انور کے
حق میں دے دیا۔ انور نے لوگوں کی طرف دیکھا اور صوف
سرا رہا ہے مجھے۔ انہوں نے اس ظلم اور نا انصافی پر
کوئی احتجاج نہ کیا۔
طوطا نے تلمیٹنا بولا گیا تو انور اس کے پیچھے طوطی کو
لے کر گیا اور اس سے کہا۔
"میری بیوی کو ساتھ لے جا۔ خواہت میری وجہ سے
ہیں اس ظلم اور نا انصافی کی وجہ سے جس کا سب ساتھ
میں رہے ہیں۔"

اللہ کا ساتھ

جبکہ ہر دگر کے زمانے میں ایمان مسلمانوں کے ہاتھوں
فتح ہوا تو اپنی جرات سے کہ یہ جاہلی، اعداء گنوا و عرب
ان سے جب بھی جاری لڑائی ہوئی، ایمان کو میا میٹ
کر دیتے ایمان پر قابض ہوا۔ تھے۔ تہذیبی حکوم رکھتے۔
بیکار ہو گیا۔
بزدل کے ایک بوڑھے مشیر نے کہا: اس دفعہ عرب
دیکھ لیں تھے۔ ان کا خدا ان کے ساتھ تھا۔
تحریم۔ گوجرہ

اقبول موتی

خاموشی بغیر تحفہ کے پوشا ہی ہے۔
دعا مانگتے رہو کیونکہ دعا گناہوں کے دارچ ہے
مٹاتی ہے جیسے ماہ آب اپنے نشانات۔
ہو روز و شب با مقصد طریقے سے گزارو وعدہ ایسے
گر جانو گے جیسے سوئے ہوئے پتے۔
ایسا ظلم کسی حد سے کومت سناؤ کیونکہ اس
سے دھم خورشید دست پریشان اور اللہ تعالیٰ

ناظر ہوتا ہے۔
ہو پارتی لوگوں کی زبان ان کے قابو میں نہیں رہتی
وہ سچا ہے جو سچے بھی بولتے ہیں۔
نمرانہ تحریر۔ سجادہ

نکاح

مزم کا چشمہ چار ہزار سال قدیم ہے۔ تیر وقت
چوڑا اور گیارہ فٹ لمبا ہے۔ تینتیس میٹر گہرا ہے۔
ایک پاورٹل موٹا ٹیڑھا بڑا لیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے
اس میں سے چھریں گھٹنے پانی پمپ کرتی رہتی ہے ماس
میں آج تک کان نہیں لگی۔ اور نہ ہی پانی کا ذائقہ بدلا۔
یہ مادہ پانی پمپ کرنے کے صرف گیارہ منٹ
بعد ہی پانی اپنے خاص لیول پر آ جاتا ہے اور اسی
قدرت کی بنا پر آج تک مزم زم خشک نہیں ہوا۔
سبحان اللہ۔
مشرف اعجاز کلاچی

اصول دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک جگہ سے گزر رہا
جہاں ایک آدمی بڑے حضور و حضور سے دعا مانگ
رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔
"اے پروردگار اگر اس کی حاجت پورا کرنا میرے
اختیار میں ہوتا تو میں صرف پورا کر دیتا۔
اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل
فرمائی: میں تجھ سے زیادہ اس پر رحم کرتا ہوں لیکن
حقیقت یہ ہے کہ تجھ سے وہ لڑا لگا رہا ہے لیکن
اس کا دل اپنی بے خبریوں کے ریلوے میں متوجہ ہے اور
میں ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جو دعا تو مجھ سے
مانگ رہا ہو لیکن اس کا دل میرے علاوہ کسی اور چیز
میں متوجہ ہو۔
موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس دعا مانگنے والے
آدمی کو بتائی تو اس نے اپنا دل ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف
متوجہ کر دیا تو اس کی حاجت پوری کر دی گئی
مہرشی ڈوگر۔ گوجرانوالہ

نوشین اقبال نوشی —————
 انکسیر کہ غالی نہیں رہتی ہیں ہمیں
 اہل ذوق ہم جہانی ہے کہ بھر بھی نہیں جاتے
 دل کو شہید ہی چاہت ہے بھروسہ ہی بہت
 اور تجھ سے بھڑک جاتے کاندہ بھی نہیں جاتے
 ضرر، غلطی

بدلتی کسی تن مکانی، کسی جوت، کسی قرانی
 اس کی بات نہ کیجیے صواب وہ سب کچھ نکلتا ہے
 نوحہ سفری، کچھ
 ران خاموش ہو جاتے تو چہرہ بات کرتا ہے
 جنت کے سرائ میں عجب موسم گزرتا ہے
 عذرا کرم

یہاں اب ایک ہی منظر دکھائی دیتا ہے
 ہر ایک بات میں پھر دکھائی دیتا ہے
 کئی قصائد پرندے دکھائی دیتے ہیں
 عجب جس کا منظر دکھائی دیتا ہے
 سندھ، حجاز، عراق

کیا ماکہ گرا ہے سو دل نہیں لگتا
 یہ خبر بھی اب میرے قابل نہیں لگتا
 میرے ہاتھوں علم کا سچیز مرے دگر
 تادم ہر کوئی بھی سائل نہیں لگتا

فیض آباد
 حرف و حدیث کر بھی آگئی نہیں ملتی
 آگ نامہ کہنے سے دشمنی نہیں ملتی
 آدمی سے انسان تک آگے تو کہو گے
 کیوں جراثیم کے نیچے دشمنی نہیں ملتی

رشیدہ تونس
 میں اور امتحانے کر کم کر دیں، آپ سے
 یہ بھی کہ اسے دیکھیں جس کا خدا نہ ہو
 رقیہ فقیر خان
 ترسہ فرق کے طے شمار کرتے ہوئے
 کمر بیلے ہم تیرا اشتہار کرتے ہوئے
 اسے خبر ہی نہیں ہے کہ کوئی نوٹ لگا
 محنتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

شہزاد احمد بیٹ
 مل جانے دی عمارت بھی بچھڑھلنے کی مندرج
 ہاں اس کی محنت بھی عداوت میں عجب تھی
 اک ہم سے کہ خوش فہمی حالات میں کم سے
 لیکن اسے حاجت مری اب بچھڑھلنے کی

عروج انجم —————
 فہم و دراک سے بلا ہے یہ انداز وفا
 تم کو اندیشہ و سوئی بھی ہے اندھت میں
 ملا کر کوئی
 جیسے جوت ہے میرے پاس کچھ بھی نہیں بچتا
 میں اپنا داستان سے جہاں میں نہیں گزرتا

راشدہ مریم
 میرے لفظوں سے نکل پاتے تر
 کوئی خواہش جو میرے بعد کر دیں
 نوشین اقبال نوشی
 میرے نصیب شوق میں لکھا تھا یہ تھا
 ہر سو تیرے خیال کی دنیا ہے تو نہیں

مدد کچھ جاوید
 میرا اب بھی مانی ہے تو قدر کی محنت کو
 جو ہے وہ بھی مزدوری ہے جو گنہگار ہو گیا
 مدد کچھ احمد

میرے واسطے یکم نہیں کسی ناخن میں کبھی کبھی
 میرا نام آئے تو کہہ اسے یہ نام تو ہے سنا ہوا
 اقلو اگر کم
 عکس جانال کی خیر ہو مولا
 خواب آنکھوں سمیت تو نہا ہے

فرزہ رزاق
 دھڑکن کی دھڑکی آپ سے ہے جو نقص
 دل حکمت کے گراہنے، تو تار رستم ہو
 حور و شبوار

میرے پر کے ہونے دیکھتے جاتے ہیں ذکر
 علم گہری میں، میں نے یاد دلے ہیں ذکر
 جس طرح ہوا پاتا نہ یہی نہ بہت کا
 میں نے یوں زندگی عمر سمجھنے میں ذکر

فیض آباد
 احساس نہ فدا، محنت نہ نفع
 اس دوسرے انسان میں کہ پھر کے جتنے
 شرح صلاح الدین
 دل کو اسی فریب میں دکھا ہے عمر بھر
 اس امتحان کے بعد کوئی امتحان نہیں

رشیدہ تونس
 کبیا دہ پڑ تادور، کیا شوکت ہو جی
 ہر جلتے ہیں صوبہ دفتر فرق نے ناب آفر
 الماسی نور
 کب غضب ہے، ہر گے دل میں
 زندگی میں شمار ہونے لگا

صائمہ حسن
 ہم انی سخن کی قیمت ہے اقبال نہ پائی طبع و ش
 کل جمل میں جو ہم کو ملی، وہ داؤد تھی مرشد کی محنت
 زہب مرثی
 میری زندگی کچھ چراغ کا یہ مزاج کوئی بیابانیں
 کبھی نہیں کبھی روشنی، کبھی جلا ہوا کبھی ٹھہرا

نیرہ نوبہ
 مجھے جو بھی دشمن ماں ملا، بڑا پختہ کار جانا ملا
 نیکی کی ضرب غلط پڑی، نہ کسی کا تیر خطا ہوا
 رفیعہ ظہیر احمد
 تیرے آنے کا اشتیاق رہا
 عمر بھر موسم بہار رہا

شاہتہ طاہرہ
 جو رہتا ہوں وہی بولنے کا مادی ہوں
 میں اپنے شہر کا سب سے بڑا منادی ہوں

محبوب ناصر
 اس میں قسمت کی خطا ہے نہ ذلت کا تصور
 ہم تو انسان کے بچنے کی سستا ہوتے ہیں
 فروغ الحسن
 ہوسہ دیکھتے ہوئے ہیں کہیں دہریس نے دل میں
 گھر دوسرے دہریس کے تھکر کر کے چھوڑ دیتا ہوں
 جہاں اب تک دی ہیں، وہی غریب کا رہے
 نفس کو توڑ دیتا ہوں، ہر دہریس چھوڑ دیتا ہوں

رفعت احمد
 موت آئے تو دن بھر میں شاید
 زندگی نے تو حمار قانا ہے

کراچی

شاعری سچ بولتی ہے

میں مشیر

میں میرے ساتھ انٹرویو کاڈیسرنگا ہر ہے۔
ن کو دینی دینی پلٹے آیا محسوس کہ ہے جسے ساتھ
بہ زندگی کے ہی سبق پلٹے دی ہوں۔ میرا انتخاب
آپ کا چاہے یا برا اپنی ملنے مزدور تھیے گا۔
سب سے پہلے شعاع کے لیے ایں انسان کے
فعلوں میں کچھ کہنا چاہوں گی۔

دیکھ جاری دیکھ کالک کسا دل دید ہوا
ایک تلہ میٹھے میٹھے تابش میں خود شید ہوا

ہمارے ادبی آفتی پرانے روشن ستارے ہر گز
ہے میں کہاں کی تعریف فکروں میں ممکن ہی نہیں۔
پرچے ذرا محنت متوی کیا کہہ رہے ہیں۔
کاشیں کوئی ہم سے محنت لہجے
رات گئے کس کسوں جاگئے ہو

کوئی سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کہوں گئے ہو

اجلاس دوم اچھو لکھوں کے جادو گر جب بھی کچھ
کہتے ہیں سو رانا مدد دیتے ہیں۔

میرے چارہ گر
میرے زندگی کے کیا خبر

میرے معر کا شریک ہے
نہیں تم سفر

میرے چاہے گر میرے چاہے گر
میرے ہاتھ سے میرے ہاتھ تک
وہ جو تھ میرا تھا نا مصلو
کئی کو سمجھ میں نہ آتا
اے تپتے اے کاتے

میرا سارا وقت نکل گیا
نہیں جس کوئی نشان رہا
میرے سامنے ہے وہ روگرد
میرے چارہ گر
میرے زندگی تجھے کیا خبر

تیسرے زوال کے سارے سے سارا زندگی ہی سے زندگی
کے نشیب و قرار کا کس میں دکھاتے ہیں۔
یا ادب میں اک یاد کوئی دل شکنی یاد
وہ یا ادب کہاں ہے کہ فرصت نہیں رہی

دنگوں میں ایک رنگ تری ماندگی کا رنگ
ایسی ہوا چلی کہ وہ رنگت نہیں رہی

باتوں میں ایک بات تری جاہت کی بات
ادب یہ اتفاق کہ جاہت نہیں رہی

شاعری کی ہمت ہوا وہ میں مشورہ حیل کا تذکرہ
کر لیا یہ نہیں ہو سکتا۔

عجب تھا میں ہے شہر والوں پہ چھب لکھا کہوں
تمہارے نام اپنی زندگی کی کتاب کا انتخاب کھولا

تم ہی نے میرے احاطہ متوں پہ غلامیوں کے دیے سونے
تم ہی نے ہاتھ کا خشک ہڈیوں سے ہاتھوں کا کیوں

میں نہ ہلا کی دیا دیش میں جھوٹے کی کے کہاں تک
سیاہ کا رو کی سلطنت میں کس طرح آفتاب کھولا

نجم شاقب کہتے ہیں۔
اکل کو تو پھر نہ کے ڈھنگ ہی نہیں آتے
میرے نودہ گر بھی قریوں میں رہتا ہے
ایک ایسا انسان ہے کچھ کو کہتے ہیں
وہ سچی نہیں کرتا اور سچوں میں رہتا ہے
آپال ساجد کا انداز ملاحتی ہو۔

نکل شب جل آو رہ کو پینے سے نکالا
آخری کافر بھی مودینے سے نکالا
محنت بھری زندگی کے باہر میں کچھ نہ رہا
میرے ہر قدم میں بدگیاں نہیں
جب تک ہے دنیا میں جہاد و نیا کر
جس نے زندگی دی ہے وہی عمری ہوگا
زندگی کے بلے میں اس قدر سوچا کر

اے دیکھ قدانی نہیں جلتے جلتے شاعری کے درمیان
کچھ تو دیکھ کی دم بھی نہ جاتے۔ میرا ہم کئی شہر ہے
دو تیسوں کے شہر کراچی سے تعلق ہے۔ ایک ہر شہر
ڈاکٹر ہوں۔ ہر وہ ادب میں گر بخویش کے بعد شہر
کا اللہ ہے۔ میرا خیال ہے اتنا تعریف کا ہے۔

بات ہو دی محنت زندگی کے بلے میں۔ اس بلو
میں قلم ہی تو ہے۔ لیکن آپ بھی محنت ہوں گے
جام عشرت کا ایک گھوٹ نہیں
تین دنہ لڑو کی مینا ہے

زندگی حاد ثوں کی دنیا میں
وہ بھولی ہوئی مینا ہے

کانی و میرے ہیں حفرق اشعار نہیں کہ ہیں
میرا دل جا رہا ہے کہ میں کہوں۔ میرے رہے ہیں۔

دعا کے روش چراغ اپنی جہانیں رچنے ہرے
خدا سے لیکن سوال کرنا اس کو۔ کیا نہ کھانا

ہر جو فیصلہ وہ نہ ہے اسے شہر ہر نہ کھائے
جو کہیں گے آپ تم داں وہ اگلی ہی وہی ہی
(تیسرے زوال)

یہ تو بے نیازانہ علم کا ہے لیکن
اس گھڑی چپ رہے جب گھر مڑی ہو
(عالم معین)

پلٹے پلٹے ایک آخری نظم کو بھی برداشت کر لیں۔
نظم کے خمیں کا اللہ جسے کئی رہا۔

وہ فقیہ خود مصلحت
جب سے بند کر چکا
شہر سے کا دستاں
شام کے اُتے ہی
تجھ کو ڈھونڈتا ہوں میں
نور تابدن سے کر

ایک اپنی ذاتی کاوش آپ کی تذکرہ ناچا ہوں گی۔
میری زندگی تک نہ کی مانند ہے

جوں میں بدل جاتی ہے
کبھی خوشی مل جاتی ہے بہت

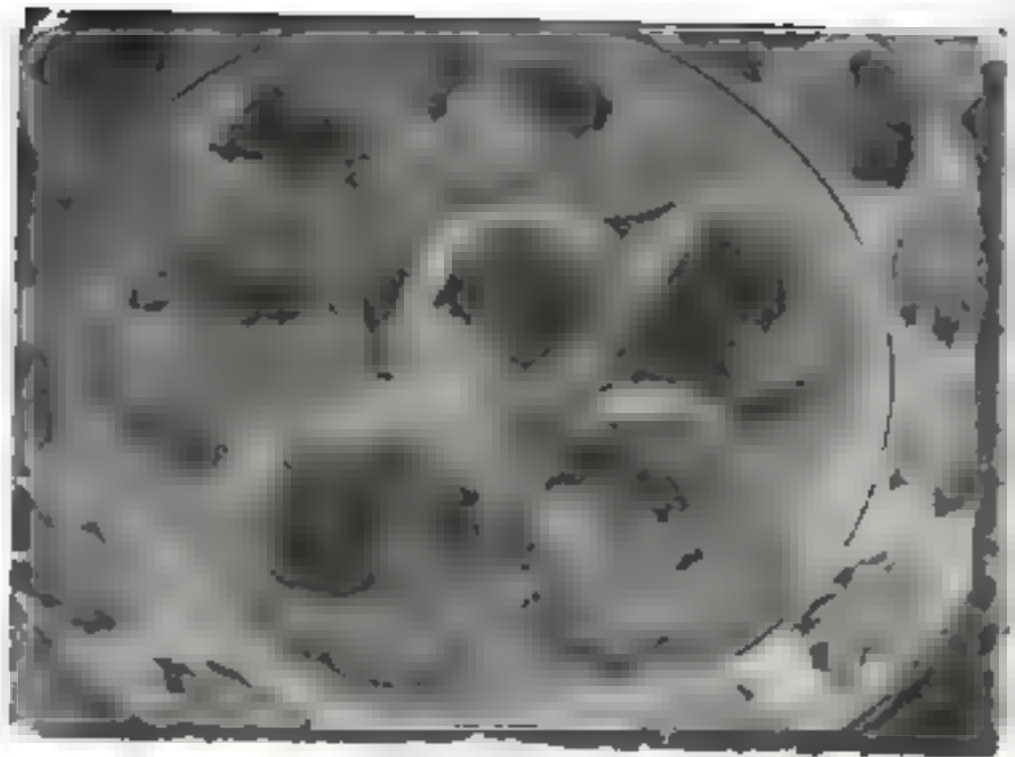
کبھی غم مل جاتے ہیں بہت
کبھی وقت ڈھونڈتا ہے لہر کی طرح

کبھی صبح ہوئے کا انتظار کرتی ہے رات
کبھی تو دل گزرتا ہے مشکل سے

کبھی تو رات آنکھوں میں گر جاتی ہے
یہی حال ہے میری زندگی کا
اور ایسے ہی میری زندگی غم ہو جائے گی

اس انتخاب کو میں سب سے محنت سے بجا لیا ہے
آپ کی لکھنے کا انتظار رہے گا۔ اس کا دیکھنا ساتھ
اجازت چاہوں گی کہ آپ میرا اللہ تعالیٰ وہی
خط وادان میں لکھے اور کسی بھی کہیں کسی کے
ساتھ کچھ بھی بڑا نہ ہو۔ آمین۔





ترکیب :

آٹا اور سوچی ملا کر اس میں تقریباً "تین کھانے کے
چمچے تیل گرم کر کے ملائیں اور نیم گرم پانی سے سخت
گوندہ لیں اور عمل کے لیے کپڑے سے ڈھک کر
پیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پیڑے بنا کر تیل روٹی کی
طرح تیل لیں اور کسی کٹڑیا گلاس سے ایک سائز کی
نگلیاں کاٹ لیں۔ گرم تیل میں ڈالیں اور درمیان سے
پچھو کی بند سے دبائیں۔ اس طرح چھ بھول جائیں گی۔
اسی کے رس میں چار پیالی پانی کے ساتھ تمام اجزاء
ڈال کر پانچ منٹ کے لیے پکائیں۔ گار نمک پکانے کے
بعد ڈالیں۔

پھولی ہوئی پوریوں میں انگلی سے سوراخ کر کے
تھوڑے سے کالی چنے ڈالیں اور کھٹی میٹھی چٹنی کے
ساتھ پیش کریں۔

پالک سبزی

ایک کلو
چار ہائے کے بچے
ایک پاؤ

اجزاء :
پالک
چٹنی کا آٹا
نہر

موم کے پکوان

خللا حیات

گول گتے

ڈھالی پیالی
آدھی پیالی
ایک پیالی
ایک پیالی
چار کھانے کے بچے
آدھا چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چمچ
حسب ذائقہ
حسب ضرورت

اجزاء :
آٹا
سوچی
پلی کارس
کالی چنے
میر
سوٹھ
سفید ریہ
کالا نمک
نہر
تیل

شعاع سگڑھ

ادارہ

لہار کے بعد فرق مجید نور اللہ اللہ کرتی ہوں اسوئی
میں ہوں گھر میں پھرتی رہتی ہوں۔ سورج نکلنے پر ابو
می دھن سے چائے پاتے ہیں۔ اسکے بعد گھر والوں کا
ناشتا شروع ہوا ہے۔ ناشتہ کے بعد آصف برتن دھوئی
ہے۔ مناصفہ منگالی کھانہ کرتی ہے۔ کبھی میں بھی کھانا
دیتی ہوں۔ صبح گرم کشتی ہوں اور کوئی جھوٹا سونا کام
کرتی ہوں۔ ہی سڑکی کھانہ کرتی ہیں۔ میں کنگ اور
ڈیرہ کنگ میں بد کوئی ہوں۔

ہم لوگ اپنی زمینوں پر رہتے ہیں۔ ہمارے کھیتوں
میں تقریباً گھر کے ساتھ ہی آم، آٹھ، آمود، جاسن،
بانا اور کھجور وغیرہ کے درخت ہیں۔ سبزیاں بھی ہیں
ہم لوگ کوئی کوئی پھل یا سبزی لینے باہر جاتے
ہیں۔

ادارہ میں بہت اچھا ہے۔ مارم ہا پر کار کر رہا ہوں ہم
لوگ باہر نہیں نکلتے۔ سبزوئی کے گروہ خوشگوار ہو جاتا
ہے۔ ہمارے بچے کنگ کوئی خاص کھانہ نہیں ہوتا۔ ٹھیک
بارہ بجے دوسرے کے لیے دھنیاں کالی ہوں۔ سالن تیار
ہوتا ہے۔ سب نو گھر میں ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔
تھوڑی دیر ریست کرتے ہیں۔ گھر کی نماز پڑھ کر اگر
کوئی کہہ ہو تو گریڈ ورنہ فاسف۔ ٹھیک با چار بجے چائے
پینا جاتی ہے۔

اسمیرا دھن کے کام کے لیے دھن کی ضرورت ہے۔ چائے
کے بعد جس کی دھن ہو نہ برتن دھوئی ہے۔ دوسری
بہن سبزی تیار کرتی ہے۔ عصر کی نماز پڑھ کر سالن تیار
کیا جاتا ہے۔ تیسری بہن پتہ گوہ مٹی ہے۔ مغرب کی
نماز پڑھ کر میں دھنیاں پکان ہوں۔ سب اکٹھے کھانا کھا
کر مہر دیا کھن کاسرے رہتے ہیں ناخوش کرتے ہیں۔

عامہ۔ خاتون دل

1۔ عہد رات کو تو آزادی۔ یاد کیا پہنٹی باسٹون میں
تھی بسب پہلی بار شعلہ برآمد۔ گویا پہلی بیڑمی پر قدم
رکھا۔ خالہ لوگ رسالے برہا کرتی تھیں ان سے
بانگ کر لایا کرتی اور اسی اور پھوپھو سے چوری چوری
برہا کرتی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھر
میں بجلی نہیں تھی۔ دیا اور دل تین کی روشنی میں سخت
گرمیوں میں گھر سے میں کھس کر ایک ہاتھ میں رسالہ
دوسرے ہاتھ سے پیڑ صاف کرتے ہوئے شعلہ اور
خواتین برہا کرتی تھیں۔ (میں اور خالہ) بجلی سی آہستہ پر
رسالہ پیچے اور سوتے بن جاتیں۔ آخر کار اسی اور
پھوپھو کو پتا چل گیا خوب خوب معزرت افزائی "بھئی گھر
یہ کتنا تھا۔"

ایک گرمیوں میں خالہ سے چہ سہ رسالہ لیا کنگ
کر لائے۔ ابھی پڑھے تھے کہ اسی کو پتا چل گیا۔ پھر
کیا تھا میرے اور خالہ کے آلموسوں کی پوائنٹ گرتے
ہوئے اسی اور پھوپھو سے رسالے چڑھا کر گڑھی میں
پھینک کر آگ لگا دی۔ گویا ہمارے اسیاں مل گئے۔ دو
دھڑک مہر گیا۔ بہن بھائی سب دھنیاں دیا کرتے
جب رسالہ پڑھتے دیکھتے تو فوراً کہتے کہ ابھی ابو کو
بتاتے ہیں یا اسی پھوپھو کو بتاتے ہیں پھر ان کی صحت
سائنس کی سالی۔

میشرک کے بعد ہاتھل میں دارا آزادی سے پڑھنے
لگی۔ اب ایم اے کے بعد گھر میں کوئی نوک ہو گیا
بابندی نہیں ہے۔

2۔ کج کا کتا سرویوں میں آصف کے جنم پور کر
خانے پر ہوتا ہے گرمیوں میں خود ہی اٹھ جاتی ہوں

ترکیب :

ایک پوسے پالے میں قیصر دھن کر لہم اجڑا شامل
کریں اور خوب اچھی طرح مکس کر کے دو مرتبہ
گراہڈ کریں۔ زیادہ بہتر ہو گا کہ قیصر دھن مشین سے
دو مرتبہ گزار لیں۔ پھر کوسے کھٹے بعد تھوڑی مقدار
لے کر پنج پرچہ حامیں ہاتھ سے ہار کر ہال میں کباب
کاشہ بنائے۔ شعلہ میں ایک کھواجہ پرچہ حامیں
پھر دواہ حوا سا قیصر پنج پرچہ حامیں۔ کنگ پیچھے
شعلہ میں ایک ایک کنگ لگاتے جاتیں۔ کوئوں پہ
سیک لیں۔ پنج میں ہینک دوسرے کھٹے ہوئے کھن کا
برتن کریں۔ تیار ہو جائیں تو پہلی یا تین کے ساتھ
پیش کریں۔

ملائی بیان پورا

اجڑا :
میدہ
گازمی کریم
دھن
چینی
ٹاپنگ یا فوڈ
کیون
پاندی کے دھن
کھن / ہلام
کھی

ایک پالے میں دھن گرم کر کے دھوئے کوا اچھی
طرح مکس کر کے کھن کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔
چن میں تھوڑا سا پانی ملا کر شیر میں اور کھاسا پانی
فرانک پان میں تھوڑا سا گرم کر کے دھن والا
شیر دھالیں۔ میں کیک کی طرح منسل ہو جائے تو کسی
فلٹ پلیٹ میں نکل لیں۔ سارے دھن کیک ایک
ساتھ رکھیں۔ ہر ایک پر تھوڑی تھوڑی کریم لگاتے
جاتیں۔ کھن یا ہلام اور تھوڑا سا لالہ لگی پانڈر بھی
چھڑکیں۔ پھر انیس کھن شیب میں سونو دیں۔ لوہ
سے شیر ذال دیں۔ پاندی کے دھن لگائیں اور ہلام
اور کھن چھڑک کر پیش کریں۔

چار عدد
ایک بڑا کھڑا
تین عدد
ایک چائے کا چمچ
حسب ذائقہ
دھن کھانے کے نیچے

ایک
ایک
ایک
ایک
ایک

ترکیب :

بانگ کوا اچھی طرح، صحر کر باریک کنگ میں اور کنگ
اور دھن پانی ذال کر دس منٹ تک پکان میں پھپانی الگ
کر کے پیش کریں۔ شیر کے چوکور کھڑے ذال کر خوب
مکس کریں پھر کھی کا تیار ذال کر تھوڑی دیر تک پکان میں
لا کر دھن گاڑھا ہو جائے۔

فرانک پان میں قیل گرم کر کے لودک اور پانڈ
باریک کاب گر لیں۔ پھر سرخ مرچ ذال کر پیچھے
لا لیں اور اسے بانگ پیروائے آبیوے پر بھد کی
طرح ذال کر مکس کریں اور تقریباً "پانچ منٹ تک
پکان۔ ہری مرچ باریک کنگ کر لوہر چھڑک دیں۔
چاہیں تو دھن چائے کے نیچے کریم بھی ذال سکتی ہیں۔
مزید دوا بانگ پیرو تیار ہے۔

چکن مائڈوی کباب

ایک کلو
سو گرام
دھن
دھن
ایک کھانے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
لوہا چائے کا چمچ
دھن چائے کے نیچے
لوہا چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
حسب ذائقہ

ایک
چکن قیصر
کھن
چانڈ
شعلہ مرچ
سرس اور کسٹ پیسٹ
سرخ پسی مرچ
چائیز ٹنگ
پنڈر ایل
دھن
میشر یا فوڈ
ٹنگ



محروم رہی جس طرح عوام بھلی سے ویسے تو شادی کا موقع صرف دو ہفتہ دس دن کے لیے زیادہ یادگار ہوتا ہے لیکن بھنی کی شادی کی تقریب صرف دو ہفتہ دس دن کے لیے نہیں بلکہ اس میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کے لیے بھی یادگار رہی کہ یہ تقریب عام تقریبات سے ذرا الگ ہے ثابت ہوئی۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ کسی شادی کی تقریب میں کوئی ایک مہمان بھی نہ گئے تب بھی شادی تو ہو جاتی ہے۔ تاہم ذرا چمک تصویر دیکھیے اور سوچیے! شادی کی اس تقریب کے بارے میں کہ جہاں دیگر سارے مہمان تو ہوں مگر خود دو ہفتہ دس دن ہی موجود نہ ہوں۔ یہ سب بھنی اور ملک نوید اعوان کی شادی ایک ایسی ہی

یادگار تقریب

یہ زیادہ عرصہ پرانی بات نہیں جب ایک لڑکی جو خود کو پرسو کہلاتی تھی لی دی پر جمو خٹے کاتے ہوئے نظر آئی کہ ”تو ہی ہے میرا ماہیال۔“
یہ صدا کیا گونجی ہر لڑکا خوش فہمی کا شکار ہو گیا اور خود کو اس پرسو کے خوابوں کا شہزادہ سمجھنے لگا اور یہ گناہ تو اس قدر مقبول ہوا کہ جھٹ ایک بھارتی فلم ساز نے اس پر تبصرہ کیا اور پورے اس فلم کا حصہ بنا ڈالا۔
”ہو نہ ہو گناہ ہوا گویا کشمیر ہو گیا۔“ اب اسی پرسو بھنی کے خوابوں کا شہزادہ سب کے سامنے آ گیا ہے کہ گزشتہ دنوں پرسو بھنی کی شادی انجام پا گئی ہے۔
انہم یہ شادی ”تجربہ رخی“ جیسے الفاظ سے اسی طرح

خرج کر دیتی ہوں۔

خامیاں۔

بقول علامہ ”تم لڑائی ختم ہونے کے بعد پھر جھیز دیتی ہو۔“ کسی کبھی رخصت نہ آئی جاتا ہے۔ ویسے صاف کوئی اکثر نقصان نہ بھی ہوتی ہے اس کا کئی بار تجربہ ہوا انہم اس کے بعد عقل چمکی ہے پہلے سیدھی ساری دوسرے معنوں میں بدھو مگر کب نہیں ہو پھر بھنی اپنی جو بات بری لگتی ہے وہ یہ کہ کسی درست موقع پر بات نہیں کرتی۔ میں نے بڑی بہن خاندان سے خونی یا خانی نہ بھی تو خوب مٹی پھر کہا سوچ کر تانوں کی نور ابھی تنگ فون نہیں کیا۔

ڈک۔ سادہ کے سینے میں کہاں کی لعل تیار ہو رہی ہوتی ہے اس لیے بارش اچھی نہیں لگتی۔ ہمیشہ وہی بارش اچھی لگتی ہے جو فصل کے لیے مفید ہو۔ تیز بارش سے ڈر لگتا ہے۔ رات کو ہو تو بہت بے چینی ہوتی ہے۔ میں تو اکثر دعاؤں مانگتے لگتی ہوں اور استغفار کرتے لگتی ہوں۔ اسکو کے دور میں بارشیں اچھی لگتی تھیں اب بونڈا باندی اچھی لگتی ہے۔

ساون کے حوالے سے کوئی واقعہ نہیں ہے۔
ڈک۔ مجھے قرآن مجید بہت پسند ہے۔ شاعری بھی بہت پسند ہے۔ بڑھتی ہوں۔ کبھی بڑھتی ہوں۔ پتہ لگتی ہوں اور کبھی پتہ نہیں لگتا۔
بھنی پڑھتے ہوئے پورے جال ہوں لیکن یہ شعر پسند ہے بلکہ ساری نعت پسند ہے۔

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبو جاتی نہیں
کہ میں نے اسم عمر کو لکھا بہت اور چہا بہت
بچھلے دنوں ایک دوست نے یہ مزاحیہ شعر بھیجا جو
کہ کنواری لڑکیوں کے لیے ہے۔

”نہ چاند ہو گانا نہ تارے ہوں گے
کیا ہم اس سل بھی کنواری ہوں گے
اس دنیا میں کنواری کے نکل ہو گئے
کیا ہمارے نصیب میں صرف نکاح کے چھوہارے
ہوں گے“

لڑان ہونے پر دودھ پی لیتے ہیں۔ میں نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں۔ جب مہمان یا بڑی بہن بچوں سمیت آتی ہیں تو خوب روٹن لگی رہتی ہے۔ سارا دن مصروفیت میں گزار جاتا ہے۔

چونکہ ہم کسان لوگ ہیں اس لیے کہاں مزدم اور سرسوں کے موسم میں بہت مصروفیت ہوتی ہے۔
ڈک۔ جب میں آنکھوں میں مٹی تو ایک غلہ پڑھا تھا جس کی بیہوش کا نام لیا تھا۔ ساری استوری یاد ہے۔
کمال کا نام پورے رانڈ کا نام زمین سے محو ہے۔ مجھے تمام کہانیاں اچھی لگتی ہیں تمام رانڈ پسند ہیں۔ زمین میں اکثر کوئی نہ کوئی کمال گردش کرتی رہتی ہے۔ مجھے کسی کمال میں اپنا عکس نظر نہیں آیا۔ مجھے مزاحیہ مستحیدہ ہر طرح کی استوری اچھی لگتی ہے۔ میں ہر کمال بہت غور سے پڑھتی ہوں۔ مجھے سل خالد نے راجہ گدھ بڑھنے کو دی تو پہلا گھوم گیا۔ مجھے تو خوش سا ٹائل لگا۔ لوگ اس کی بہت تعریفیں کرتے ہیں۔ مجھے تو اچھا نہیں لگا۔ اس کے علاوہ سارے پتھر پسند ہیں۔

پھر۔ کبھی خیالیں حادی ہو جاتی ہیں کبھی خامیاں اسکول دکان میں اللہ نے بہت عزت دی تھی۔ پتھر پورے فریڈر بہت تعریفیں کرتی تھیں۔ میرا بے کما تھا۔
”تم بہت اچھی ہو۔“ فرح نے تو ڈانڈی بھری تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”بہت سکھ ہو ہر کام میں۔“ ہر۔
اکثر فریڈر لکھا کرتی تھیں کہ عام روز ہیں۔“ (حالانکہ میں صرف محنتی ہوں) لیکن نے اکثر لکھا کہ ”عامو صاف گو ہے“ میں نے گھروالوں سے خیالیں خامیاں پوچھیں تو امی نے کہا ”تمہیں بتا ہی ہے۔“

پوچھو نے کہا۔ ”خیالیں ہی خوبیاں“ مزید کہا کہ عامو سارے پڑھتی ہے مگر کئی باتوں کا کچھ نہیں بتا۔
بھنی نے کہا ”تو تم نے کیا کرنا ہے۔“
”آصف نے کہا“ خانی کوئی نہیں ہے۔“

چلیں میں خود ہی بتاتی ہوں۔ صاف گو ”راست گو“ مذہبی اور سادہ سی ہوں۔ پوزیشن بھی ہوں۔ حقوق العیال کا خیال رکھتی ہوں صلہ رحمی کرتی ہوں۔ اچھی بہت چک۔ کمال ہوں معاف بھی کر دیتی ہوں۔ اللہ کی راہ میں

شادی تھی۔ لیکن جتنی تو فیصلگی بخار کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچیں مگر وہ لسانی نہانے کی ستم گردی کا برف بنے۔ یعنی انہیں پولیس لے گئی۔

جی نہیں! شادی پر آپس توپوں کی سلائی دینے کے لیے نہیں بلکہ چار چوٹ کی مار کے لیے کہ لاہور میں منعقد ہونے والی یہ تقریب مقامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رات گئے تک جاری رہی تھی۔ (اے جے اپنا لاہور) سعودی عرب چلا گیا ہے یا یہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے کچھ عرصہ سعودی عرب میں

مقیم رہنے کا نتیجہ ہے؟ ہم پولیس چلتے ہوئے صرف تقریب کے دولہا کو ہی نہیں لے گئی بلکہ اس نے پرنسز یعنی کے والد ڈاکٹر خالد اور سر مشفق امون کے خلاف مار پیٹ اور سرکاری کام میں مداخلت کا مقدمہ بھی درج کر لیا ہے۔ پول یہ شادی پرنسز یعنی کے گائے سے بھی زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔ (اب دیکھیں! اب کوئی بھارتی فلم ساز اس سین کو اپنی فلم میں شامل کرنا ہے کہ انہیں تو ہمارا ہر مقبل جیڑ رہا تھا



صاف کرنے کی غلط جو ہے۔) جتنی کا ویرہ ان کے ڈھنگی سے نجات پانے کے بعد ہو گا۔ (اگلی کے چھوڑا جتنی میں کچھ خون سرسرا دلوان کے لیے بھی چھوڑ دیا تھا نہیں۔)

اعتبار

آج کل ایک نئی جہت پر گورکار عارف اسلم پڑی ملک کے گورکار ہمیشہ دھماکو سڑوں کا نتیجہ دیتے نظر آتے ہیں۔ اس پدگراہم میں عارف کے نئی ساتھی ان کے ساتھ سڑ سے سڑ اور قدم سے قدم ملائے کھڑے ہیں۔ تاہم اب حقیقی زندگی میں بھی عارف کا ساتھ دینے والی آئی ہے کہ خیر سے اپنے عارف اسلم منگنی شدہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اس خبر سے ابھی بہت سے لوگ غواغف میں ہیں کہ اپنے ہر گائے سے دھوم مچانے والے عارف نے اپنی زندگی کا سب سے اہم رنگ بے حد خاموشی سے چپ چپاتے ہی چھیز دیا۔ جسے بعض لوگوں نے سالور بعض بے خبری رہے۔

عارف اسلم کی سنگتیر سارہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ لاہور کے کسرو کالج سے گریجوٹ اور انجیلیٹ ہیں۔ یہ منگنی عارف کی پسند سے ہوئی ہے۔ گہائی وہی روایتی ہے کہ سارہ عارف اسلم کی براح ہیں۔ وہ عارف اسلم کے شو میں شرکت کرنے آئیں تو عارف کا دل انہیں دیکھ کر گنگا اٹھا۔

”بھڑا تمہی ہو! پھر جگہ تمہی ہو۔“ پول دونوں کی منگنی ہو گئی۔ عارف اسلم بھی اس خبر کی نشیر نہیں چاہتے تھے۔ (شاید وہ ابھی ”سر کشتمو“ میں اپنے نوٹ کھونا نہیں چاہتے) لیکن لوگ بھی بہت سیانے ہو گئے ہیں۔ خبر کا سراج کسی طور باقی لیتے ہیں۔ عارف کی منگنی کی یہ اطلاع انٹرنیٹ پر گزشتہ چند ماہ سے موجود تھی۔ تاہم اب یہ خبر چند نئی چینلز سے بھی نشر ہو گئی ہے مگر حیرت انگیز طور پر کوئی نسوانی۔ افسہ عوامی رد عمل سامنے نہیں آیا ہے۔ (عارف جی! آپ حوصلہ رکھیں۔ آپ کی مقبولیت میں

خوشی کی واقع تھیں ہوئی ہے بلکہ اس عوامی خاموشی کی وجہ ہر امر کی ڈرائے میں شریک ہمارے میڈیا کی لڑکھائی ہوئی ساکھ ہے۔ سو کئی لڑکیاں بایاں یہ کہتی ہوئی پائی گئی ہیں کہ ”جی“ سے مراد جاتے مگر اعتبار ہوئے۔)

توجہ

مونالیزا خوب صورت اور باصلاحیت لڑکا ہے۔ اسکی ڈراموں میں کام کر چکی ہیں مگر تامل عوامی پسندیدگی کی سند سے محروم ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابھی کسی کی توجہ ان کی طرف نہیں ہے۔ اس کا احساس موناکو بھی ہے اسوانوں نے بھرپور عوامی توجہ حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں کھل کر کام کیا۔ کیونکہ ہماری بیشتر لڑاکاؤں کا خیال ہے کہ جب تک وہ کوئی تنازعہ کام نہ کر لیں شہرت کی پلندیوں پر نہیں پہنچ سکتیں۔ (یعنی ہماری لڑاکاؤں میں ”شہرت کی پلندیوں“ اور ”بدنامی کی پستیوں“ کے فرق سے بدوافظ ہیں شاید) مگر شو مئی قسمت عموماً لوگوں کی توجہ سے پھر بھی محروم ہی رہیں۔

مونانے مزید کچھ جودہ کر کے کا سو جا اور وہ بھارت جا کر ہمیش کے ساتھ فلم ”کھرا ہے“ میں کام کر آئیں۔ بلاشبہ وہ کام لیا تھا کہ سب کی توجہ سمجھنے لیتا مگر گائے ری قسمت! کہ موناکو ایک بار پھر اپنا مطلوبہ برف حاصل نہ کر سکیں۔ ساتھی لڑاکاؤں کے ایک کے بعد ایک منت نے ”کارنامے“ موناکو تھیانے رہے۔ تاہم اب شاید موناکو سب کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جائیں۔

خبر تکی ہے کہ مونالیزا ”موز قمری“ بانی بھارتی فلم میں کام کرنے جا رہی ہیں۔ اس فلم سے قبل پوجا بھٹ ریش بھٹ اس سلسلے کی دو فلمیں مانگے ہیں جن میں عوامی ویب بانی کے تمام سابقہ ریکارڈز ٹوٹے گئے تھے۔ اب اس سلسلے کی تیسری فلم میں موناکو کمرہ ہیں۔ مونانے فلموں میں کام کرنے کے لیے اپنا نام بھی



تبدیل کر لیا ہے۔ ”سانا لوزین“ کے نام سے بھارتی فلموں میں کام کر رہی ہیں۔ (کاش! کسی طرح وہ اپنی شہرت بھی تبدیل کر لیں۔) موناکو خیال میں یہ نیا نام شاید انہیں راس آجائے اور وہ لوگوں کی ساری توجہ کھینچ لیں۔ دیکھتے ہیں اب کیا ہوتا ہے۔ (بھئی لوگو! اپنی سابقہ روش پر قرار رکھو کہ اب بھی کوئی توجہ سنا)

ذاتی فعل

شوخی و شرارت گھٹ سی ٹی وی اسکرانے شائستہ واحدی کچھ وقت اسکرین سے آؤٹ رہنے کے بعد آج کل پھر ”ان“ ہیں۔ شائستہ واحدی کمپیئرنگ کو تو کوئی خاص نیا انداز نہ دے سکیں تاہم اس حوالے سے انہوں نے ایک نئی روایت کا آغاز ضرور کیا ہے کہ وہ جب غیر حاضری کے بعد پدگراہم کرنے آئیں تو انہوں نے ناظرین کو رائے براحوں کو احتوا میں لیتے ہوئے اپنی ذاتی زندگی کے ایک تکلیف دہ پہلو پر گفتگو کی۔ یعنی انہوں نے ناظرین کو خود اپنی شادی کے ناگام ہونے کا اظہار عوی۔ ناظرین کے لیے یہ ایک یقیناً صہیا

ہے اور ایک پریز کار اور پک نے اسے ہاتھ دے کر لایا ہوں۔"

بلو شہ نے اسے ملازم خاص کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ یہ باہر کت کپڑا ہر وقت میرے ساتھ رہے تاکہ جب مولیٰ تو اسی کا لٹن نصیب ہو۔

رمضان میں رات دن اور تک زیب بلو شہ اور ملا احمد جیلان کی گنجائش اوقات ہوتی رہی۔ دن کو سیران کے لیے جب دربار لگتا تو اس میں بھی بلو شہ ملا احمد کو ساتھ لے جاتے اور اپنے ساتھ تخت طاؤس پر جگہ دیتے۔ رات کو تراویح کے بعد در تک ملا صاحب سے علمی مذاکرہ جاری رہتا۔ جس میں ملا نظام اور پاپہ تخت کے دیگر اکار علماء شریک ہوتے۔

عید الفطر ملا احمد نے نماز بلو شہ کے ساتھ اراکی اور پھر طالب رخصت ہوئے۔

دولت کرتے وقت بلو شہ نے ایک بار پھر پاپی کا شرف حاصل کیا اور جیب سے ایک دلی (تقریباً) پارہ پیسے نکال کر نذرانے کے طور پر پیش کی۔ ملا احمد جیلان نے ہنسی بخشا۔ دلی سے اسے قبول کیا اور اخلاق و محبت کی مثال انگیز فضا میں اپنے بلند اقبال شاگرد کو خدا حافظ کہہ کر گھر کو روانہ ہوئے۔

ان ہی ایام میں جونی ہند سے اور تک زیب کو متوحش خبریں پہنچیں اور بلو شہ فرج قابو کے ساتھ نوہر کو روانہ ہو گیا۔ چودہ برس کامل ان مہلت پر صرف ہو گئے۔ جب بلو شہ واپس آئے تو وزیراعظم نے رپورٹ کی کہ ملا احمد جیلان بہت بڑے زمین دار بن چکے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ان سے لگان وصول کیا

بلو شہ کی موت

ملا احمد جیلان اور تک زیب عالتگیر کے استو حنفی ایک دن اور تک زیب عالتگیر عصر کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد میں تشریف لائے تو کیا کھا کر ملا احمد جیلان حوض پر بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ مسجد نمازیوں سے کچھا مچ بھری ہوئی تھی۔ بلو شہ منہوں کو چیرتا ہوا استو کی خدمت میں پہنچا اور انتہائی عقیدت سے قدموں میں جھک گیا۔ بلو شہ کو فقیر کے آگے سرنگوں دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں سے بے اختیار خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔

نماز سے فارغ ہو کر ملا احمد بلو شہ کے ساتھ ہاتھی کی عماری پر سوار ہو کر قلعہ معلیٰ میں تشریف لے گئے۔ مغرب تک دیوان خاص میں پر لطف مذاکرہ جاری رہا۔ نظاریت را پہلے بلو شہ نے پوچھا۔

"حضور کھانا غلام کے ساتھ کھائیں گے یا نظر شانی کو سرفراز فرمائیں گے۔"

فرمایا۔ "تمہارے ساتھ ہی کھانے کی ترتیب ہے۔"

شام کو دونوں شخصیات ساتھ ایک ہی دسترخوان پر چلوں افروز تھیں۔ ملا احمد کھانا بھی کھا رہے تھے اور بلو شہ جنان بلو شہ کے بارے میں استفسارات بھی کرتے جاتے تھے۔ بلو شہ انتہائی ادب سے اپنے بھائیوں کے ساتھ لڑی ہوئی جنگوں کے حالات بیان کر رہا تھا۔

کھانا ختم ہوا تو ہاتھ دھوئے کے بعد ملا احمد نے ایک امرتا سونے کپڑا پیش کیا۔ فرمایا۔

"اسے میری والدہ نے بلو شہ اور روزہ میں دے کر کانا

لوگوں کی شاہانہ طرز زندگی اور اس کے ساتھ ناشکری کے متاع کو دیکھنے کا موقع ملا تو انہوں نے ایک محفل میں بہت دکھ سے کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو کہیں اس کفران نعمت کی مراند دے۔"

(عطاء الحق قاسمی۔ روزانہ پراہے)

☆ بندہ ہاؤن میں کتنے دلی آگ بہتہ کا شاہانہ ہے۔ اس میں نکات غیر معمولی ہیں۔ اگر آگ پڑے کے گواہ سے شہر ہوئی اس کی۔ عدت اتنی دنوں میں ہوئی ہے کہ وہاں سے لوہے کے کارڈ پر اثر انداز ہوئے۔ اگر شہر سے ہوتو بھی اتنی تیزی سے نہیں پھیلتی۔ جبکہ فیکٹری میں جزیئرنگل کے کیبل اور برادر بالکل صحیح حالت میں ہیں۔

☆ ایک پریس ہونڈا

☆ افتخار چوہدری کوئی پانچ برس پہلے نوکیلی سینگوں والے ایک بدست جیسے کا برف لھرا تھا۔ 9 مارچ 2007ء کو اسے آری ہاؤس طلب کر کے کئی بلویدی جرنیلوں کے جھرمٹ میں بٹھایا گیا۔ بعد کی کہانی رعوت میں لکھنے ہوئے ایک فرعون صفت شخص کی خود سری اور اپنے لفظ پر یقین کرتے والے بے وسیلہ شخص کی استقامت کی ایسی داستان ہے جو پاکستان کی بے بسی کی تاریخ کا شہری ورق ہے۔

(عرفان صدیقی۔ نقش خیال)

☆ بندہ ہاؤن میں فیکٹری کی آتش زندگی نہ جلنے تھا۔ نہ ہی سانحہ۔ یہ سیدھا سا بدہشت گردی کا واقعہ تھا۔ جس کو اس سے قانع نہ تھا۔ اس کے بارے میں بھی کوئی خاص قیاس آرائی اور تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر صرف ایک آواز کو قلعے دار کو بتی یہ متنی سمجھانے پر مامور کر دیا جائے تو دونوں میں سب سامنے آجائے گا۔

(طلعت حسین۔ رولر اسٹ)



تجربہ تھا۔ کچھ لوگوں نے دل جلے تبصرے بھی کیے کہ اپنے ہر انٹرویو میں خود کو "چائلڈ میچ کیس" قرار دینے والی شائستہ جب ہدی ہو میں تو بزرگوں کی طے کردہ شادی توڑ دی۔ خیر! یہ شائستہ کی ذاتی زندگی ہے جس میں مداخلت کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ (سوائے ان کے قریبی لوگوں کے۔)

تاہم طلاق کے بعد ایک خاص مدت تک گھر میں نہ "گزارنے کا فیصلہ شائستہ کا ذاتی فعل ضرور ہے مگر ان کا یہ عمل معاشرے پر کسی طور اثر انداز بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے برادر کا ایک حلقہ ہے اور لٹلا تعلیم یافتہ ہونے کے سبب بہت سے لوگ شائستہ سے سلجھے ہوئے مداخلت کی توقع بھی رکھتے ہیں۔ (شاہد) اسی لیے لوگ شوہر میں کتنے سے ڈرتے ہیں کہ محفل تعلیم شریز کے معلومات پر اتنا اثر انداز نہیں ہوئی جتنا شوہر کی چکاچوند انہیں متاثر کر دیتی ہے۔

کچھ اور اصرار ہے

☆ ہر وقت پاکستان میں ناشکے اس میں کپڑے نکالتے رہتے ہیں۔ ایک بار انڈیا سے ایک بہت بڑی علمی شخصیت پاکستان تشریف لائے۔ انہیں یہاں

اس خبر نے بادشاہ کو حیرت میں ڈال دیا کہ ایک غریب اہل پوری یا کشین عالم امیر کیر کیسے بن سکتا ہے۔ اسے ہستو سے ملنے کا اشتیاق تو تھا ہی اس خبر نے اشتیاق کو مزید بڑھا دیا۔ اسی وقت ایک نیاز نامہ اپنے قلم سے ملا احمد کو تحریر کیا کہ حضرت کو ملے کلن حصہ ہو چکا ہے۔ نیاز مند و کن کی مصلحت میں اس قدر اچھا کہ یہ تخت کو بھی دلہن نہ آسکے۔ امیدوار ہوں کہ آپ شریف لاکر مجھے سرفراز فرمائیں۔

بادشاہ کے بلاوے پر ملا احمد دہلی شریف لے آئے۔ بادشاہ نے انتہائی محبت سے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور رمضان کے لیٹل و نہار اخلاص و اداوت کے جذبات میں بسر ہونے لگے۔ ملا احمد کا لباس اسی طرح سادہ تھا۔ ان کے لب و لہجہ اور طور و اطوار سے وہی سلوکی نمایاں تھی۔ باوجود اشتیاق کے بادشاہ کو یہ جرات نہ ہوئی کہ ملا احمد صاحب سے دریافت کر سکے کہ کن کی بابت تھوٹ کی جو داستان مشہور ہو گئی ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

ایک دن خود ملا صاحب نے ہی فرمایا۔
”تپ سے جو دہلی لے کر گیا تھا۔ وہ کوئی بہت ہی پابست تھی۔ میں نے اس سے بولے خرید کر کہاں کاشت کی۔ خدا عزوجل نے اس میں اتنی برکت ڈالی کہ چند سالوں کے اندر ہی اندر سیکڑوں سے لاکھوں ہو گئے۔“

بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر ارشاد ہو تو دہلی کی داستان عرض کی جائے۔“

ملا صاحب کا لے اشتیاق سے ”فرمایا ضرور سنوں گا۔“
شہنشاہ نے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ سینہ اتم چند کو اطلاع دی جائے کہ 1049ء کا یہی کہنا لاکر پیش کرے۔
خواجہ سرا کو اتم چند کا پتا معلوم نہ تھا اس لیے ذرا دکانوں میں پناہ پر نظر کی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اتم

چند کے بارے میں اور وضاحت چاہتا ہے۔
فرمایا۔ ”چاندلی چوک میں مسجد پوری کے پائیں جانب جو کوچہ چلا گیا ہے۔ اس میں چوتھے نمبر کا مکان اسی کا ہے۔“

اور تنگ زیب کے سامنے کتے ہوئے بڑے بڑے اصرام کا رہو آب آب ہوتا تھا۔ اتم چند ایک اوسط درجے کا بلیا تھا۔ اسے جب حاضر ہونے کی اطلاع پہنچی تو وہ سخت فکر مند ہوا۔

1049ء کے یہی کہنا کو اٹھا کر بازار پڑتل کی۔ اس کے اوراق کو جھاڑا اور صاف ستھرا کر کے بعل میں دیا کہ قلعہ کو روانہ ہوا۔ خواجہ سرا اسے اور بازار اور پانچ انعام کی سیر کراتا ہوا دیوان خاص میں لے گیا۔ بادشاہ و خلیفہ میں مصروف تھے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد جب حضور فارغ ہوئے تو اسے پیش کیا۔

بنیاد عجب شگفتی سے کلب تھا۔ زخمت کے لیے جھلکا چاہتا تھا۔ مگر خواجہ سرا نے تمام لیا۔
بادشاہ نے مسکرا کر بنے پر نظر ڈالی اور فرمایا۔
”مگر براؤ نہیں آگے بڑھو۔“ 1049ء کا کہنا قبول کر خراج کی تفصیل عرض کرو۔“

بنے نے ہر پڑا کر روزانہ کھولا اور تاج اور خراج کی تفصیل پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر آکر رک گیا۔
یہاں ایک صفی درج تھی۔ مگر اس کے سامنے لینے والے کا نام نہیں تھا۔ شہنشاہ نے ملاحظہ سے پوچھا۔
”ہاں یہ کوئی نہ ملنی کہاں تھی۔“

اتم چند نے روزانہ پڑھ کر کے رکھ دیا۔ ایک تو بکر سوز کھیتی پوریوں عرض گزار ہوا۔
”جہاں پناہ لیا ایک دو بھری راستن ہے۔ اگر حضور اجازت دیں تو عرض کی جائے۔“

”ہاں! مابہولت اسے شوق سے سنیں گے۔“
شہنشاہ نے سختی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے فرمایا۔
”جوہر کی ایک تاریک رات کا واقعہ ہے کہ پہر رات گزرے جتنا کی جانب سے شہر گھنٹا چھ آگئی اور دیکھتے

ہی دیکھتے موسلا دھار برسنے لگی۔ میرا مکان اگرچہ پختہ تھا۔ مگر نیا بنا تھا۔ اس نے بارش و کھجی نہ سکی۔ بہ شکل دو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے کہ اس نے ٹپکنا شروع کر دیا۔ میرا جتنی سلمان بھی کھاتے ہیں سب اسی میں تھے۔ میں نے بڑی کوشش کی۔ مگر مکان کا ٹپکنا بند نہ ہوا۔ میں نے گھبرا کر باہر جھانکا تو مجھے ایک ٹوٹی سرکاری لائٹین کے نیچے کھڑا نظر آیا۔ میں سخت متعجب ہوا کہ تو وہی رات گزرے کون شخص ہو سکتا ہے۔ جو کسی مکان میں پناہ لینے کے بجائے ایسی کھلی جگہ پر کھڑا ہے۔ جہاں بارش کی بو چھاڑی ہو طرح سے پڑ رہی ہے۔ میں نے بھرا ل ہوئی تو اُن میں پکارا۔
”بھلے میں! مزید ہی کرو گے؟“

جواب ملا ”بھینس نہیں۔“
وہ تنگ موٹیں چار گھنٹے انتہائی بے لوری اور جفاکشی کے ساتھ کھم کرتا رہا۔ تب کہیں جا کر صحت درست ہوئی۔ پھر اس نے اندر کا سلمان درست کیا۔ ہم سب حیرت سے کھڑے تھے۔ وہ بے اور وہ مشین کی طرح کھم میں مصروف تھا۔ جسے میں پوری سہرے لڑائی کی تواڑ لگی۔ اس تو نے کام چھوڑ کر لڑائی سنی اور ہر ہر کلمے کے ساتھ دکان کی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔
”میں نے صاحب! آپ کا کھم ٹھیک خاک ہو چکا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں کپڑے بدل کر کسی مسجد میں نماز ادا کروں۔“

میں نے کہا۔ ”واقعہ میرا کھم آپ نے ختم کر دیا ہے۔ لیکن آپ کو دینے کے لیے سولہ دہائی کے میری جیب میں اور رقم نہیں ہے۔ آپ صبح کو دکان پر تمباکویں میں منہ مانگا انعام دیں گا۔“
اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ”مجھے ہی ملنی کافی ہے۔“
میں بھر حاضر نہیں ہو سکتا۔ یہ تک مجھے کسی اور جگہ جا کر کام کرنا ہے۔“

”بھورا“ میں نے جیب سے ملنی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور وہ لے کر منہ کھد لگے میں غائب ہو گیا۔ ہم دیر تک کھڑی سے جھانک کر اسے دیکھتے

رہے۔ وہ صبح پوری مسجد کی طرف ہی گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے قسے بہتیرا ڈھونڈ ڈھونڈ میں جا کر تلاش کیا۔ مگر وہ نہیں ملا۔ چند برس ہو چکے ہیں۔ پھر کی وہ رات ”مکان کا ٹپکنا“ جیسی کاساری رات کھم کرنا اور پھر دہائی لے کر کم ہو جانا نہیں بھولنا۔ وہ کہ میرا ضمیر میں بھی ملامت کرتا ہے کہ اگر وہ بے نہ تھے، اشرفیاں تو موجود تھیں۔ ایک اشرفی ہی دس سو روپے۔ اتم چند نے یہ داستان ختم کر کے بعد ہاتھ جوڑ کر

شہنشاہ کو برہم کیا۔ بادشاہ نے دست مبارک سے حاجت خاخرہ مرحمت کر کے اتم چند کو رخصت فرمایا۔ جب وہ روانہ ہو گیا تو بادشاہ نے مسکرا کر ملا احمد پر نظر ڈالی ملا صاحب فرط محبت سے جموم اٹھے ہوئے۔
”وہاں اور تنگ زیب تو نے کمال کر دیا۔ میرا پہلے سے یہی خیال تھا کہ شاگرد بلند اقبال نے یہ خود کیا کری بندر گزاری ہے۔ ورنہ اس سے سیکڑوں اور لاکھوں کیونکر بنتے۔“

بادشاہ نے انتہائی عقیدت سے عرض کی کہ یہ حضرت کے فیض تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ اور تنگ زیب ڈالی خراج کے لیے خود کمالیتا ہے اور غرضت عامو سے کچھ نہیں لیتا۔ اگر حضرت کی دعا شامل حال نہ ہوتی تو مجھے یہ خوش کیونکر ہوتی۔“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے قارئین انکار کے 4 خوبصورت ناول

پہلا نمبر	قیمت 500/-
دوسرا نمبر	قیمت 500/-
تیسرا نمبر	قیمت 300/-
چوتھا نمبر	قیمت 250/-

ناول نگاران کے لیے نئی کتاب ڈاک طرح 45% روپے

پاک، سوسائٹی ڈاٹ کام آپ کو تمام ڈائجسٹ
 ناولز اور عمران سیریز بالکل مفت پڑھنے کے ساتھ
 ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک کے ساتھ
 ڈاؤنلوڈ کرنے کی سہولت دیتا ہے۔
 اب آپ کسی بھی ناول پر بننے والا ڈرامہ
 آن لائن دیکھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ
 لنک سے ڈاؤنلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔

For more details kindly visit
<http://www.paksociety.com>

منجن یا ٹوٹھ پیسٹ استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے
 دانتوں میں چمک اور خوب صورتی پیدا ہوتی ہے۔

☆ دس گرام پشکری، تین گرام شہد اور چھ گرام
 سرکہ لیں۔ تین تین جنوں کو اچھی طرح ملا کر ہلکی آغ
 پر پکائیں۔ جب اچھی طرح پک جائیں تو انار لیں اور
 ٹھنڈا کر کے کسی پوٹل میں ڈال لیں اور حسب
 ضرورت استعمال کریں۔ اس سے دانت صاف
 شفاف اور مضبوط ہو جائیں گے اور اگر آپ کے دانت
 ہلنے میں توجہ بھی دینا پڑے گا۔

☆ صبح یا شام کے وقت مغزیت اور والے لال چٹکے
 سمیت ایک سے تین دانے آہستہ آہستہ چبا کر کھائے
 سے چند روز میں سوزے مضبوط اور دانت صاف ہو
 جائیں گے۔

☆ دانتوں کو مضبوط کرنے کے لیے کوئی پیالی سرکہ
 میں ایک کھانے کا چمچہ شہد ملا لیں اور اس سے روزانہ
 کلیں کریں۔

☆ اگر آپ کے دانتوں سے خون آتا ہو تو پشکری
 ایک ٹولہ، نمک ایک ٹولہ، کھلی مرچ ایک ٹولہ لے کر
 تینوں کو پیس لیں اور پھر دانتوں پر ملیں۔ میں منشی بعد
 کر مہانی سے کلی کریں۔ چند ہی دنوں میں دانتوں سے
 خون آنا بند ہو جائے گا۔

☆ پوٹاشیم پر مبنی گھٹے جسے لال دوائی بھی کہتے
 ہیں۔ ٹھوڑی مقدار میں لے کر ایک گلاس پانی میں
 حل کر لیں اور پھر اس سے غرارے کریں۔ اس سے
 بھی دانتوں سے خون آنا بند ہو جائے گا۔

☆ اگر سوز دھوں میں درم آجائے تو نمک کا ذرا ایک
 ٹولہ خوشوار ایک ٹولہ لے کر دانتوں کو خوب بہا کر یکسخت
 لیں۔ منجن سولوں پر ملنے سے چند دنوں میں آرام
 آجائے گا۔

☆ اگر دانتوں میں درد ہو یا منہ سے بدبو آتی ہو تو گرم
 پانی میں نمک ملا کر کلی کرنے سے دانتوں کی تکلیف اور
 منہ سے بدبو بھی دور ہو جاتی ہے۔

☆ نمک کا تیل ہار ہار لگانے سے بھی دانتوں کے
 کیزے مر جاتے ہیں۔



دانتوں کی صفائی

شخصیت کی دکھائی دہائی چہرے کی خوب
 صورتی کے ساتھ ساتھ دلکش اور حسین مسکراہٹ
 میں پنہلی ہے۔ حسین مسکراہٹ دانتوں کی مرہون
 منت ہوتی ہے۔ اس لیے دانتوں کی صفائی اور خوب
 صورتی کا خاص خیال رکھیں۔ دانت انسان کے چہرے
 پر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں کرتے اور
 شکر آتے وقت نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں اور اگر یہ
 گندے ہوں تو اس سے دیکھنے والی شخصیت کا تاثر
 خراب ہوتا ہے نیز دانتوں کی صفائی نہ کرنے سے
 معدے اور سوز دھوں کی بہت سی بیماریاں لاحق ہو
 جاتی ہیں۔ اس لیے دانتوں کو چمک دار اور خوب
 صورت بنانے کے لیے متوازن غذا کا استعمال کریں
 جس میں دودھ، گھٹے، سبزیاں، پھل، گوشت اور اناج
 خاص طور پر ضروری ہیں۔

☆ دانتوں کی صفائی اور خوب صورتی کے لیے ٹوٹھ
 برش یا مسواک باقاعدگی سے استعمال کریں۔ یہ عمل
 دانتوں کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں
 بیماریوں سے محفوظ رکھے گا۔

☆ کنوے تیل میں نمک ملا کر دانت صاف کریں۔
 اگر تیل کی بو سے چمکنا بہت محسوس کریں تو اس کے بعد